

سُورَۃُ النَّجْمِ

مکّی ہے اس میں (۶۲) آیتیں اور (۳) رکوع ہیں

ماقبل سورت "والطور" کا اختتام فسبحہ وادبار النجوم پر ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے سورت مابعد کا آغاز "والنجم" سے فرمایا گیا۔ تاکہ ایک سورت کا ربط دوسری سورت سے قائم رہے۔ نیز بعض مضامین جو قرآن کریم اور رسول رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم سے متعلق والطور میں آئے تھے اون کی تشریح و توضیح والنجم میں فرمائی گئی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

یہ وہ پہلی سورت ہے جس کی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم شریف مکہ میں بالجہر تلاوت فرمائی اور کفار و مشرکین مکہ کے مجمع عام میں اس کا اعلان فرمایا۔

سورت کے ختم پر جو آیت ہے یہ بھی تمام آیات سجدہ میں

پہلی آیت سجدہ ہے جو نازل ہوئی۔ اس کو تلاوت فرماکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ ادا فرمایا۔ اور اس کو سن کر وہاں کے تمام جن وانس (مسلم، مشرک) سر بسجود ہوگئے۔ امیہ بن خلف جو اشد کافر نیز پیر فرتوت اور بہت ہی لحیم شحیم تھا اوس نے زمین سے کچھ مٹی اوٹھالی اور اوس کو اپنی پیشانی سے لگا کر کہا:۔ "یکفینی ھٰذا" مجھے اسی قدر بس ہے۔ اس پر اوس کا یہ حشر ہوا کہ وہ غزوۂ بدر میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

بعض روایات میں ابولہب اور ولید بن مغیرہ کی نسبت بھی یہ آیا ہے کہ سجدہ نہ کرنے والوں میں یہ بھی تھے۔ ان کا بھی یہی حشر ہوا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

53-2 وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (عل۱) ۙ مَا ضَلَّ (عل۲) صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ

قسم ہے ستارے کی جب کہ ڈھلے یا روانہ ہو۔ تمہارے صاحب

نہ تو خود راہ بھولے ہوئے ہیں اور نہ کسی کے بہکانے سے بہک سکتے ہیں

عل۱ اذا کلمۂ شرط جو عموماً استقبال کے لئے آتا ہے مگر یہاں مطلق وقت مراد ہے۔ ھَوٰی طلوع وغروب دونوں معنی کے لئے آتا ہے۔ اہل لغت نے اس کے مصدر میں فرق کیا ہے۔ ھُوِیٌّ (بضم الہاء) ذھاب فی انحدار والھَوِیٌّ (بفتح الہاء) ذھاب فی ارتفاع بلندی سے پستی میں آنے کو ھُوِیٌّ اور پستی سے بلندی کی طرف جانے کو ھَوِیٌّ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے "روانہ ہونا" ترجمہ کیا ہے تاکہ دونوں معنی مراد لئے جا سکیں۔ اگرچہ اکثر مفسرین کرام نے معنی اول ہی مراد لئے ہیں اور غروب ہونے والے ستارے کی قسم کھانے کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ بعض مشرکین جو ستاروں کی

یہاں واؤ قسمیہ ہے۔ قسموں کا بیان سورہ والذّٰریٰت کی تفسیر میں

(بقیہ حاشیہ ۱؎ صفحہ گذشتہ)
پرستش کرتے ہیں اون کو یہ معلوم ہوجائے کہ ستارے غروب ہوتے ہیں اور غروب ہونے والا پرستش کے قابل نہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستارے کو غروب ہوتا دیکھ کر فرمایا تھا "لا احب الآفلین" یعنی میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۲؎ مَا حرف نفی یعنی نہیں۔ ضَلَّ فعل ماضی از ضلال۔ ویقال الضلال لکل عدول عن المنهج عمدا کان او سهوا یسیرا کان او کثیرا فان الطریق المستقیم الذی هو المرتضی صعب جدا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم استقیموا ولن تحصوا۔ (مفردات) جادہ سے ہٹ جانا عمداً ہو یا سہواً، تھوڑا ہو یا بہت، ضلال (گمراہی) ہے کیوں کہ صراطِ مستقیم جو پسندیدہ و مقبول ہے بہت ہی کٹھن ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "راستی اختیار کرو گو تم سے اس کی تکمیل (کما حقہ) کبھی نہ ہوسکیگی"۔

ویضادہ الهدایة۔ "اور اس کی ضد ہدایت ہے"۔ یعنی ضلال، ہدایت کا جانب مخالف ہے۔ صَاحِبُکُمْ۔ تمہارے صاحب، ساتھی، رفیق، حضور اکرم

ملاحظہ ہو۔ النجم کے معنی ستارہ اور بیل کے ہیں۔

بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحی فداہٗ مراد ہیں۔ صاحب کے معنی مالک، ولی امر، قائد وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ اور یہ سب معانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق ہیں اسی وجہ سے تفسیر میں صاحب کا ترجمہ نہیں کیا گیا بلکہ وہی جامع کلمہ لکھ دیا گیا ہے جو عام فہم ہے تاکہ ناظرین اپنے ذوق کے لحاظ سے جو معنی چاہیں مراد لے سکیں ع عبارا تنا شتّٰی وحسنك واحد۔ وَمَا غَوٰی۔ فعل ماضی غیؔ سے بنا ہے اس کا مقابل رُشد ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے: "قد تبیّن الرُّشد من الغیّ" کسی کے بہکاوے میں آنا اور اپنے جادہ پر قائم رہنا۔ یہ دونوں جدا جدا حقیقتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں آیا ہے:۔ "فعصٰی آدم ربہ وغوٰی" آدمؑ نے اپنے رب کا خلاف کیا اور بہکاوے میں آگئے" مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ارشاد ہو رہا ہے۔ "ما ضل صاحبکم وما غوٰی" تمہارے صاحب نہ تو خود کبھی بھولے اور نہ کسی کے بہکاوے میں آئے"۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو فضیلت ثابت ہو رہی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

نجم کے متعلق مفسرین کرام کے اقوال

مفسرین کرام کے نزدیک اس سے مراد حسب ذیل ہے:۔

۱۔ جنس ستارہ یعنی تمام تارے جو آسمان پر پھیلے ہوئے ہیں۔

۲۔ ثُریا (ستارہ خاص) جو چند ستاروں کا مجموعہ ہے اور جس کو عام طور پر بچوں والی مُرغی کہتے ہیں مشہور یہ ہے کہ یہ کل سات ستارے ہیں جن میں سے ایک ستارہ بہت باریک ہونے کی وجہ سے عموماً دکھائی نہیں دیتا مگر درحقیقت یہ بارہ ستارے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب کو بسہولت ملاحظہ فرما لیتے تھے۔ حدیث شریف "ماطلع النجم قط وفی الارض من العاھۃ شئ الا رفع میں النجم سے ثریا ہی مراد ہے۔ یعنی جب ثریا طلوع ہو تو زمین میں جس قدر آفات ہوتی ہیں وہ دور ہو جاتی ہیں" مطلب یہ کہ تاریکی کے باعث جس قدر اندیشے تھے وہ سب اس کی روشنی کی بدولت مرتفع ہو جاتے ہیں۔

۳۔ نجم ثاقب۔ ٹوٹ کر گرنے والا ستارہ۔ جیسا کہ "والطارق"

میں ہے۔ "والسماء والطارق وما ادراک ما الطارق النجم الثاقب" اس کی تشریح والطارق کی تفسیر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۴۔ بیلیں۔ جو زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ تنہ نہ رکھنے والے نباتات قرآن کریم میں ہے :۔ "والنجم والشجر یسجدان"۔ تنہ نہ رکھنے والے نباتات (بیلیں) اور تنہ دار درخت یہ دونوں (اللہ سبحانہ کے آگے) سر بسجود ہیں۔ (الرحمٰن ۶) عہ

۵۔ قرآن کریم۔ جو نجماً نجماً، قسطاً قسطاً، حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہتا ہے۔ توریت شریف اور انجیل شریف کی طرح

عہ تناور درختوں کا ذکر نہ کرکے صرف بے تنہ بیلوں کا ذکر فرمانے کا منشا فقیر کی نظر میں غالباً یہ ہے کہ درخت کیسا ہی پھلا پھولا تناور ہو اس کی منفعت ایک ہی مقام تک محدود ہے چاہے وہ کتنا ہی بلند و بالا ہو۔ اور بے تنہ بیلیں اگرچہ ایک جگہ لگی ہوئی ہوں لیکن وہ اطراف میں دور تک پھیلتی جاتی ہیں۔ بعض بیلیں تو بہت دور دور تک جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی منفعت ایک جگہ سے دوسرے مقامات تک متعدی ہوتی ہے۔ النجم کی تفسیر مذکور الصدر اقوال میں سے جس قول کے ساتھ کی جائے اس میں بھی افادت متعدیہ مضمر ہے جبھی تو النجم کی قسم کھائی گئی۔ گویا معنی یہ ہوئے کہ نفع متعدی کی قسم۔ جو کسی جگہ سے محدود نہیں جس کا سلسلہ نامتناہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یک دم کامل نہیں نازل ہوا۔

۶۔ ذاتِ اقدس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قرآن کریم میں ہے:۔
وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ۔ اور ستارے ہی سے وہ راستہ پاتے ہیں۔ (النحل) چوں کہ ذاتِ اقدس سرچشمۂ ہدایت ہے اس لئے والنجم کی قسم کھائی گئی۔

۷۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ جن کی نسبت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ "اصحابی کالنجوم بِایِّهِم اقتدیتم اهتدیتم۔ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے راہ راست پر رہو گے"۔ اہلِ بیتؓ کرام و ازواجِ مطہرات ان میں شامل ہیں کیوں کہ سب کے سب بدرجۂ اولین صحابہ ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

۸ **علمائے کرام زمین کے ستارے ہیں** علمائے ربانیین و مشائخ کاملین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک آپؐ کی نیابت پر مامور ہیں اور تبلیغِ احکام و دین کا زبردست فریضہ

انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان ہی کے وجود باجود سے دین کی روشنی ہے۔ حدیث شریف ہے:۔ "العلماء بخوم الارض" علماء زمین کے ستارے ہیں۔

یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ نجم (ستارہ) آسمان کا جس طرح کسی مخالف قوت کی دسترس سے بالاتر ہے کوئی قوت اوس کو روک نہیں سکتی اور نہ کچھ بگاڑ سکتی ہے۔ جس طرح سیارگان اپنے خط مدار پر گھومتے رہتے ہیں اور مدار سے ذرہ برابر نہیں ہٹ سکتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی صراط مستقیم پر جو آپ کے حق میں مدار ہے بہر حال قائم رہ کر مقصد بعثت کی تکمیل فرما رہے ہیں نہ اس سے کبھی ہٹے نہ آئندہ ہٹ سکتے ہیں۔

نبوت و رسالت اور شاعری و کہانت

کفار و مشرکین نے کاہن، مجنون، شاعر وغیرہ کہا تھا اور قرآن کریم کو انسانی کلام تبلایا تھا، ماقبل سورت "والطور" میں اون کے جوابات دے گئے تھے۔ اوسی سلسلہ میں یہاں دوسرے انداز سے وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ تبلیغ رسالت میں نہ کبھی آپ کو

بھول ہوئی اور نہ آپ کسی کے بہکانے میں آئے۔ کاہن اٹکل کی باتیں کرتے ہیں۔ شاعر تک بندیوں سے کام لیتے ہیں اور مجنون کو عقل و دانش سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ تمہارے صاحب جن کی مبارک صحبت میں تم نے چالیس سال گزارے اور اس سورت کے نزول تک مزید پانچ سال گزر چکے ہیں۔ اس (۴۵) سال کی مدت مدید میں جو مشاہدات تم کو ہوئے اون میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو کاہنوں، شاعروں اور دیوانوں سے ملتا ہوا ہو۔ پھر تم کس بنا پر یہ خطابات دیتے ہو؟

اہلِ علم سے استفادہ کی تاکید

یہی حال آپ کے بعد آپ کے جانشین خلفائے راشدین۔ اہل بیت کرام صحابہ عظام۔ ائمہ دین اور اون کے سچے متبعین کا ہے۔ دنیا کسی دور سے گزری اور کیسے ہی رنگ بدلے۔ نجم سماوی کی طرح یہ نجوم ارضیہ برابر نور پاشی اور ضیا گستری کرتے رہیں گے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتے۔ اور خاکدانِ عالم کتنی ہی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہو ان کے نور سے منور ہوتا ہی رہے گا طالبان ہدایت ان متبرک ہستیوں سے مستفید ہوتے رہیں گے اور اپنے نفوس و قلوب کا تصفیہ و تزکیہ کرتے رہیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی

کم نصیب کور باطن ان سے اپنی توجہ ہٹالے اور ان سے اپنی آنکھیں بند کرلے :۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

حضور اکرم کی شاندار کامیابی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ رسالت میں کیسی کیسی دشواریاں پیش آئیں اور کس کس طرح آپ کی مخالفت کی گئی۔ اعتراضات کئے گئے۔ طعنے دئے گئے۔ استہزاء کیا گیا۔ مذاق اڑایا گیا۔ خطابات دئے گئے۔ القاب تراشے گئے۔ ایذائیں پہنچائی گئیں۔ پھر خوشامد کی گئی۔ لالچ بتایا گیا۔ دولت وحکومت کا پیشکش کیا گیا۔ حسین وجمیل عورتوں کے پیام دئے گئے۔ ترغیب وترہیب کے جملہ ذرائع اختیار کئے گئے۔ جب دیکھا کہ باایں ہمہ پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آسکی تو جان کے دشمن ہوگئے۔ وطن عزیز کے چھوڑ دینے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا۔ جدال وقتال کا دروازہ کھولا گیا جو مدۃ العمر بند نہ ہوسکا تمامی عمر شریف اسی ابتلاء ومحن میں گزری مگر خدا گواہ ہے اور ساری کائنات کا مشاہدہ ہے کہ تبلیغ رسالت کے فرض کی انجام دہی میں نہ کبھی

کوئی بھول چوک ہوئی۔ نہ کسی مغوی کا اغواء کارگر ہو سکا۔ اور یہ کس طرح ممکن تھا جب کہ احکم الحاکمین، رب العالمین کے دربار خاص سے آپ کو "ما ضل صاحبکم وما غوی" کی زبردست سند مل چکی تھی جو قیام قیامت تک مسلمانوں کے سینے میں محفوظ اور مخالفین کے مقابلہ میں پیش ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ نظام سیارات کی طرح نظام رسالت بھی خدائے تعالیٰ نے محکم طریقے پر قائم فرمایا ہے۔

رہی آیۃ کریمہ ووجدك ضآلًا فهدیٰ۔ اس کی تشریح سورت والضحیٰ کی تفسیر میں انشاء اللہ العزیز آئے گی۔

ماقبل سورت "والطور" میں ارشاد ہوا تھا "ام یقولون تقوّلہ" کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن کریم) کو آپ محنت و تکلّف سے تصنیف کرتے جاتے ہیں"۔ اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے:—

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ[1] ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ اور 3-3

(نبی اکرم) نہیں بولتے جی کی خواہش سے، نہیں ہے وہ (قرآن کریم) مگر حکم کھلا بھیجا ہوا"۔ 3-3

[1] النطق فی التعارف الاصوات المقطعۃ التی یظهرها اللسان

قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا	یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی کلام کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف

بقیہ حاشیہ علہ صفحہ گذشتہ۔

وتعیھا الآذان قال مالکم لا تنطقون ولا یکاد یقال الا للانسان ولا یقال لغیرہ الا علی سبیل التبع عرف متعارف میں "نطق" اُن الگ الگ آوازوں کو کہتے ہیں جن کا زبان اظہار کرتی ہے اور کان ان کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی حکایت فرمائی ہے جب کہ آپ نے نمرودیوں کے بتوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "تم کو کیا ہو گیا ہے جو تم بولتے نہیں ہو"۔ (یہاں لا تنطقون سے وہی زبان کی آوازیں ہیں جو کانوں میں پڑتی ہیں) "نطق" کا اطلاق لسان انسانی کی آواز ہی پر ہوتا ہے۔ دوسری آوازوں پر بالتبع اور مجازی طور پر نطق کا اطلاق ہوگا (اصلی اور حقیقی نہ ہوگا) مفردات۔ حقیقۃ النطق اللفظ الذی ھو کالنطاق للمعنی فی ضمہ وحصرہ۔ "نطق" فی الحقیقت وہ جامع ومانع لفظ ہے جو معنی کا "نطاق" (کمر بند) ہے۔ جس طرح کمر بند لگانے سے انسان چست ہو جاتا ہے اسی طرح نطق (کلام) کے ذریعہ دل کی مراد متعین ہو جاتی ہے۔ (مفردات)۔

۲ــہ الھوی میل النفس الی الشھوۃ ویقال ذلک للنفس المائلۃ الی الشھوۃ

کیوں کر منسوب فرما سکتے ہیں۔ کلام تو کئی کلمات سے بنتا ہے اور ایک ایک کلمہ

بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ۔

وقیل سمی بذلک لانه یھوی بصاحبه فی الدنیا الی کل داھیة و فی الاٰخرة الی الھاویة ...... وقد عظم اللہ تعالی ذم اتباع الھوی۔ شہوت کی طرف نفس کے مائل ہونے کو "ھوی" کہتے ہیں۔ یہ میلان نفس ہی انسان کو دنیا میں بڑی بڑی مصیبتوں میں ڈالتا اور عقبیٰ میں بڑے عذاب کی طرف جھونک دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اتباع خواہشات نفس کی بڑی مذمت فرمائی ہے۔ (مفردات)

۳ وحی۔ اصل الوحی الاشارة السریعة و ذالک یکون بالکلام علی سبیل الرمز والتعریض وقد یکون بصوت مجرد عن الترکیب و باشارة بعض الجوارح و بالکتابة ویقال للکلمة الالٰھیة التی تلقی الی انبیائه واولیائه وحی۔ وذلک اما برسول مشاھد تریٰ ذاته ویسمع کلامه واما بسماع کلام من غیر معاینة واما بالقاء فی الروع واما بالھام واما بتسخیر او بمنام۔

"وحی" دراصل تیز اشارہ ہے یعنی پھرتی سے کسی طرح آگاہ کر دینا۔ یہ اشارہ کبھی کلام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ کلام بطور رمز و کنایہ کے ہو یا تعریض کے طور پر۔ کبھی آواز کے ذریعہ

کئی حروف سے مرکب ہوتا ہے۔ آپؐ ایک حرف بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف یوں ہی منسوب نہیں فرما سکتے۔ یہ تو اون بے باک اشخاص کا کام ہو تو ہو جن کی عمر ضلالت اور غوایت میں گزری ہے جن کے افعال و اقوال بھی

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ۔

ہوتا ہے جس میں حروف نہ ہوں۔ کبھی اعضائے ظاہری ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ کے ذریعہ، یا تحریر کے ذریعہ "وحی" کے یہ معنی لغت کے اعتبار سے ہیں۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ اللہ پاک کی جانب سے جو بات انبیا علیہم السلام کی طرف بھیجی جاتی ہے وہ وحی ہے۔ اس کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ کبھی تو اللہ پاک کا بھیجا ہوا فرشتہ کلام سناتا ہے جس کو دوسرے بھی دیکھ سکتے ہیں اور اوس کی بات سُن سکتے ہیں۔ کبھی اوس کا کلام سنائی دیتا ہے اوس کی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ یا دل پر کسی امر کا القا کر دیا جاتا ہے یا الہام کے ذریعہ معلوم کرا دیا جاتا ہے یا کسی چیز کو تابع فرمان بنا دیا جاتا ہے یا خواب میں معلوم کرایا جاتا ہے۔ صاحبان وحی (انبیا علیہم السلام) پر جو وحی آئے اوس کو وہ دوسروں کو سناتے ہیں تو اس سنانے کو بھی وحی کہتے ہیں (مفردات)۔ اولیا کی طرف وحی آنے کا مطلب یہی ہے کہ اصل وحی تو انبیا علیہم السلام پر آئی اور انہوں نے اپنے متبعین کو وہ پیام پہنچایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ لم یبق من الوحی الا المبشرات اب وحی کی کوئی قسم سوائے رویائے صالحہ کے باقی نہیں رہی کیونکہ نبوت آپؐ پر ختم ہو چکی ہے۔

صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے رہے جس کو ضلالت کہتے ہیں اور اون کے
عقائد بھی صراط مستقیم سے دور رہے جس کو غوایت کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ
تعالیٰ کے نزدیک اس سے زاید ظالم بلکہ اظلم کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ
اس کی تصریح سورۂ انعام میں اللہ پاک نے فرمائی ہے:۔

مفتری کذاب ظالم ہے

"ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا
او قال اوحی الیّ ولم یوح الیہ شیئٌ
ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ۔ بھلا اوس سے بڑھ کر ظالم
اور کون ہوگا جس نے غلط اور جھوٹا بہتان اللہ سبحانہ پر باندھا یا
یوں کہا کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی درحالیکہ اوس کے پاس کوئی وحی نہیں آئی یا
یوں کہتا ہو کہ میں بھی ایسا کلام اتار سکتا ہوں جیسا کہ اللہ نے اتارا"
نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، نعوذ باللہ منہ۔ پھر سورۃ الحاقّہ میں
ایسے افترا پردازوں اور ایسی افترا پردازی کی سزا یہ بیان فرمائی:۔

مفتری کذاب کی سزا

ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل
لاخذ نا منہ بالیمین ثم لقطعنا
منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ اگر بفرض محال

کسی نے کوئی قول ہماری طرف یوں ہی منسوب کر دیا تو ہم اوس کا داہنا ہاتھ (جس میں زیادہ قوت ہوتی ہے) پکڑ لیں گے پھر اوس کی شہ رگ ہی کاٹ ڈالیں گے پھر تم میں سے کوئی بھی اوس کو روکنے والا نہ ہو سکیگا"۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اپنے کلام کو کسی اور کی طرف منسوب کر دینا عرفاً و اخلاقاً کیسا سنگین جرم ہے افترا و بہتان عقلاً بھی مذموم ہے۔ اہل دنیا اور دنیوی سلطنتیں ایسے مفتریوں اور بہتان لگانے والوں کو کیسی بری نظروں سے دیکھتی ہیں۔ اور گرفتار ہوتے پراون کو کیسی عبرتناک سزا دیتی ہیں۔ اسی طرح یہ جرم اپنے سے جس قدر بڑے کے مقابل ہوگا اوس کی سنگینی کیسی بڑھتی جائے گی اور سزا کیسی سخت سے سخت تر ہوتی جائے گی۔ پھر فرض کرو کہ اگر کوئی یہی جرم اللہ سبحانہٗ کی جناب میں کرے اور اپنے یا کسی اور کے کلام کو اللہ سبحانہ کا کلام بتلائے تو اندازہ کیجئے کہ اوس پر خداوند تعالیٰ شانہ کا کیا غضب اور قہر ہوگا اور وہ کس عذاب شدید کا مستوجب قرار پائے گا۔ دنیا اور اہل دنیا کی گرفت سے انسان اپنے آپ کو بچا بھی سکتا ہے مگر کس کی مجال ہے کہ خداوند جل شانہ کی گرفت سے خود کو بچا سکے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ۔

اے انسان تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے"۔ یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ انا منتقمون۔ جس دن ہم اپنی زبردست گرفت میں لے لیں گے تو اوس سے پورا پورا انتقام لے کر رہیں گے"۔ اوس کی قوت وجبروت کے آگے کسی کی چل سکتی ہے؟ بہرحال ایسا کام کسی کاذب' مفتری بہتان باندھنے والے کا ہوسکتا ہے جو ضالّ (گمراہ) صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے اقوال و افعال کا عادیٔ یا وہ کسی غاوی (بدعقیدہ) شخص کا کام ہوگا جو کسی کے بہکاوے میں آگیا ہو۔ تمہارے صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو یہ ہے:۔

آں حضرتؐ کی چہل سالہ زندگی مبارک اور قوم کا تاثر۔

"ماضلّ صاحبکم وما غویٰ وما ینطق عن الھویٰ" چالیس سال تک تم گمراہوں کی صحبت میں رہنے کے باوجود نہ تو وہ کبھی راہ راست سے ہٹ سکے اور نہ کسی کے بہکاوے میں آئے۔ چنانچہ تم خود اون کو "محمد الامین" کے لقب سے یاد کرتے آرہے ہو۔ **محمد**! کون **محمد**؟ وہی جو نہایت راستباز۔ صادق القول۔ صادق الوعدٗ امانت دار محمدؐ ہیں

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن کی ولادت باسعادت تمہارے سامنے ہوئی جن کا
بچپن شباب تمہارے ساتھ گزرا۔ چالیس سال تک تمہارے ساتھ
آپ کا معاملہ رہا۔ کسی امر میں کوئی لغزش نہ ہوسکی۔ نہ طفولیت میں جس میں
بچے عموماً غلطیاں کر جاتے ہیں۔ نہ جوانی میں جس کو الشباب شعبةٌ
من الجنون کہا جاتا ہے۔ یعنی جوانی بھی جنون کی ایک شاخ ہے"۔ اب
جب کہ عمر شریف چالیس سال سے متجاوز ہو چکی۔ سن نمو ختم ہوا سن وقوف کا
آغاز ہوا۔ عقل و تجربہ کی تکمیل ہوئی۔ کیونکر ممکن ہے کہ ایک دم رنگ
بدل جائے یا بگڑ جائے۔ توبہ توبہ۔

بعد بعثت قوم کی حیرانی

حقیقت یہ ہے کہ مشرکین اور کفار
قریش بھی حیرت میں تھے کہ آپ[ص] کو
کیا کہیں۔ کذب کی طرف نسبت دینے کی تو اون کو ہمت ہی نہ تھی۔
اگر کوئی گستاخ ایسا ارادہ کبھی ظاہر بھی کرتا تو دوسرے اوسی کے
ساتھ والے اوس پر نفریں کرتے تھے کہ ہاں ہاں اتنی بڑی بات آپ[ص] کی
جناب میں کس منہ سے کہنا چاہتا ہے۔ قرآن پاک کے سورۂ انعام
میں ہے: "فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

یجحدون۔ یہ لوگ کذب کی نسبت آپ کی طرف نہیں کرتے ہیں لیکن
یہ ظالم اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہیں " اس بنا پر کافر و نے آپؐ کو شاعر
ساحر، مجنون، تو کہا لیکن کذب کی نسبت دینے سے ڈرتے رہے۔
جب یہ معلوم ہوچکا کہ ضلالت و غوایت سے آپؐ کو دور کا تعلق بھی
نہیں تو جس کلام پاک کو آپؐ اللہ سبحانہ کا کلام فرما رہے ہیں وہ حقیقت
نفس الامری ہے اظہار واقعہ ہے وما ینطق عن الھویٰ آپؐ کی شان
رفیع ہے۔ یہ تو قرآن کریم کے کلام انسانی نہ ہونے کا بیان ہوا جو منفی
پہلو ہے۔ آگے مثبت پہلو یعنی قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا بیان
فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔ نہیں ہے
وہ قرآن کریم مگر حکم کہلا بھیجا ہوا " صحیح بخاری کی دوسری حدیث حضرت
ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے؛

وحی کا بیان

ان الحارث بن ھشامؓ سأل رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ
کیف یأتیك الوحی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
احیانا یأتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علیّ فیفصم عنی

وقد وعیت عنہ ما قال واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ولقد رأیتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہٗ لیتفصد عرقا۔ حارث[1] بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا یوں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کبھی میرے پاس گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز آتی ہے اور وحی کی یہ نوع مجھ پر سخت تر گزرتی ہے۔ پھر وہ آواز منقطع ہو جاتی ہے تو کہنے والے نے جو کچھ کہا میں اوس کو یاد رکھتا ہوں۔ اور کبھی میرے ہاں فرشتہ انسانی شکل میں آتا اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو میں اوس کی باتوں کو یاد رکھ لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (وحی کی پہلی قسم کی وضاحت) فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کیا کہ سخت سے سخت جاڑوں میں بھی یہ وحی آپ پر اترتی تھی تو جب

[1] حارث بن ہشام فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے پکے مسلمان تھے۔ ابوجہل لعین ان کا حقیقی بھائی تھا۔

یہ حالت ختم ہو جاتی تو آپؐ کی جبین مبارک سے پسینہ رواں رہتا ایسا جیسا کہ فصد کھول دینے سے (خون) رواں ہوتا ہے"۔

وحی کے اقسام

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے وحی کے حسب ذیل سات اقسام بیان کئے ہیں :۔

۱۔ خواب ۔ جس کی صراحت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مابعد میں ہے آپؓ فرماتی ہیں :۔ اول ما بدئ به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ۔ سب سے پہلے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو وحی آنی شروع ہوئی وہ نیند کی حالت میں سچا خواب ہوتا تھا۔ جو کچھ آپ بحالت خواب مشاہدہ فرماتے صبح کو وہی بات وقوع میں آتی ۔ یا صبح کی سپیدی کی طرح وہ بات جو خواب میں دکھائی گئی نمودار ہوتی "۔

۲۔ صلصلة الجرس ۔ گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز ۔ جس کا بیان حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہوا ۔ جس کی

شدت سے سخت جاڑوں میں بھی آپؐ پسینے پسینے ہو جاتے تھے۔

۳۔ نفث فی الروع۔ آپؐ کے قلب مبارک میں القاء ہونا۔ کسی بات کا دل میں ڈالنا۔

۴۔ تمثل رجل۔ فرشتہ کا انسانی شکل میں نمودار ہو کر ہم کلام ہونا حضرت جبرئیل علیہ السلام عموماً وحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے اور آپؐ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ وحیہؓ بہت خوب صورت حسین جمیل تھے یہ پرانے مسلمان تھے بدر کے سوا دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپؐ نے ان کو قیصر روم کے پاس اپنا فرمان مبارک دیکر روانہ فرمایا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔

۵۔ مجیٔ جبریل فی صورتہ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اپنی اصلی صورت میں آنا۔ جیسا کہ حراء کا واقعہ مشہور ہے۔

۶۔ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام فرمانا۔ خواہ وہ من وراء حجاب ہو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ شرف حاصل تھا۔ یا بدون حجاب۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتیاز خاص ہے، خواب و بیداری

دونوں صورتوں میں جس کا بیان انشاء اللہ آگے آئیگا۔

۷۔ اسرافیل علیہ السلام کا وحی لانا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکّل بہ اسرافیل علیہ السلام فکان یتراأی لہ ثلاث سنین ویأتیہ بالکلمۃ والشیٔ ثم وکّل بہ جبرئیل علیہ السلام۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اولاً اسرافیل علیہ السلام مقرر ہوئے۔ چنانچہ تین سال تک وہی دکھائی دیتے رہے۔ اکا دکلمہ اکا دچیز ان کے ذریعہ بطور وحی آتی رہی۔ پھر اس کام پر جبرئیل علیہ السلام مامور ہوئے۔ واللہ اعلم۔

نزول وحی کی کیفیت اور آپؐ کا تأثّر

ان اقسام وحی پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قسم دوم صلصلۃ الجرس کے سوا باقی سہل صورتیں ہیں۔ خاطر اقدس پر جس کی شدت محسوس ہوتی تھی اوس کی صراحت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دی کہ وہی قسم دوم ہے اور حضرت ام المومنین

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو بخاری شریف میں ہے اوس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اوس کی کیفیت معلوم کرنے میں حدیث ذیل جو یہ بھی بخاری شریف ہی میں ہے سُنائی جاتی ہے :۔

صفوان بن یعلیٰ اپنے والد یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں :۔ أن یعلیٰ رضؓ قال لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین یوحی الیہ قال فبینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالجعرانۃ ومعہ نفر من اصحابہ جاءہ رجل فقال یا رسول اللہ کیف تری فی رجل احرم بعمرۃ وھو متضمخ بطیب فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساعۃ فجاءہ الوحی فاشار عمر الی یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فجاء یعلیٰ رضؓ وعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثوب قد اظل بہ فادخل رأسہ فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمر الوجہ وھو یغط ثم سری عنہ فقال این الذی سأل عن العمرۃ فاتی برجل فقال اغسل الطیب الذی بک ثلاث مرات وانزع عنک الجبۃ واصنع فی عمرتک کما تصنع فی حجک۔

یعلیؓ[1] نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایش کی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس وقت وحی آتی ہے مجھے وہ حالت و کیفیت دکھائیے۔ راوی کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ کے مقام میں تھے آپ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت بھی تھی اتنے میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! کوئی شخص عمرہ کے احرام میں ہو اور خوب عطر لگایا ہو تو آپ اوس کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ یہ سن کر آں حضرتؐ کچھ دیر خاموش رہے (کچھ جواب ادا نہ فرمایا) ساتھ ہی آپؐ پر وحی آئی۔ حضرت عمرؓ نے یعلیؓ کو اشارہ دیا یعلیؓ فوراً آپہنچے (کیا دیکھتے ہیں کہ) آپؐ پر ایک کپڑا تان دیا گیا ہے جو آپؐ پر سایہ فگن ہے۔ یعلیؓ نے وہ کپڑا اپنے سر پر ڈالا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا ہے (معلوم یوں ہو رہا ہے کہ گویا) آپؐ خراٹے لے رہے ہیں۔ پھر جب یہ حالت دور ہو گئی تو آپ نے فرمایا وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرہ کا مسئلہ دریافت کیا تھا۔ اوس کو پیش کیا گیا تو ارشاد فرمایا جو عطر و خوشبو تجھے لگی ہوئی ہے

[1] یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ طائف، حنین، تبوک میں شریک تھے۔

اوس کو تین دفعہ دھولے اور اپنا جبہ اتار دے (کیوں کہ وہ کاٹ کر سلا گیا تھا حالت احرام میں ایسا لباس جائز نہیں) اس کے بعد اپنے عمرہ کے اعمال ادا کرو جس طرح حج کے اعمال ادا کرتے ہو۔"

وحی متلو اور غیر متلو کا فرق

اس حدیث شریف سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ وحی کا اثر آپ پر کیسا شدید ہوتا تھا دوسری یہ کہ جس طرح آپ پر قرآن کریم وحی کے ذریعہ نازل ہوتا تھا احادیث شریفہ بھی بذریعہ وحی آپ کو معلوم کرائے جاتے تھے چنانچہ اس موقع پر کسی آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ سوال کا جواب آپ نے حدیث شریف سے ادا فرمایا جو آپ کو ذریعہ وحی معلوم کرائی گئی۔ اگر قرآن کریم نازل ہوتا تو آپ اوس آیت کریمہ کی تلاوت فرمادیتے جس طرح دیگر صورتوں میں آپ نے بارہا اس طرح جدید طور پر آئی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی ہیں۔ لیکن یہاں صرف حدیث شریف بیان فرمائی گئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن کریم کے اول سے آخر تک وحی الٰہی ہونے میں کلام نہیں۔ وحی کے ذریعہ احادیث شریفہ بھی آپ کو پہنچائی گئی ہیں۔ احادیث قدسیہ بھی

وحی کے ذریعہ آئی ہیں۔ فرق اسی قدر ہے کہ قرآن کریم وحی متلو ہے جس کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے اور احادیث شریفہ خصوصاً احادیث قدسیہ وحی غیر متلو ہیں جن کی تلاوت نماز میں جائز نہیں۔

اب " وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" کی تفسیر اور واضح ہوئی کہ قرآن کریم کے علاوہ حدیث شریف کے بیان میں بھی آپ حکم الٰہی کے منتظر رہتے ہیں۔ کتب احادیث شریفہ میں اور بھی ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔

وحی کا اثر ماتحت اشیاء پر

کیفیت وحی کے سلسلہ میں ایک توضیح اور باقی ہے کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو جسم اطہر کا ایک غیر معمولی دباؤ ماتحت شے پر پڑتا جو اُس کے لئے ناقابل برداشت بن جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے زانو پر تکیہ فرمائے ہوئے تھے اتنے میں آپؐ پر وحی آئی۔ میرے زانو پر ایسا زبردست دباؤ پڑنے لگا کہ تحمل میرے لئے دشوار ہوگیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے پاؤں کی خیر نہیں۔ ہڈیاں ابھی چور چور ہوئی

جاتی ہیں۔ ایسی صورتیں ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بارہا پیش آئی ہیں جو احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مقام عرفات شریف میں ۹ ذیحجۃ الحرام سنہ ۱۰ھ کو بوقت عصر وحی نازل ہوئی اُس وقت آپ قصواء نامی ناقہ پر سوار تھے۔ یہ اونٹنی بڑی طاقتور تھی۔ کئی مقابلے اونٹوں کی دوڑ کے جیت چکی تھی۔ نزول وحی کے وقت اوس کا یہ حال تھا کہ وہ باربار بیٹھ بیٹھ جاتی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اوس کی نکیل تھامے ہوئے تھے اوس کو ڈانٹ بتاکر اوٹھاتے جاتے تھے۔ بیٹھنے نہ دیتے تھے۔

مزید تصدیق مطلوب ہو تو سورۂ حشر کی یہ آیت پڑھ لیجئے:۔ "لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ" اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو آپ اوس کو دیکھتے کہ خشیۃ الٰہی سے پست اور پاش پاش ہوگیا ہے۔"

آگے ارشاد ہے:۔

53-5 عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۙ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰی ۙ وَهُوَ
53-6
53-7 بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ؕ

علہ والتعلیم اختص بما یکون من تکریر وتکثیر حتی یحصل منہ اثر فی نفس المتعلم وقال بعضھم التعلیم تنبیہ النفس لتصور المعانی۔
تعلیم وہ خاص طریقہ جو بار بار کثرت کے ساتھ اختیار کیا جائے تاآں کہ سیکھنے والے کے ذہن میں اوس کے آثار نمایاں ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ معانی کے تصور پر نفس کو آگاہ کرتے جانے کا نام تعلیم ہے۔

علہ القوۃ تستعمل تارۃ فی معنی القدرۃ وتارۃ للتھیؤ الموجود فی الشئ وتستعمل ذلک فی البدن تارۃ وفی القلب اخری وفی المعاون من خارج تارۃ وفی القدرۃ الالٰھیۃ تارۃ۔ لفظ قوت کا استعمال کبھی قدرت کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی قوت اوس استعداد کو کہتے ہیں جو کسی شے میں موجود ہوتی ہے۔ نیز اس لفظ کا استعمال کبھی جسمانی طاقت پر ہوتا ہے کبھی قوت قلب پر، کبھی بیرونی امداد پر ہوتا ہے۔ اور کبھی قدرت الٰہیہ پر۔ وقولہ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین۔ یعنی بہ جبرئیل علیہ السلام ووصفہ بالقوۃ عند ذی العرش وافرد اللفظ ونکرہ فقال ذی قوۃ تنبیھا انہ اذا اعتبر بالملاء الاعلی

سکھلاتا جاتا یا پڑھ سناتا جاتا ہے وہ (کلام وحی) آپؐ کو زبردست

بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ۔

فقوۃ الی حدّما وقوله فیه علمه شدید القوی فانه وصف القوۃ بلفظ الجمع وعرفها تعریف الجنس تنبیها انه اذا اعتبر بهذا العالم وبالذین یعلمهم ویفیدهم هو کثیر القوی عظیم القدرۃ۔ ارشاد باری تعالٰے "ذی قوۃ عند ذی العرش مکین" سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں جو مالک عرش کے قرب میں وصف قوت سے موصوف ہیں۔ یہاں لفظ قوت مفرد اور نکرہ لایا گیا اور "ذی قوۃ" ارشاد ہوا۔ اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ ملاء اعلیٰ میں بھی جبرئیلؑ ایک حد تک ذی قوت ہیں۔ انہیں کی شان میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد "علمه شدید القوی" جہاں صفت قوت کو بہ صیغہ جمع اور بہ صورت معرفہ لایا گیا ہے اور تعریف جنس مراد ہے اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اگر جبرئیل علیہ السلام کا اعتبار اس عالم میں کیا جائے اور اون کے مقابلہ میں جن کو یہ تعلیم دیتے اور فائدہ پہنچاتے ہیں تو وہ بہت سی قوتوں والے اور عظیم قدرت رکھتے ہیں۔ (مفردات)

ع۳ امررت الحبل اذا فتلته والمریر والممر المفتول ومنه فلان ذو مرّۃ کانه محکم الفتل قال ذو مرّۃ فاستوی۔ محاورہ عرب ہے "امررت الحبل"

قوتوں والا زور آور، پھر سیدھا بیٹھا (یا اپنی شان میں نمودار ہوا)

بقیہ حاشیہ ع۳ صفحہ گذشتہ۔

کہتے ہیں جب کہ اوس نے رسی بٹی ہو۔ بٹی ہوئی شئ کو مریرا اور مُمَرّ کہتے ہیں اسی سے یہ محاورہ بھی ہے فلان ذو مرّۃ گویا وہ مضبوط بنا ہوا ہے۔ اللہ سبحانہ نے قران کریم میں فرمایا "ذو مرّۃ فاستوی" یہ بھی اسی محاورہ پر ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے "ذو مرّۃ" کے معنی "زور آور" کے لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ع۴ استوی علی وجھین احدھما یسند الیہ فاعلان فصاعدا نحو استوی زید وعمرو فی کذا ای تساویا والثانی ان یقال لاعتدال الشئ فی ذاتہ نحو ذو مرّۃ فاستوی ومتی عدی بعلی اقتضی معنی الاستیلاء کقولہ الرحمٰن علی العرش استوی۔

لفظ "استوی" کا دو طریق پر استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ اوس کے فاعل دو یا زیادہ ہوتے ہیں جیسے "استوی زید وعمرو" جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں مساوی ہیں۔" دوسرا یہ کہ کوئی شئ اپنی حد ذات میں اعتدال پر ہو "ذو مرّۃ فاستوی" میں یہی مراد ہے اگر اس کو لفظ "علیٰ" سے متعدی بنایا جائے تو اوس میں استیلاء یعنی غلبہ کے معنی ہوں گے جیسے "الرحمٰن علی العرش استوی"

درحالیکہ وہ (آسمان سے) بلند کنارے پر تھا۔" مطلب یہ کہ تمہارے صاحب (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اقوال و افعال اور عقائد میں تمھاری چالیس سال کی مصاحبت کے باوجود کسی نوع کا تغیر رونما نہ ہو سکا تو اس وقت جو کلام الٰہی تم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں وہ خواہش نفس کی بنا پر نہیں ہو سکتا وہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وحی الٰہی ہے جو اون کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ پھر اس وحی کی تعلیم ہمارا ایک فرشتہ دیتا جاتا ہے جو جبرئیل امین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں (علیہ السلام) حق تعالیٰ نے ان کو بڑی زبردست قوتوں کا مالک بنایا ہے یہ قوتیں وہ ہیں جن کا اثر عالم اجسام پر ہے۔ اس کے علاوہ اون میں باطنی قوتیں بھی ہیں عقل و رائے کا استحکام جس کے آگے دیگر عقول و آراء قاصر۔ پھر نبی معصوم اور فرشتہ بھی معصوم تو ایسی تعلیم کے آثار کیا ہوں گے اوس کا اندازہ نفس و ہویٰ میں گرفتار بندے کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت عالم اجسام میں

اللہ پاک نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ذات میں جو قوت جسمانی

ودیعت فرمائی ہے اوس کا ایک نمونہ دنیا دیکھ چکی ہے۔ جب حضرت لوط علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر عذاب آیا تو جبرئیل علیہ السلام بھیجے گئے تھے آپ نے قوم لوطؑ کے شہر سدوم کو اوس کے نیچے سے اپنے ایک پر پر پورا شہر اٹھا لیا اوس کو آسمان کے قریب تک لے گئے۔ وہاں کی پوری سرزمین آپ کے ایک پر کے اوپر ٹھہری ہوئی تھی۔ اہل شہر اوس کے جانور چرند پرند سب کی آواز اہل آسمان سننے لگے اس کے بعد اوس کو الٹا کر زمین کی سمت دے مارا۔ آن کی آن میں سارا شہر اور اہل شہر تہس نہس ہو کر رہ گئے۔ یہ الٹی ہوئی زمین آنکب رہروؤں کے لئے مرقع عبرت بنی ہوئی ہزاروں سال کے واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے۔ پھر اوس پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ایک ایک پتھر پر ایک ایک مجرم کا نام لکھا تھا۔ جس کے نام کا پتھر اوسی کو لگتا تھا۔ فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیها حجارۃ من سجیل منضود مسومۃ عند ربك وما هی من الظالمین ببعید " پھر جب ہمارا حکم آچکا تو ہم نے قریہ لوطؑ کے اوپر والے حصہ کو نیچا اور نچلے حصے کو اوپر کر دیا پھر اون پر تہ بہ تہ پتھر

برسائے گئے جن پر آپ کے پروردگار کے پاس سے ہی نام لکھے ہوئے تھے۔ ایسی سزا ایسے ظالموں کچھ بھی بعید نہیں۔" (سورہ ہود)

۲۔ اسی طرح قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کے ساتھ سرکشی کی۔ اون لوگوں کو سزا دینے کے لئے بھی جبرئیل علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کے سامنے آپ نے ایک چیخ ماری۔ یہ اتنی زبردست چیخ تھی کہ ساری بستی لرز گئی۔ اور چشم زدن میں سب ڈھیر ہو گئے۔ "فاخذتھم الصیحۃ فاصبحوا فی دیارھم جاثمین"۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں آتے تو انسانی شکل میں نمودار ہوتے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے تو جبرئیلؑ اور آپ کے ساتھی فرشتے امرد لڑکوں کی شکل میں مہمان بن کر آئے۔ جن کو پہچاننے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی تأمل ہوا جبھی تو بھونا ہوا بچھڑا آپؑ نے پیش کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے نمودار ہوئے چنانچہ اوس واقعہ کی حکایت قرآن کریم میں اس طرح ہے۔ "فتمثل لھا بشرا سویا"۔ اون کے سامنے خود کو سیدھا صاف انسان بنا کے پیش کیا۔" غار حرا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہم کلام ہوئے تو حضور نے فرمائش کی کہ اصلی شکل میں نمودار ہوں انبیاءُ علیہم السلام میں سے کسی کو یہ صورت میسر نہیں ہوئی تھی فرمایا کہ اس فضائے بسیط میں اون کی گنجائش نہیں ہے اس لئے آسمان سے بھی بلند تر کنارے پر نمودار ہوئے۔ آپؐ نے مشاہدہ فرمایا "قد سدّ الافق۔ افق اعلیٰ تمام کا تمام جبرئیل کے وجود سے بھر گیا ہے"۔ اس مشاہدہ سے حضور اکرمؐ نے کچھ خوف سی کیفیت محسوس کی کیوں کہ اس سے پیشتر کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ پھر انسانی شکل میں جبرئیلؑ نے آپؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر دلاسا دینا شروع کیا۔ آپ پر کپکپی سی طاری ہوگئی تھی اور "زملونی زملونی" فرماتے ہوئے کاشانۂ مبارک میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ اور بہت دیر تک اس کا اثر رہا۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو جائے کہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جو وحی آرہی ہے وہ وحی الٰہی ہے جس پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں اور اس کے لانے والے جبرئیلؑ ہی ہیں خواہ وہ کسی شکل میں متشکل ہوں۔ اور وحی جس کے اقسام مذکور ہوئے اون میں سے کسی طریق پر بھی

آئے وہ وحی الٰہی ہے۔ اس کے بعد تو آپؐ کو اس قدر یقین کامل ہو گیا اور قلب مبارک میں وہ قوت پیدا ہو گئی کہ ساری کائنات آپ کی نظر میں ہیچ اور ساری دنیوی قوتیں آپ کے نزدیک پامال تھیں۔ اسی وجہ سے جس چیز کو آپؐ قوم کے آگے پیش فرماتے پوری قوت اور وثوق کامل کے ساتھ پیش فرماتے ذرا بھی تردد یا جھجک نہ تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۴۔ جبرئیل علیہ السلام نے ایک دفعہ دیکھا کہ ابلیس لعین ارض مقدس شام کی کسی گھاٹی پر سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کلام ہوا چاہتا ہے۔ جبرئیلؑ نے ایک پر کو ذرا جنبش دی۔ اس زور کا طوفان باد آیا کہ لعین مردود جبل ہند کے پاس جا پڑا۔ (کوہ ہمالیہ مراد ہوگا واللہ اعلم) انبیاء علیہم السلام کے پاس آپ کی آمد و رفت کے لئے طرفۃ العین بھی زیادہ مدت تھی۔ ان واقعات سے "شدید القویٰ" کی تفسیر ذہن نشیں ہو سکتی ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کی قوت عقل و رائے

"ذُوْمِرَّۃٍ" زور آور — استحکام عقل و رائے مراد ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ الظاہر عنوان الباطن۔ ظاہری

باطن کا نمونہ ہے۔" جبرئیل علیہ السلام کی اصلی ہئیت کا بیان گزر چکا جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کیسے عظیم الجثہ تھے۔ مگر اس میں کثافت نام کو نہیں۔ نورانیت ہی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کو کسی شکل میں نمودار ہونا بھی اتنا ہی آسان تھا جیسا ہئیت اصلیہ پر ہونا۔ یہ سب کرشمہ لطافت باطن کا ہے۔ جس کا ظاہر اتنا لطیف اور نورانی ہو باطن کا کیا پوچھنا۔ اسی سے استحکام عقل ورائے ظاہر ہے۔ قرآن کریم کے معارف واسرار جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر کھولے گئے۔ اوس میں جبرئیل ہی رب العزۃ اور حضورؐ کے درمیان واسطہ تھے۔ اور ما کان وما یکون کی خبر دینے کے لئے بھی منجانب اللہ آپؑ ہی مامور تھے۔ علم لدنّی کا حصول بھی آپ ہی کے ذریعہ تھا۔ علم رؤیا، علم احکام غرض تمام علوم کے لئے آپ کو اللہ پاک نے واسطہ بنایا تھا اس لئے ارشاد فرمایا: "عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْمِرَّةٍ"۔ جب تعلیم ایسی ہو تو ہوائے نفسانی کا کیا ذکر؟ تعلیم جبرئیلؑ کی کیفیت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ اقرأ کی تفسیر میں آئے گا۔

فاستوٰی کی تفسیر میں چند اقوال

فاستوٰی۔ پھر سیدھا بیٹھا۔ یا

اپنی اصلی شان میں نمودار ہوا۔" اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(۱) سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ جو تابعین سے ہیں فرماتے ہیں:۔ تعلیم کے بعد جبرئیل علیہ السلام آسمان پر اپنی جگہ چلے گئے۔

(۲) قرآن کریم، جبرئیل علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک میں ٹھیک طور پر بیٹھ گیا۔ آیۂ کریمہ سنقرئك فلا تنسیٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی ہم آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ پھر آپ اس کو بھلا نہیں سکیں گے۔"

(۳) امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوتِ رسالت کی اصلی شان میں جلوہ فرما ہوگئے۔

(۴) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "فاستوی" یعنی اللہ عزوجل ای استوی علی العرش۔ استوی کی ضمیر اللہ سبحانہ کی طرف ہے۔ استولیٰ علی العرش مراد ہے۔

(۵) سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ آیۂ کریمہ الرحمٰن علی العرش استوی کی نسبت حسب ذیل تحریر

فرماتے ہیں :۔ "رحمٰن عرش پر مستوی ہوا"

معالم میں لکھا ہے :۔ اہل سنت کا مذہب ہے کہ عرش پر استواءُ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت بدوں کیفیت کے ہے تو آدمی کو اوس پر ایمان لانا واجب ہے اور اوس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ استواء کا مفہوم معلوم اور کیفیت مجہول اور اوس پر ایمان لانا واجب اور کیفیت سے سوال کرنا بدعت ہے۔

ہمارے امامُ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں :۔ لا یوصف اللہ تعالیٰ الا بما وصف به نفسه او وصفه به رسوله صلی اللہ علیه وآله وسلم لا نتجاوز القرآن والحدیث۔ اللہ تعالیٰ کو اوسی (صفت) سے موصوف کرنا چاہیے جس طرح اوس نے اپنی ذات کا وصف بیان فرمایا ہے یا اوس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح وصف بیان فرمایا۔ ہم قرآن وحدیث سے آگے نہ بڑھیں گے "

اس اعتبار سے آیۂ کریمہ "فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ"
کے معنی یہ ہوئے کہ پھر حق سبحانہ تعالیٰ مستوی ہوا درحالیکہ وہ بلند ترین
مرتبہ پر ہے"

ثُمَّ دَنَا[1] فَتَدَلّٰى[2] ۙ فَكَانَ قَابَ[3] قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى[4] ۚ 53-8 53-9
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۗ پھر نزدیک ہوا اور جھکا، تو تھا 53-1

[1] الدنو القرب بالذات او بالحکم ویستعمل فی المکان والزمان
والمنزلة قال تعالیٰ ثم دنا فتدلی ھذا بالحکم۔ نزدیک ہونے کو دنو کہتے
ہیں خواہ وہ نزدیکی ذات سے ہو یا حکماً۔ نیز اس کا استعمال قرب مکانی، زمانی اور رتبی میں بھی
ہوتا ہے۔ ثم دنا فتدلی میں قرب حکمی مراد ہے" جو قرب ذاتی کا مقابل ہے۔
[2] دلوت الدلو اذا ارسلتھا وادلیتھا ای اخرجتھا وقیل یکون
بمعنی ارسلتھا قال تعالیٰ وادلی دلوہ .... والتدلی الدنو
والاسترسال قال تعالیٰ ثم دنا فتدلی۔ ڈول کو رسی باندھ کر چھوڑتے
یا اوس سے پانی وغیرہ نکالتے ہیں تو دلوت الدلو کہتے ہیں نیز صرف چھوڑنے کو بھی
کہتے ہیں سورۂ یوسف[4] میں ادلی دلوہ جو آیا ہے اوس سے ڈول چھوڑنا ہی

(تفاوت اُن دونوں میں) بہ مقدار دو کمان کے یا اس سے بھی نزدیک تر

بقیہ حاشیہ ۲ے صفحہ گذشتہ۔

مراد ہے۔ اوس کو بھر کر نکالنا مراد نہیں۔ اور تدلّی کہتے ہیں نزدیک ہونے اور چھوڑنے کو۔ ثمر دنا فتدلّی میں تدلّی سے استرسال (چھوڑنا) اور نزدیک ہونا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام وحی الہٰی لے کر آں حضرتؐ سے قریب ہوئے تھے تو جبرئیل کا تعلق رب العزت سے برقرار تھا۔

۳ے القاب ما بین المقبض والسیۃ من القوس قال فکان قاب قوسین۔ والسیۃ موضع رأس الوتر وطرفہا المنحنی ویقال لسیتہا العلیا یدہا ولسیتہا السفلی رجلہا۔ والقاب والقیب القدر من قودوا الارض اثروا فیہا بالوطئ وجعلوا فی مسافیہا علامات۔ کمان کے وسط سے (جہاں اوس کو پکڑتے ہیں) اوس کی نوک اور کنارہ تک جو حصہ ہے اوس کو "قاب" کہتے ہیں۔ کنارہ وہ جہاں چلّہ کو باندھتے ہیں۔ چلہ کے دونوں کنارے کمان کی دونوں نوکوں سے باندھے جاتے ہیں۔ اس میں کہ اوپر کے حصّے کو "ید" کمان کا ہاتھ کہتے ہیں اور نچلے حصے کو رجل اوس کا پاؤں کہا جاتا ہے۔ قاب اور قیب سے مقدار مراد ہے۔ یہ لفظ قودوا الارض سے بنا ہے۔

پھر حکم بھیجا اپنے بندے پر جو بھیجنا تھا"۔

دَنَا فَتَدَلّٰی کی تفسیر اِن آیات کریمہ کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں :۔

(۱) ضمائر کا مرجع حضرت جبرئیل ہیں۔ یعنی پھر جبرئیلؑ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہوئے۔ جب کہ حضور اکرمؐ نے

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ۔

زمین پر چلنے سے جو نشانات اُس پر پڑتے ہیں اور زمین پر جو نشانِ حدود، فاصلے یا جھنڈیاں وغیرہ لگائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں قو لوا الارض۔

۴ یعبّر بالادنی تارۃ عن الاصغر فیقابل بالاکبر وتارۃ بالارذل فیقابل بالخیر وعن الاول فیقابل بالآخر وتارۃ عن الاقرب فیقابل بالاقصی۔ لفظ ادنیٰ سے کبھی چھوٹا مراد لیتے ہیں اِس کا مقابل بڑا آتا ہے۔ کبھی ادنیٰ سے حقیر شے مراد ہوتی ہے اُس کے مقابل لفظ خیر کا استعمال ہوتا ہے۔ ادنیٰ سے کبھی اول مراد لیتے ہیں آخر اُس کا مقابل ہے اور کبھی قریب تر کو ادنیٰ کہتے ہیں اُس کا مقابل لفظ اقصیٰ ہے یعنی بعید تر۔ اَوْ اَدْنٰی میں یہی معنی آخری مراد ہیں" (حاشیہ ختم)

جبرئیل علیہ السلام کو اون کی اصلی صورت میں مشاہدہ فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام آپؐ سے اور قریب تر ہو گئے۔ اور فضائے بسیط میں معلق رہے۔ اوس وقت جبرئیل علیہ السلام کا تعلق اپنے اصل کے ساتھ بدستور قائم تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی پہنچانے کی حالت میں بھی جبرئیل علیہ السلام کا تعلق حق تعالیٰ سے منقطع نہیں ہوتا ہے۔ اب اندازہ کیا جائے کہ جو وحی اس حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی جاتی تھی وہ کیسی باوثوق ہوتی تھی اور اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ جبرئیلؑ آپؐ سے اتنے قریب ہو گئے تھے جیسے دو کمانیں قریب ہوتی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی نزدیک تر۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو وحی پہنچانی تھی وہ پہنچائی[1]

---

[1] یعنی (فاوحی) جبرئیل (الی عبدہ) ای عبد اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ما اوحی) یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ عبدہ کی تفسیر عبد اللہ سے کرتے اور "ہ" کی ضمیر کا مرجع "اللہ" سبحانہ کو ٹھیرانے میں اضمار قبل الذکر ہے اس لئے کہ ضمیر کا مرجع اگر معلوم ہو تو مرجع کا ذکر کئے بغیر بھی

(عرب میں یہ دستور تھا کہ دو دوستوں میں جب معاہدۂ دوستی ہوتا تو ہر ایک اپنی اپنی کمان لاتا اور دونوں کمانوں کو ملا کر اون سے ایک تیر دونوں چھوڑتے۔ کماندار اور کمان دو دو ہوتے اور ایک تیر چھوڑا جاتا اس سے یہ مقصود ہوتا کہ دونوں کا حکم ایک ہے۔ یعنی ان میں مودت و محبت اتنی ہے جیسی یک جان دو قالب۔ ایک کی مرضی عین دوسرے کی مرضی۔ ایک کا حکم دوسرے کا حکم۔ قاب قوسین سے یہی مراد ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام میں کمال یگانگت ہے)۔

(۲) ضمائر کا مرجع ذات اقدس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ آپ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ایسے قریب ہو گئے تھے۔ جیسے دو کمانیں قریب ہوتی ہیں۔ بلکہ اون دو کمانوں سے بھی نزدیک تر ہو گئے۔ پھر جو وحی

بقیہ حاشیہ ۱ ص ۳۳۶۔

ضمیر لائی جا سکتی ہے۔ جیسے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر میں ہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے اور انزلناہ کہنے سے عام طور پر نزول قرآن کریم بے تکلف سمجھ میں آتا ہے اس لئے مرجع کا ذکر کئے بغیر ضمیر لائی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ایسی مثالیں اور بھی ہیں۔ کما لا یخفی علی اہل العلم۔

آپؐ تک پہنچائی جانی تھی وہ پہنچائی گئی۔ یہ امر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہ تعالیٰ سے قریب ہوئے اور دنا فتدلی کی ضمیریں حضورؐ کی طرف راجع ہیں اس کی تائید واقعہ معراج میں خداوند تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ یَا مُحَمَّدُ اُدْنُ اُدْنُ اے محمدؐ قریب آئے اور قریب آئیے" گویا کہ اُدْنُ اُدْنُ کے خطاب کی تعبیر دنا فتدلّی سے فرمائی جارہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۴) ضمائر کا مرجع، حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ امام قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت نقل فرمائی ہے جس میں آپ نے فرمایا:۔ دنا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ قریب ہوا"۔ نیز امام اموی نے اپنی کتاب المغازی میں اور حافظ بیہقی نے اپنی سند یوں بیان کی ہے:۔ عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخری قال دنا منہ ربّہ۔ محمد بن عمرو نے ابو سلمہ سے اور انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد باری تعالیٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ کی تفسیر میں یوں فرمایا :۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا رب قریب ہوا“ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس طرح ہے :۔ ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منہ قاب قوسین او ادنیٰ ۔ اور جبار رب العزۃ قریب ہوا پھر اور قریب ہوا تا آں کہ بہ مقدار قاب قوسین بلکہ اس سے بھی نزدیک تر ہو گیا“ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت شریک نے بیان کی ہے ۔حضرت انسؓ کے دوسرے شاگرد نے اس روایت کی ابتدا اس طرح فرمائی ہے :۔

قَابَ قَوْسَيْنِ کی تفسیر

فدنا ربک عز وجل فکان قاب قوسین او ادنیٰ ۔ پھر تمہارا پروردگار عز وجل اتنا قریب ہوا کہ قاب قوسین کی مقدار رہ گئی ۔ بلکہ اس سے بھی نزدیک تر“۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ بیہقی کی روایت جو اوپر مذکور ہوئی وہ حدیث حسن کے درجہ میں ہے اور روایت شریک کے حق میں شاہد قوی ہے“

یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں باری تعالیٰ عزاسمہ کے قرب و دنو سے قرب مکان و منزل مراد نہیں بلکہ قرب منزلت مراد ہے۔ کیوں کہ ذات باری تعالیٰ زمان و مکان کے قیود وحدود سے بالاتر ہے۔ اس قرب و دنو کی کیفیت کہ وہ کیسا قرب ہے حق سبحانہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم اس قرب و دنو پر بلا کیف ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے احادیث صحیحہ میں بھی قرب، نزول وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں حدیث ینزل ربنا الی السماء الدنیا ہمارے پروردگار عزوجل کا نزول اجلال ہر رات کو سماء دنیا پر ہوتا ہے تو اوس وقت منادی ہوتی ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ ہم اوس کی توبہ قبول کریں۔ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ ہم اوس کو بخش دیں۔ کوئی مانگنے والا ہے کہ ہم اوس کی منہ مانگی مراد دیں۔ اس طرح نصف شب سے صبح صادق تک منادی کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ زہے نصیب اون سعید بندوں کے جو میٹھی نیند کو خیر باد کہہ کے باطہارت اپنے مصلے پر آتے اور منادی کی ندا پر لبیک کہتے ہیں۔ توبہ و استغفار و نماز اور دعا و عجز و نیاز میں آخر شب گزارتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف قدسی "من تقرّب

منی شبرا تقربت منہ ذراعا۔ رب العزت کا ارشاد ہے کہ جو کوئی
مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اوس سے ایک ہاتھ
قریب ہوتا ہوں، جو ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اوس سے
ایک بام قریب ہوتا ہوں۔ اور جو میری طرف چل کر آتا ہے تو میں
اوس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں" یہ شرف و سعادت عامۂ مومنین
کے لئے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے لئے براق بھیجی گئی۔ جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کو جلو میں رکھا گیا۔
الوالعزم انبیا و رسل علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ایک ایک
آسمان پر استقبال کرایا گیا۔ اس شان و شوکت سے سواری باد بہاری
آسمانوں اور بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ سے ہوتی ہوئی عرش اعظم تک
پہنچی تو رب العزت جل جلالہ و عم نوالہ کے استقبال فرمانے، قریب ہونے میں
کونسا استبعاد ہے۔ اصح الکتب بعد کتاب الباری صحیح البخاری کی روایت
جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے بروایت شریک مروی
ہے اوس میں صاف و صریح طور پر مرقوم ہے جیسا کہ اوپر صراحت کی گئی:۔
ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منہ قاب قوسین

علہ
اوادنی ۔ جس میں آیات کریمہ دنافتدلی فکان قاب قوسین اوادنی کی

علہ ارشاد باری تعالیٰ اوادنی میں کلمہ او کے متعلق مفسرین کرام کے تین اقوال ہیں:۔

ایک یہ کہ "او" یہ ترکیب شک کے لئے نہیں بلکہ زیادہ کی نفی اور نفی بھی مبالغہ کے ساتھ کرنے کے لئے ہے یعنی تعیین کے ساتھ یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں کہ قوسین کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم ۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کسی حال اور کسی طرح اس سے زائد نہ تھا ۔ جیسا کہ آیہ کریمہ فارسلناہ الی مائۃ الف اویزیدون میں ہے ہم نے (یونس علیہ السلام) کو ایک لاکھ یا ان سے زیادہ لوگوں کی طرف رسول بناکر بھیجا ۔ یعنی مرسل الیہم کی تعداد کسی حال میں اور کسی طرح لاکھ سے زیادہ ہی تھی کم نہ تھی ۔

دوسرا یہ کہ "اَوْ" اپنے اصلی معنی شک کے لئے ہی ہے اور یہ شک ناظر (دوسرے کسی دیکھنے والے) کے لحاظ سے ہے کہ کوئی دیکھنے والا دیکھے تو وہ یہی سمجھ لے گا کہ فاصلہ بمقدار قوسین تھا یا اس سے بھی کم ۔ یا قوم یونسؑ کو دیکھ کر اندازہ لاکھ یا اس سے زیادہ کا کریگا ۔

تیسرا یہ کہ کلمہ "او" بمعنی بَلْ ہے ۔ معنی یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ فاصلہ بقدر قوسین تھا؟ نہیں نہیں بلکہ اس سے بھی کم تر ۔ یا قوم یونسؑ ایک لاکھ تھی نہیں نہیں اس سے بھی زیادہ ۔ تفسیر میں ہم نے یہی آخری معنی لئے ہیں ۔

تفسیر ہے۔ اور جو ضمائر دنا، فتدلی، فکان، میں مستتر ہیں اون کا مرجع جبار رب العزت وارد ہوا ہے تو اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ تفسیر کلام الباری حدیث صحیح البخاری[1] سے ہے۔

[1] اس حدیث شریف کی نسبت خطابی نے لکھا ہے :۔ لیس فی ھذا الکتاب حدیث اشنع ظاھرا ولا ابشع مذاقا من ھذا الفصل ۔ اس کتاب (صحیح بخاری) میں اس سے بڑھکر کوئی حدیث نہیں ہے کہ جس کی شناعت کھلی اور جس کا مزہ پھیکا ناخوشگوار ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت لکھتے ہیں :۔ ان القصة بطولھا انما ھی حکایة یحکیھا انس من تلقاء نفسه لم یعزھا الی النبی صلی اللہ علیه وسلم ولا نقلھا عنه ولا اضافھا الی قوله ۔ یہ طول طویل قصہ محض حکایت ہے جس کو انسؓ بطور خود بیان کرتے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند نہیں پہنچاتے نہ آپ سے منقول ہونا نہ آپ کی طرف منسوب ہونا بیان کرتے ہیں۔" پھر راوی حدیث شریک بن عبداللہ کی نسبت فرماتے ہیں :۔ انھا من جھة الراوی اما من انس واما من شریك فانه کثیر التفرد بمناکیر الالفاظ التی لا یتابعه علیھا سائر الرواة ۔ یہ سارا قصہ راوی کی طرف سے ہے ۔ یا تو منجانب انسؓ یا منجانب شریک

قربِ الٰہی کی تفسیر

کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ سُبحانہ تعالیٰ کا بندے سے قریب ہونا دو نوع پر ہے۔ ایک

بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ۔

کیوں کہ یہ شریک (جو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں) اکثر منفرد، غیرمعروف الفاظ کی روایت کرتے رہتے ہیں جن کی متابعت دوسرے رواۃ نہیں کیا کرتے"۔

یہ سب اس لئے لکھا کہ فانہ لیقتضی تحدید المسافۃ بین احد المذکورین وبین الآخر وتمییز مکان کل واحد منھما ھذا الی مافی التدلی من التشبیہ والتمثیل لہ بالشئ الذی تعلق من فوق الی اسفل۔

کیوں کہ یہ دونوں مذکورین میں تحدید مسافت اور ہر ایک کا مکان متمیز ہونے کا مقتضی ہے نیز تدلی کی نسبت میں تشبیہ اور تمثیل لازم آتی ہے ایسی شئے کے ساتھ جو مافوق سے لگی ہوئی اور نیچے کی طرف لٹک رہی ہو"۔

سبحان اللہ! انس صحابی جلیل اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص ہیں جن کو دس سال تک یا یوں کہئے کہ ہجرت کے بعد سے وفات شریف تک خدمت مبارک میں حاضری کا شرف حاصل رہا۔ حدیث شریف کی سند اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچائی تو اس سے یہ کہاں لازم ہوا کہ روایت سرے سے ساقط۔ زیادہ سے زیادہ

دُعا کو قبول کرنا، اوس کی منہ مانگی مراد دینا اور اوس کا مرتبہ بلند کرنا

بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ ۔

یوں کہہ سکتے ہیں کہ حدیث مرسل ہے۔ اور مرسل بھی مرسل صحابی ۔ اور یوں بھی حسن ظن کیا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو اگرچہ سند آپؐ تک نہ پہنچائی ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے صحابی سے سنا ہو ۔ چوں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عادل ہیں ۔ لہٰذا اون کا نام معلوم نہ ہونے سے حدیث کی صحت متاثر نہیں ہو سکتی ۔ پھر قرینہ یہی ہے کہ صحابہ کرام ایسے مضامین بطور خود بیان نہیں فرماتے ۔ اغلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے ۔ لہٰذا یہ حدیث اگرچہ مرسل صحابی ہے مگر حکماً مرفوع ہے۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ شریکؒ نے یہ قصہ بطور خود بیان کر دیا ہو" ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ان کی روایات مقبول ہیں اونھوں نے شریکؒ کی توثیق کی ہے ۔ ان کی روایات لی ہیں ۔ اپنی کتابوں میں درج کی ہیں ۔ اون سے استدلال کیا ہے ۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ ان کی نسبت فرماتے ہیں ۔ لا بأس بہ ۔ ان کی روایت لینے میں کچھ مضائقہ نہیں " ابن عدی کہتے ہیں ۔ یہ مشہور مدنی ہیں امام مالک وغیرہ ثقات نے ان سے روایت کی ہے ۔ جب کوئی ثقہ کسی سے روایت کرے تو اون کی روایت لینے میں مضائقہ نہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ضعیف بھی ان سے روایت کرتا ہو ۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ

جیسا کہ ارشاد باری ہے :۔ فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ۔

اس حدیث کو اون سے سلیمان بن بلال جیسے ثقہ نے روایت کیا ہے۔ پھر یہ حدیث فرد نہیں ہے۔ بیہقی کی روایت جو اوپر گذری اس کی شاہد قوی ہے۔ اگر اس کو فرد تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ ساقط الاعتبار نہیں ہوسکتی اگرچہ محدثین نے ان کو لیس بالقوی کہا اور اون کی روایت نہیں لی تو دوسرے محدثین نے ان کو ثقہ بتلایا جیسے محمد بن سعدؒ اور امام ابوداؤد۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شریکؒ کے بارے میں محدثین مختلف الرائے ہیں۔ ایسے اختلاف سے کون محفوظ ہے۔ اگر ایسی مقید کی جائے تو بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ دینا پڑے گا اور یہ محدثین کے طریقے کے خلاف ہوگا۔ امام بخاریؒ کا اس حدیث شریف کو اپنی جامع صحیح میں لکھنا اون تمام اختلافات کا فیصلہ ہے جو محدثین کرام میں ہیں۔ مزید بحث لاحاصل ہے۔ نزول اور تقرب کے الفاظ صحیح احادیث میں آئے ہیں جن کا بیان اوپر گذرا۔ یعنی اون الفاظ کے لئے جاتے ہیں یا جو تاویل ان کی نسبت کی جاتی ہے یہاں بھی کی جاسکتی ہے پھر نص صریح ہے :۔ "واذا سئالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان" اے نبی کریمؐ! جب میرے بندے میری نسبت آپؐ سے سوال کریں تو آپؐ فرما دیجے کہ میں (تم سے) قریب ہوں۔ دعا کرنے والا

دوسرا قرب حقیقی بغیر معانی مذکورہ کے جیسا کہ ارشاد باری ہے :۔
ثمر دنا فتدلیٰ ۔ جس کی تعبیر ارباب حقائق، مقام تنزل سے کرتے ہیں یعنی اللہ جل شانہ اپنے بندے کے ساتھ تلطف اور خطاب اکرام فرماتا ہے جیسے کسی عظیم شخصیت کا اپنے سے چھوٹے کے ساتھ تلطف و خطاب ہوتا ہے ۔ یہ بھی اوس کا تنزل ہے ۔ فرق اس قدر ہے کہ اشخاص کا تنزل و خطاب اشخاص کے ساتھ تنزل حقیقی ہے ۔ اور اللہ سبحانہ کا تنزل وخطاب بندے کے ساتھ مجازی ہے ۔ مگر دونوں پر تنزل کا اطلاق ہو سکتا ہے
شفاء شریف میں ہے ۔ اعلم ان ما وقع فی اضافۃ الدنو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
جب مجھ سے مانگتا ہے تو میں اوس کی دعا قبول کرتا ہوں "۔ آیۂ کریمہ میں جو معنیٰ "قریب" کے ہوں گے ۔ دنا فتدلیٰ کے معنی بھی اسی طرح ہو سکتے ہیں ! الرحمٰن علی العرش استوی کی تفسیر کے حوالہ سے حضرت امام مالک اور ہمارے امام حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ بلا کیف ایمان لانا چاہئے ۔ یہاں بھی بعینہ وہی صورت ہے ۔ ابو سلیمان خطابیؒ کی تقریر کا تفصیلی جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں دیا ہے شائقین اس کی جلد (۱۳) صفحہ ۳۷۱ تا ۳۷۵ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

والقرب من اللہ او الی اللہ فلیس بدنو مکان ولا قرب مدیً
بل کما ذکرنا عن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ لیس بدنو حدٍ
وانما دنو النبی من ربہ وقربہ منہ ابانۃ عظیم منزلتہ
وتشریف رتبتہ واشراق نور معرفتہ ومشاھدۃ اسرار
غیبہ وقدرتہ ومن اللہ لہ مبرۃ وتأنیس وبسط واکرام۔
دنو اور قرب کی اضافت' اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے' یا اللہ سبحانہ
تعالیٰ کی طرف' جو کی جاتی ہے اس سے کسی مکان ونہایت کا دنو وقرب
مراد نہیں ہے بلکہ جس طرح حضرت امام جعفر صادق علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ
والسلام سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے رب سے
دنو وقرب کا مطلب آپ کی منزلت عظیمہ کا اظہار' آپ کے رتبہ گرامی کا
شرف' آپ کے انوار معرفت کا اشراق' اور غیب وقدرت کے اسرار کا
مشاہدہ ہے۔ (یہ اس صورت میں ہے جب کہ دنا فتدلی کی ضمیریں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہوں اور اگر ان ضمائر کا
مرجع' اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ٹھہرایا جائے تو معنی یہ ہوں گے) اللہ سبحانہ تعالیٰ
کی طرف سے آپ کے ساتھ حسن سلوک مانوس کرنا' کشادہ دلی سے پیش آنا

اور آپؐ کا اکرام مراد ہوگا۔"

فتح الرحمٰن میں ہے :۔ عبارۃ عن نہایۃ القرب ولطف المحل واتضاح المعرفۃ والاشراف علی الحقیقۃ من محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام وعبارۃ من اجابۃ الرغبۃ وقضاء المطالب وقرب بالاجابۃ والقبول واتیان بالاحسان وتعجیل المأمول۔ دنو وقرب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ سبحانہ تعالیٰ شانہ سے یہ ہے کہ آپؐ نزدیکی کی انتہا ومعراج کمال پر ہیں، اس مقام قرب سے لطف اندوز ہیں، معرفت خداوندی آپؐ پر پوری طرح واضح ہو چکی ہے اور حقیقت حال تک آپ کی رسائی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ شانہ کا قرب آپؐ سے یوں ہے کہ آپؐ کی ہر رغبت وخواہش قبول، اور آپؐ کا ہر مطلوب حاصل ہے۔ انجاح مرام وتکمیل مراد سے قریب، اور احسان کی تکمیل اور مقصد کے پورے کرنے میں تعجیل پر مائل ہے۔

حضرت سید الشیوخ قدس سرہ العزیز نے تفسیر قادری کی جلد اول صفحہ ۶ میں بخاری شریف کی کتاب التفسیر کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے:۔

ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں یوں عرض کرتی ہیں :۔ مَا اَرٰی رَبَّكَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ ۔ یعنی میں آپؐ کے پرور دگار کو دیکھتی ہوں کہ جو آپؐ کی خواہش اور مرضی ہوتی ہے اوس کو بہت ہی جلد پوری کر دیتا ہے ۔ یہ مَا اور اِلَّا کا حصر تو دیکھو کیا لطف دے رہا ہے ۔ علامہ قسطلانی اوس کی شرح میں فرماتے ہیں :۔ اِلَّا مُوْجِدًا لَكَ مُرَادَكَ بِلَا تَاخِیْرٍ (آپؐ کی دلی مراد کو آپؐ کی خاطر سے بلا تاخیر موجود فرما دیتا ہے ۔")

شاعر نے خوب کہا ہے :۔

زبندگی بنشینی بہ تختِ سلطانی　　اگر تو خدمتِ محمود چوں ایاز کنی
بناز کی نبری پے بمنزلِ مقصود　　مگر سلوک رہش از سر نیاز کنی
نیازمندی تو یک نفس بہ از صد سال　　کہ روز روزہ بداری و شب نماز کنی
گرت بناز براند مرو کہ آخر کار　　بصد نیاز بخواند ترا و ناز کنی

عبد و رب میں جب اتنا قرب ہوا فاوحی الی عبدہ ما اوحی ۔ تو اپنے بندے پر وحی بھیجی جو بھیجی تھی"

فاوحی الی عبدہٖ کی تفسیر

یہاں بھی فاوحیٰ عبدہٗ اور ما اوحیٰ کے

ضمائر میں حسب ذیل اقوال ہیں :—

۱۔ فاوحی جبرئیل الی عبد اللہ ما اوحی اللہ الیہ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے بندے (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک وہ حکم پہنچایا جو اللہ تعالیٰ شانہ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔"

۲۔ فاوحی اللہ الی عبدہ ما اوحی جبریل الی محمد۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہ احکام بھیجے جن کو جبرئیل علیہ السلام نے آپ تک پہنچایا۔"

۳۔ فاوحی اللہ الی عبدہ ما اوحی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راست طور پر وہ احکام دے جو دینے تھے۔" گویا جبرئیل علیہ السلام کا واسطہ نہ تھا۔ سیاق کے لحاظ سے یہی آخری معنی زیادہ منطبق ہوتے ہیں۔ اس میں ضمار قبل الذکر کی بحث بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اور معنی اول و دوم جن کا مضمون قریب قریب ایک ہی ہے گو وہ بھی بجائے خود درست ہیں۔ مگر جو لطف اس قول سوم میں ہے اور اقوال میں نہیں۔ اکثر مفسرین کرام کے نزدیک قول مختار قول ثالث ہی ہے۔ فقیر بھی اسی کا قائل ہے۔ واللہ اعلم۔

ماأوحیٰ کا لطفِ ابہام

رہی یہ بات کہ وحی کیا آئی؟ قرآن کریم میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

صرف اسی قدر ارشاد ہوا ہے:۔ "فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ" پھر اپنے بندے (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاں جو وحی آنی تھی آئی"۔ اس میں ایسا ابہام ہے کہ اوس کا پتہ چلانے کی جتنی بھی کوشش کی جائے حیرانی میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا چنانچہ مفسرین کرام کا ایک گروہ اسی طرف ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب اس کو مبہم رکھا ہے تو اوس کو اوسی ابہام میں رکھنا چاہیے۔ اور اس ابہام میں جو لطف ہے اوس کے اظہار میں نہیں۔ حبیبؐ کی باتیں خلوت خاص میں اپنے حبیبؐ سے ہیں وہ ایک راز سربستہ ہے۔ اوس کی دریافت کرتا، اوس کی ٹوہ لگاتا، اور پردہ اٹھانے کی سعی کرنا سعی لاحاصل ہے۔ اور فی نفسہ ایسی سعی محمود بھی متصور نہیں۔ یہ واقعہ تو معراج شریف کا ہے۔ جو اپنی آپ نظیر ہے۔ دیگر حالات میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:۔ "لی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔" اللہ سبحانہ

کے ساتھ میرا ایک وقت خاص ہوتا ہے اوس وقت نہ کسی مقرب فرشتے کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی " اوس وقتِ خاص میں آپؐ کے کیا کیا راز و نیاز اپنے حبیب پاک جل جلالہ سے رہتے ہیں آپؐ جانیں یا وہ مالک الملک ۔ اوروں کی رسائی وہاں ناممکن :

دردے کہ من از عشق تو دارم حاصل
دل داند و من دانم و من دانم و دل

خلوت خاص میں جو راز و نیاز رہے اوس کی دریافت کا ہم کو مکلّف نہیں قرار دیا گیا یہ بھی بڑی عنایت و مہربانی ہوئی ۔ اگر وہ کلام خاص بھی ہم کو معلوم کرایا جاتا تو اس کی ذمہ داری بڑھ جاتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے :۔ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا ۔ میں جتنا جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے ہوتے تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ " جب اون باتوں کا علم ہم سے مخفی رکھا گیا تو ہمارا ہنسنا بولنا قابل بازپرس نہ ٹھہرا ۔ آزادی حاصل رہی ۔ سُبحان اللہ یہ عدم علم بھی بجائے خود وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کا شکر جتنا بھی زیادہ کیا جائے کم ہے ۔ عارفینؒ فرماتے ہیں :۔

ما اوحی کے ابہام کا راز

لو ظہرت کلمۃ منھا لتعطلت الاحکام ولفنیت الارواح والاجسام، واندرست الرسوم، واضمحلّت العقول والفھوم والعلوم۔ "اون اسرار کا ایک کلمہ بھی ظاہر ہو جاتا تو سارے احکام، معطّل ہو کر رہ جاتے اور ارواح و اجسام فنا ہو جاتے۔ اور تمام طور طریقے مٹ جاتے۔ عقل و فہم اور جملہ علوم ماند پڑ جاتے"۔

عارفین کاملین فرماتے ہیں:۔ لو بین کلمۃ من تلك الاسرار لجمیع الاولین والآخرین لماتوا جمیعا من ثقل ذٰلك۔ "اون اسرار میں سے ایک کلمہ بھی جملہ اولین و آخرین کے سامنے بیان کیا جاتا تو اوس کے ثقل سے سب کے سب ختم ہو جاتے"۔ اس کے تحمل کی قوت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک ہی میں تھی۔

ما اوحی کی توضیح احادیث شریفہ اور روایات کی روشنی میں

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ آثار و احادیث صحیحہ میں جس حد تک عام احکام ہیں اون کو عام طور پر جاننا اور بیان کرنا ضروری ہے مثلاً احکام شرعیہ۔

اور جس حد تک اسرار و حقائق کا معاملہ ہے وہ خواص اور اخص الخواص کا حصہ ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے :۔ "ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا" اللہ سبحانہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں پہنچادیا کرو اون کو جو اوس کے اہل ہیں" اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو اس کے اہل نہیں اون کے سامنے اسرار کا اظہار کرنا' ان اسرار کو ضائع کرنا ہے۔

مثال کے طور پر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس کی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صحیح میں روایت کی ہے یعنی "ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منہ قاب قوسین او ادنی فاوحی الیہ فیما اوحی خمسین صلاۃ علی امتك كل يوم وليلة" اور جبار رب العزت (آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے) قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا یہاں تک کہ آپ سے بقدر قوسین بلکہ اس سے بھی قریب تر ہوا پھر آپ کی طرف وحی فرمائی جس کے منجملہ آپ کی امتہ (مرحومہ) پر ہر رات اور دن میں پچاس نمازیں فرض ہونے کا حکم بھی تھا" معراج میں پچاس نمازیں ابتداءً فرض ہوتا' پھر

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشورہ کی بنا پر آپؐ کا جناب باری میں بار بار مراجعت فرمانا' اور ہر مرحلہ میں نمازوں کی تخفیف ہوتے ہوتے پانچ نمازیں باقی رہنا' اور ان پانچ کا اجر پچاس کے برابر برقرار رہنا دیگر احادیث صحاح میں بھی مصرح ہے تو ان احادیث شریفہ کے پڑھنے پڑھانے اور عوام سے ان کو بیان کرنے میں کیا حرج ہے۔ بلکہ ایسے تشریعی احکام کو نہ بیان کرنے میں حرج عظیم ہے کما لا یخفی۔ دوسری روایات میں ہے کہ اس وقت یہ بھی وحی آئی:

"الم یجدك یتیما فاوی ووجدك ضالا فهدی ووجدك عائلا فاغنی فاما الیتیم فلا تقهر واما السائل فلا تنهر واما بنعمة ربك فحدث" الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك۔

کیا اللہ سبحانہٗ نے آپؐ کو پناہ نہ دی جب کہ آپؐ یتیم رہ گئے تھے۔ اور کیا آپؐ کی رہبری نہ فرمائی جب کہ آپ راستہ بھول گئے تھے اور کیا آپؐ کو مستغنی نہ کیا جب کہ آپ حاجتمند تھے۔ لہٰذا آپؐ کسی یتیم پر غصے نہ ہوں اور کسی مانگنے والے کو جھڑک نہ دیں اور اپنے پروردگار کی نعمتیں بیان کرتے رہیں

کیا ہم نے آپؐ کا شرح صدر (شب معراج میں) نہ کیا اور کیا آپؐ سی وہ بوجھ اتار نہ دیا جس سے آپ کی پشت ٹوٹی جارہی تھی اور کیا آپؐ کا ذکر بلند نہ کیا؟" (جس کی تفسیر انشاء اللہ تعالیٰ سورہ والضحیٰ اور الم نشرح میں آئیگی)۔

یہ بھی وحی آئی:۔ آمن الرّسول بمآ انزل الیہ من ربّہٖ والمؤمنون کلّ آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربّنا والیک المصیر" رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر آپؐ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ اتارا گیا اوس پر آپؐ کا ایمان ہے اور تمام اہل ایمان بھی اس پر ایمان لائے۔ ہر مومن کا ایمان ہے اللہ پر، اور اوس کے فرشتوں پر، اور اوس کی تمام کتابوں (توریت زبور۔ انجیل۔ صحف ابراہیم۔ اور صحف موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام اور دوسرے تمام پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں) پر۔ اور اللہ سبحانہ کے تمام رسولوں پر۔ ہم اوس کے رسولوں میں سے کسی کا انکار نہیں کرتے۔ اور (اہل ایمان نے) یہ بھی کہا کہ اے ہمارے پروردگا!

ہم آپ کا حکم سن چکے اور اوس کے آگے جھک گئے۔ ہم کو بخش دے اور (ہم کو) تیرے ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔"

بعض روایات میں ہے کہ :۔

یہ بھی وحی آئی :۔ "عش ما شئت فانّك ميّت واحبب من شئت فانّك مفارقه' واعمل ما شئت فانّك مجزيّ به" (اپنی امت کے ہر فرد کے لئے یہ پیام پہنچا دیجئے کہ اے انسان !) تو (دنیا میں) جتنا بھی عیش کرنا چاہتا ہے کر لے (لیکن یہ یاد رکھنا کہ ایک دن) تجھ کو مرنا ہے۔ اور تو جس کسی کو اپنا دوست بنانا چاہتا ہے بنالے ایک دن تو اوس سے جدا ہونے والا ہے۔ اور تو جو عمل کرنا چاہے کئے جا (لیکن یاد رکھنا کہ) تجھ کو اوس کی جزا مل کر رہیگی۔"

کہتے ہیں یہ بھی ارشاد ہوا :۔ "ای محمدؐ انا وانت وماسوى ذلك خلقته لاجلك اے محمد ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ہوں اور آپ' اس کے سوا جو بھی ہے اوس کو میں نے صرف آپ کے لئے پیدا کیا ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا۔ "انت وانا وما سوی ذلك تركته لاجلك" آپ ہیں اور میں

اس کے سوا جو بھی ہے اوس کو میں نے صرف آپ کی خاطر چھوڑ دیا۔"
اوس میں یہ بھی ارشاد ہوا:۔ آپؐ کی امت میری طاعت بجالاتی ہے اور میری نافرمانی بھی کرتی ہے۔ ان کی طاعت، میری رضاوخوشنودی سے ہے اور ان کی نافرمانی میری (مشیتؔ و) قضا سے۔ لہذا ان سے جو کچھ میری رضا کی بناپر ثابت ہوگا وہ اگرچہ تھوڑا ہو اور اوس میں کوتاہی رہ گئی ہو اوس کو قبول کرلوں گا کیوں کہ میں کریم ہوں۔ اور جو کچھ ان سے میری (مشیت و) قضا کی بناپر صادر ہوگا اگرچہ وہ بڑا کام ہو اور زیادہ ہو اوس کو معاف کردوں گا اس لئے کہ میں رحیم ہوں۔"
یہ بھی وحی آئی:۔ "انّ الجنّة محرّمة علی الانبیاء حتّی تدخلها وعلی الامم حتّی تدخلها امّتك۔ جنت حرام ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اوس وقت تک کہ آپؐ اوس میں داخل نہ ہوں۔ اور جنت حرام ہے تمام امتوں پر جب تک کہ اوس میں آپؐ کی امت داخل نہ ہو۔" "کن آنسًا من الخلق فلیس بایدیھم شیئ واجعل صحبتك معی فانّ مرجعك الیّ ولا تجعل

"قلبك معلقاً بالدنيا فانی ماخلقتك لها" ساری مخلوق سے بے نیاز ہوجایئے کیوں کہ اون کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ اور اپنی رفاقت میرے ساتھ رکھئے کیوں کہ آپ کی بازگشت میری ہی طرف ہے۔ اور اپنا قلب صافی دنیا میں نہ پھنسائے رکھئے کیوں کہ میں نے آپؐ کو اوس کے لئے پیدا نہیں کیا" یہ خطاب امتہ مرحومہ کی تعلیم کے لئے ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرمایا کرتے تھے: "مالی وللدّنیا" مجھے دنیا سے کیا علاقہ!

یہ بھی مروی ہے کہ امت مرحومہ کی نسبت چند شکوے بھی فرمائے گئے:۔

۱۔ لم اکلّفھم عمل الغد وھم یطلبون منّی رزق الغد میں نے اون کو کل (آنے والے دن) کے عمل کی آج تکلیف نہیں دی مگر وہ مجھ سے کل کا رزق آج ہی طلب کرتے ہیں"

۲۔ لا ادفع ارزاقھم الی غیرھم وھم یدفعون عملھم الی غیری۔ میں اون کا رزق غیر کے حوالے نہیں کرتا ہوں مگر وہ اپنا عمل میرے غیر کے حوالے کرتے ہیں"

۳۔ انّھم یأکلون رزقی ویشکرون غیری ویخونون معی ویصالحون خلقی۔ "وہ میرا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں اور میرے غیر کا شکر کرتے ہیں۔ اور وہ میرے ساتھ تو خیانت کرتے جاتے ہیں اور میرے غیر کے ساتھ مصالحت کرتے رہتے ہیں" یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونھا۔

۴۔ انّ العزّۃ لی وانا المعزّ وھم یطلبون العزّۃ من سوای "ساری عزت میرے لئے ہے اور میں ہی عزت دینے والا ہوں۔ اور ان کا یہ حال ہے کہ میرے ماسوی سے وہ عزت کے طالب ہوتے ہیں" أیبتغون عندھم العزّۃ وللہ العزّۃ جمیعا۔

۵۔ انّی خلقت النّار لکلّ کافر وھم یجتھدون ان یوقعوا انفسھم فیھا۔ "میں نے دوزخ کو کافروں کے لئے پیدا کیا ہے مگر یہ اسی دھن میں لگے ہوئے ہیں کہ خود کو اس میں جھونک دیں" انّ الکافرین ھم اصحاب النّار۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ آپؐ اپنی امت سے فرمادیں:

(۱) ان احببتم احد الاحسان الیکم فانا اولی بہ

لکثرۃ نعمی علیکم۔ اگر تم کسی کو اوس کے کسی احسان کی بنا پر چاہتے ہو جو اوس نے تم پر کیا ہے تو اس چاہت کے زیادہ حق دار ہم ہیں کہ ہمارے احسانات تم پر بے شمار ہیں۔" اور حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کا احسان بھی ہمارے ہی ایما سے تھا۔ "وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔"

(۲) وان خفتم احدًا من اھل السماء والارض فانا اولی بذلك لکمال قدرتی۔ اور اگر تم کو زمین و آسمان والوں میں سے کسی کا خوف ہے تو یہ خوف بھی ہم ہی سے ہونا چاہیئے اس لئے کہ ہمارا اقتدار ہی کامل ہے۔ "فلا تخافوھم وخافون۔

(۳) وان انتم رجوتم احدًا فانا اولی بہ لانی احب عبادی۔ اور اگر تم کسی سے امید رکھتے ہو تو یہ امید بھی ہمیں سے رکھنی چاہیئے کیوں کہ ہمارے بندے ہم کو محبوب ہیں۔" "سیجعل لھم الرحمٰن وُدًّا۔

(۴) وان انتم استحییتم من احد لجفائکم ایاہ فانا اولی بہ لانّ منکم الجفاء ومنّی الوفاء۔ اور اگر تم کسی سے حیا

کرتے اور شرماتے ہو اس بنا پر کہ تم نے اوس کے ساتھ جفا کی ہے تو بے حیا و شرم بھی زیادہ تر ہم سے ہونی چاہیئے کیوں کہ جفاکاری تمہارا پیشہ ہے اور وفاداری ہماری صفت ہے" اوفوا بعھدی اوف بعھدکم۔

(۵) وان آثرتم احدا باموالکم وانفسکم فانا اولی بذالک لانی معبودکم۔ اور اگر تم اپنے مال اور جان کے ذریعہ کسی کے ساتھ ایثار کرتے ہو تو تمہارا یہ ایثار بھی ہماری راہ میں اور ہماری خاطر سے ہونا چاہیئے کیوں کہ ہم تمہارے معبود ہیں"

(۶) وان صدقتم احدا فی وعدہ فانا اولی بذالک لانی انا الصادق۔ اور اگر تم کسی کو اپنے وعدہ میں سچا سمجھتے ہو تو ایسا سمجھنے کے زیادہ تر حقدار ہم ہیں کیوں کہ ہم سچے اور ہمارا ہر وعدہ سچا ہے" ان وعد اللہ حق۔ (روح البیان)

وحی عام فقیر عرض کرتا ہے کہ مقام "دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی" میں جو وحی آئی اوس کے اقسام ہیں۔ بعض وہ عام امور تھے جن کا شرح شریف سے تعلق تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اون کو عامۃ المومنین تک پہنچا دیا
جیسے پانچ وقت کی نمازیں ۔ اس سے پیشتر صرف دو وقت کی نماز تھی :۔
"رکعتان بالغدوۃ و رکعتان بالعشیۃ "۔ صبح دو رکعتیں اور شام
دو رکعتیں "۔ جن کا ذکر متعدد آیات کریمہ میں ہے :۔ فسبح بحمد ربک
قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ۔ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید
کیجئے آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور آفتاب غروب ہونے سے پیشتر"
یہی وجہ ہے کہ اون کا ثبوت متعدد روایات صحیحہ و معتبرہ سے ہوتا ہے
یہ روایات اس کثرت سے ہیں کہ ان روایات کو شہرت اور تواتر کا
درجہ حاصل ہے اگر یہ عملیات سے ہیں تو اون کی ادائی فرض قرار دی گئی
ہے اور اگر یہ علم و عرفان سے متعلق ہیں تو اون کو اعتقادیات میں شمار
کیا گیا ہے اور اوس کے بموجب اعتقاد رکھنا واجب قرار دیا گیا۔
فرض و اعتقاد کا انکار کفر ہے نعوذ باللہ منہ ۔ اور اعتقادیات کا
اقرار و تصدیق اور عملیات کے اقرار و تصدیق کے ساتھ اون کی بجاآوری
باعث نجات آخرت ۔ اللہ سبحانہ تعالی ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس کی
توفیق دے جس سے مولی تعالی کی رضا و خوشنودی حاصل ہو آمین ۔

نماز وغیرہ احکام شریعت ایسی چیزیں ہیں جن کا تحمّل مومنین ومسلمین ہی کر سکتے ہیں دیگر مخلوقات میں ان کے تحمّل کی صلاحیت نہیں۔ آخرت کی نجات کے لئے درجہ اسلام وایمان کافی ہے۔

وحی خاص اسی مقام میں جو خاص وحی آئی اوس میں بعض وہ امور تھے جو طریقت وحقیقت سے تعلق رکھتے تھے۔ اوس کا بیان آپؐ نے علیٰ فرق مراتب خواص اور اخص الخواص سے فرمایا۔ یہی سبب ہے کہ ان امور کے ناقلین اور رواۃ کی اتنی کثرت نہیں جیسی قسم اول میں تھی مگر یہ باتیں بھی ایسی ہیں جو دل کو لگتی ہیں اور ان کی تائید آیات کریمہ اور احادیث شریفہ سے ہوتی ہے۔ یہ درجۂ احسان کی باتیں ہیں جو درجہ اسلام وایمان سے ارفع واعلیٰ ہے۔ جہاں سے درجاتِ قُرب کا آغاز ہوتا ہے۔ درجۂ احسان کا بیان حدیث جبرئیلؑ میں ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سائل بن کر طالب علم کی شکل میں تشریف لائے تھے اور اپنے ہاتھ حضورؐ کے زانوے مبارک پر رکھ کر پوچھ رہے تھے:۔

ما الاحسان ؟ — درجۂ احسان کیا ہے ؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— ان تعبد اللّٰہ کانّک تراہ فان لم تکن تراہ

فانہ یراك تم اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کئے جاؤ گویا کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسی دید میسر نہیں ہے تو اتنا یقینی ہے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے" درجۂ احسان پر مومنین کاملین ہی فائز ہو سکتے ہیں اس لئے اس درجہ کی باتوں کا عوام کو مخاطب نہیں بنایا گیا البتہ ان میں سے جو ہستیاں تقرب الٰہی کے مدارج طے کرنا چاہتی ہیں اون کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے من جدّ وجد۔

وحی خاص الخاص

اسی مقام میں خاص الخاص وہ وحی بھی آئی جس میں اسرار اور عرفان کی باتیں تھیں جن کا تعلق معرفت سے تھا۔ ان کا بیان آپؐ نے صاحبانِ اسرار و عرفان سے فرمایا۔ جیسے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ چنانچہ بعض امور کی نسبت حضرت فاروق اعظمؓ تک حضرت حذیفہؓ سے دریافت فرماتے رہتے تھے اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی لا و نعم کے ذریعہ اشارۃً جواب دے دیتے اور کبھی مختصر طور پر ایک دو کلمے فرما دیتے۔ یا جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:-

حفظت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعائین احد هما

بثثتہ علیکم والآخر لو بثثتہ علیکم لقطع ھذا البلعوم۔
میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو تھیلے علم کے (حاصل کرکے) یاد کرلئے ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو تم پر بکھیر دیا اور دوسرا وہ ہے کہ اگر اوس کو بھی تم میں شائع کردوں تو یہ حلقوم کٹ جائے ''
حضرت حذیفہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت اتنا تو معلوم ہوسکا کہ یہ صاحب اسرار ہیں۔ مگر دربار رسالت میں جن کو ان سے بھی زیادہ تقرب حاصل تھا جن میں اہل بیت کرام امہات المومنین خلفائے راشدین، بقیہ عشرہ مبشرہ اور مخلص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شامل ہیں وہ کیسے کیسے اسرار کے حامل ہوں گے مگر واہ رے رازداری کہ ان کی نہ کوئی روایت ملتی ہے اور نہ یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کے ہاں کیا کیا اسرار وحِکَم نہاں تھے۔ ع۔

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

الغرض حقائق واسرار کا تحمل اللہ سبحانہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندوں ہی کا حق ہے اور یہ تبلیغ رسالت کی آخری حد ہے۔ امت کے علوم یہیں تک منتہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہے: — وما اوتیتم

من العلم الا قلیلا ۔ لیکن یہ علوم رسالت کی آخری حد نہیں ۔

وحی اخص الخاص

اسی مقام میں اخص الخاص وہ وحی بھی آئی جن کی تعلیم امتیوں کو نہیں دی جا سکتی یہ حصہ حاملان نبوت و رسالت کا ہے صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں وہ تمام علوم ومعارف اور اسرار وحقائق جمع فرما دئیے گئے جن کا تحمل صاحبان وحی ہی فرما سکتے ہیں ۔ چنانچہ حدیث شریف اوتیت علم الاوّلین والآخرین میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی حضور فرماتے ہیں کہ مجھے اولین وآخرین سب کا علم دیا گیا ہے " خواہ ان علوم کا تعلق قابل اظہار امور سے ہو یا ناقابل بیان ہوں ۔ اس کا پتہ ان واقعات سے چلتا ہے جن میں آپ نے یہود کی غلطیاں بتائیں اور ان کی طرف سے جو تحریف کتب سماویہ میں ہوئی تھی اس کو بتا دیا جس کی وجہ سے ان کی گردنیں مارے شرم کے آپ کے سامنے جھک گئیں ۔ اس کا بیان انشاء اللہ العزیز آیۂ کریمہ ولا تزال تطلع علی خائنة منهم کی تفسیر میں آئے گا ۔ نیز اصحاب کہف و

رقیم، ذوالقرنین وغیرہ کے واقعات جو آپؐ سے دریافت کیے گئے اور آپؐ نے وحی الٰہی کی بدولت صاف صاف بتا دیئے اور جو امور ناقابل اظہار تھے وہ ان صاحبان وحی تک ہی محدود رہے۔

وحی اخص الاخص اسی مقام میں اخص الاخص وہ وحی بھی آئی جن کی انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو بھی اطلاع نہ تھی اور جس کا تحمل حضرت خاتم النبیین امین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین ہی کا بہرہ خاص تھا۔ حدیث شریف لی مع اللہ وقت میں جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

عارف کامل حضرت شیخ محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

فاق النبیین فی خَلق وفی خُلق ولم یدانوہ فی علم ولا کرم
وواقفون لدیہ عند حدھم من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام انبیاء علیہم السلام پر فوقیت لے گئے خَلق (اوصاف فطری) کے لحاظ سے بھی اور خُلق (صفات اکتسابی) کے اعتبار سے بھی اور یہ حضراتؑ ستودہ صفات علم و کرم میں آپؐ کے قریب تک بھی نہ پہنچ سکے۔ سب حضراتؑ آپؐ کی جناب میں اپنی اپنی حد علم

وحکمت پر ٹھہرے ہوئے رہے ۔ جس کا مشاہدہ آپؐ کو شب معراج میں افلاک پر کرایا گیا کہ رسل اولوالعزم علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی فلک اول پر تھے اور کوئی اس سے اوپر فلک ہفتم تک۔ مگر آپؐ کی رسائی کہاں تک ہوئی اور وہاں کیا کیا راز و نیاز رہے خدا ہی جانے قرآن کریم میں بس اسی قدر ہے: ثم دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی مگر اس میں جو جامعیت اور لطف ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ شاعر قدسی نے کیا خوب کہا:

شب معراج عروجِ تو ز افلاک گزشت
بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

تفسیر از محقق مخدوم مہائمیؒ

محقق مخدوم مہائمی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: — (ثمّ دنا) من ربّہ بالقرب من صفاتہ (فتدلّٰی) ای تعلّق بذاتہ باعتبار القرب الذاتی (فکان) فی ھٰذا القرب (قاب قوسین) ای مقدار

قوسی القرب الوجوب والامکان فی دائرۃ الوجود مع توہم خطٍ فاصل بینہما (او ادنی) باسقاط ذلک الخط المتوہم ولکن لم یصر بذلک الهائل عبدا منسوبا الی الھویّۃ (فاوحی الی عبدہ ما اوحی) مما لا یدرکہ العقل ولکن لا یأباہ لذلک۔

پھر آپؐ اپنے رب سے قریب ہوئے جو قرب صفات تھا۔ پھر قرب ذاتی کے اعتبار سے ذات سے متعلق ہو گئے۔ اس قرب میں دائرہ وجود بنا جب کہ آپؐ وجوبؐ امکان کی دو قوسوں کے مقدار قریب ہوئے جن کے درمیان ایک خط وہمی فاصل رہ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی قریب تر جس میں اوس خط موہوم کا بھی وجود باقی نہ ہو۔ لیکن با ایں ہمہ آپؐ بندے ہی رہے (اپنی عبدیت پر ناز فرما) الوہیت سے کنارے۔ مگر وہ عبد کامل جو ھویۃ مطلقہ کی طرف منسوب ہو۔ وہاں اوس نے اپنے اس بندے پر وہ وحی بھیجی جس کا ادراک و احاطہ عقل انسانی نہیں کر سکتی لیکن عقل سے اوس کا انکار بھی بن نہیں پڑتا"۔ ؎

اس طلب کرنے سے مطلوب کے مطلب یہ تھا ۔۔۔ تا سمجھ لیں کہ وہی جلوہ ہی جلوہ اپنا
قاب قوسین کا عقدہ یہ شب وصل کھلا ۔۔۔ دو کمانیں جو ملیں دائرۂ وصل بنا

مل گئے دونوں حدوث اور قدم کے دریا فصل کچھ طالب و مطلوب میں باقی نہ رہا

فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی۔

اقتباس از تفسیر حضرت سید الشیوخ

حضرت سید الشیوخ قدس سرہ العزیز اسی تفسیر قادری کے سورۂ بنی اسرائیل صفحہ ۷۹ میں فرماتے ہیں :—

کلامِ سرمدی بے صوت بشنید خداوند جہاں را بے جہت دید

بدید آنچہ ز حد دیدن بروں بود مپرس از ما ز کیفیت کہ چوں بود

بعضے روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ پاک نے قرآن مجید سب وہیں سکھلا دیا حضرت جبرئیل علیہ السلام اوس کی یاد دہانی کرتے تھے وکان جبریل یذکرہ ہی اسی واسطے آپؐ وحی پوری ہونے کے پہلے سبقت کر جاتے تھے۔ اللہ پاک نے یہ آیت اُتاری "ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیك وحیہ" لیکن علماء کو اس حدیث میں کلام ہے ہم بھی اون کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں اور تعلیم ظاہری کو مانتے ہیں :—

تعلیم جبرئیل امیںؑ تھی برائے نام حضرتؐ وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

پہلے باب میں صحیح بخاری کے مذکور ہے کہ رمضان کی ہر رات میں جبرئیل علیہ السلام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے اور باہم قرآن پڑھتے۔ شارحین "فیدارسہ القرآن" کے یہ معنی کرتے ہیں کہ باری باری تلاوت ہوتی تھی یا دونوں معاً ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ غرض یہ کہ جن کے پاس وحی لائی جاتی ہے اور جو وحی لاتے ہیں ان دونوں میں مناسبت ہونی چاہیے اسی واسطے محققین نے یہ نکتہ کہا کہ جب جبرئیل اپنی ملکیت میں غالب ہو جاتے تو اپنی اصلی صورت پر آتے حضرتؐ بھی عالم ملکوت میں چلے جاتے چنانچہ اس طرح دو ہی دفعہ ہوا اور جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال انسانیت کا رنگ غالب ہوتا تو جبرئیل ملکوت کو چھوڑ جامہ ناسوت پہنتے۔ آدمی کی شکل میں آتے۔ صحابی بن جاتے۔ معلم متعلم کی صورت میں نظر آتا لوگوں کو دھوکا ہو جاتا۔ سامنے باادب بیٹھے ہوئے ایک ایک چیز کا سوال کرتے عجیب کمال کرتے۔ حدیث متفق علیہ کے یہ لفظ ہیں "فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع کفیہ علی فخذیہ"۔ اب زمانہ تو وہ آیا کہ جبرئیل علیہ السلام کا واسطہ نہ رہا قرآن نہ آیا اس طرح آیا:

فاوحی الی عبدہ ما اوحی :ـ

چو در مکتب بے نشانی رسید چہ گویم کہ آنجا چہ دید و شنید
ورق در نوشتند و گم شد سبق شنیدن بحق بود و دیدن بحق

چہ وصفت کند سعدیٔ ناتمام علیک الصلاۃ اے نبی والسلام

یہ بیان وحی اور ہم کلامی کا تھا۔ رویت و دیدار کے متعلق آگے ارشاد ہے :ـ

بیان رویت و دیدار

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ۝ 53-11
53-12
اَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ 53-13
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا 53-14
جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ 53-15
53-16
وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ آپ کے 53-17
53-18

؎ الفؤاد کالقلب لکن یقال لہ فؤاد اذا اعتبر فیہ معنی التفؤد ای التوقد یقال فأدت اللحم شویتہ ولحم فئید مشوی قال

دل نے جھوٹ (غلط) نہ بتلایا جس کو آپ نے دیکھا کیا پھر تم

بقیہ حاشیہ علی صفحہ گذشتہ۔

ماکذب الفؤاد ما رأی۔ افئدۃ ج۔ فؤاد بھی "دل" کا ہم معنی ہے لیکن "لہ فؤاد" اوس موقع پر کہا جاتا ہے جب کہ اوس میں تاڑ جانے کے معنی کا لحاظ کیا جائے۔ فأدت اللحم کہتے ہیں جب کہ گوشت بھونا جائے۔ اور بھونے ہوئے گوشت کو لحم فئید کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے ماکذب الفؤاد ما رأی اس سے تاڑ لینے والا دل مراد ہے۔ (مفردات) والفؤاد وسط القلب محل العقائد والنیات ومنشأ الاعمال۔ دل کے درمیانی حصہ کو فؤاد کہتے ہیں جو عقائد نیتوں کا محل اور اعمال کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔ (جمل) وفی الحدیث الیمن ھم ارق افئدۃ والین قلوبا فان الفؤاد غشاء القلب اذا رق نفذ القول فیہ ووصل الی ماورائہ والقلب اذا لان نفذ الشئ الی داخلہ وعلی اتحادھما کرر المعنی الواحد مبالغۃ۔ حدیث شریف میں ہے کہ اہل یمن کے دل کی جھلی باریک اور اون کے دل نرم ہیں"۔ دل کی جھلی کو فؤاد کہتے ہیں اگر یہ رقیق (پتلی یا باریک) ہو تو کلام اوس میں سرایت کرسکیگا اور دل نرم ہو تو کوئی چیز اوس کے اندر اتر سکیگی۔ چوں کہ فؤاد اور قلب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں

(اے مشرکین مکہ) اون سے بحث کرتے ہو اون امور پر جن کا آپ مشاہدہ

بقیہ حاشیہ علیٰ صفحہ گذشتہ۔

اس لئے ایک ہی معنی (نفوذ و سرایت) کے دوبار بطور مبالغہ کے لائے گئے (مجمع البحار)

دل کے حسب ذیل سات اطوار ہیں:۔

۱۔ **صَدر** ۔ یہ محل اسلام ہے۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربّہ۔ وسوسہ شیطانی اور خواہش نفسانی بھی یہیں پیدا ہوتی ہے۔ یوسوس فی صدور النّاس من الجنّۃ والنّاس۔

۲۔ **قَلب** ۔ معدن ایمان و خزانۂ حق۔ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان۔ نور عقل کی جگہ بھی یہی ہے۔ فتکون لھم قلوب یعقلون بھا۔

۳۔ **شِغاف** ۔ محل عشق و محبت۔ قد شغفھا حبّاً۔

۴۔ **فُؤاد** ۔ محل مشاہدہ و رویت۔ ماکذب الفؤاد ما رأیٰ۔

۵۔ **جنّت القلب** ۔ مقام ذوق و شوق جس میں غیر کی دوستی کی گنجائش نہیں۔

۶۔ **سُویداء** ۔ مقام مکاشفات غیبی و علم لدنی و اسرار الٰہی۔

۷۔ **بھجۃ القلب** ۔ مقام ظہور صفات ذاتی و تجلیات الٰہی۔

کرتے ہیں۔ اور بے شک آپؐ نے دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے

بقیہ حاشیہ علہ صفحہ گزشتہ۔

طور اول یعنی طور صدر کے سوا دیگر اطوار میں نفس و شیطان کا گزر نہیں ہو سکتا۔ وحفظاً من کلّ شیطان مارد لا یسّمّعون الی الملأ الاعلیٰ۔ انتہیٰ ملخصاً۔

(جواہر العشاق از حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز)۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ معراج سے قبل شرح صدر جو کیا گیا اوس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم

علہ۔ الرؤیۃ ادراك المرئیّ وذلك اضرب بحسب قوی النّفس الاوّل بالحاسّۃ ومایجری مجراها والثانی بالوهم والتخیّل والثالث بالتفکّر والرابع بالعقل وعلی ذلك قوله ماکذب الفؤاد مارأیٰ۔ دکھائی دینے والی چیز کے احاطہ کر لینے کو "رویت" کہتے ہیں۔ قوائے نفسانی کے لحاظ سے اس کے اقسام ہیں ایک یہ کہ حاسہ وغیرہ کے ذریعہ ہو۔ دوسری قسم وہم وتخیل کے ذریعہ۔ تیسری تفکر کے ذریعہ چوتھی عقل کے ذریعہ سے۔ ماکذب الفؤاد مارأیٰ میں معنی آخری مراد ہیں۔" (مفردات)

علہ افتمارونه۔ مریۃ اس کا مادہ ہے اس سے ممارات بنا ہے۔ المماراۃ المحاجۃ فیما فیه مریۃ قال تعالیٰ افتمارونه علی مایریٰ۔ واصله من مریت الناقۃ اذا مسحت ضرعها للحلب۔ جس امر میں تردد ہو اوس میں بحث اور جدال کرنے کو مماراۃ

جس سے جنت الماویٰ نزدیک ہی ہے۔ جب کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانکنے والی چیزیں

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ۔

کہتے ہیں۔ قول باری تعالیٰ افتمارونہ علی مایری بھی اسی سے ہے یہ دراصل مریت الناقۃ سے بنا ہے یہ جملہ اوس وقت کہتے ہیں جب کہ دودھ دوہنے کے لئے جانور کے تھن پر ہاتھ پھیریں۔"

۴ السدر صنفان صنف یؤکل من ثمرہ ینتفع بورقہ لغسل الید وصنف لہ ثمرۃ عفصۃ لا تؤکل اصلا وھوالذی یقال لہ الضال۔ بیری کا درخت دو طرح کا ہوتا ہے ایک قسم وہ ہے جس کا پھل کھایا جاتا ہے اور اوس کے پتے بھی کام آتے ہیں اس سے ہاتھ دھوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس کا پھل کسیلا ہوتا ہے کھانے میں نہیں آتا۔ عربی میں اس کو ضال کہتے ہیں۔" (روح البیان از مولی ابوالسعود۔)

۵ المنتہیٰ۔ الانتھاء الانزجار عما نھی عنہ۔ جس امر سے منع کیا گیا ہو اوس سے رک جانے کو انتہاء کہتے ہیں۔" منتہیٰ وہ جگہ جہاں جانے سے یا اوس سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔ (مفردات)

۶ الماوٰی مصدر اوی یاوی اویا وماوی تقول اوی الی کذا انضم الیہ .... وقولہ جنۃ الماوٰی کقولہ دار الخلود فی کون الدار مضافۃ الی المصدر ماوٰی مصدر ہے اوی یاوی کا۔ جب کوئی کسی سے مل جاتا ہے تو کہتے ہیں اوی الی کذا

ڈھانک رہی تھیں۔ (اس دیدار و مشاہدہ کے وقت) آپ کی بصر نہ تو

بقیہ حاشیہ ۶ صفحہ گذشتہ۔

جنۃ الماوی سے دار الخلود مراد ہے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ معنی دار کو مصدر کی طرف مضاف کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔" (مفردات)

ے۔ یغشیٰ۔ غشیہ غشاوۃ وغشاء اتاہ اتیان ما قد غشیہ ای سترہ والغشاوۃ ما یغطّی بہ الشّیٔ۔ کسی چیز کا اس طرح آنا کہ گویا اوس نے دوسری چیزوں سے چھپا دیا اور اون کو ڈھانک دیا اس کو غشی کہتے ہیں۔ غشاوۃ وہ جس سے کسی چیز کو ڈھانک دیا جائے۔" اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ کے معنی یہ ہوئے کہ بیری کے درخت کو جب کہ ڈھانکنے والی چیزیں ڈھانک رہی تھیں۔" (مفردات)

ٹ۔ زاغ۔ الزیغ المیل عن الاستقامۃ۔۔۔۔ اذ زاغت الابصار یصحّ ان یکون اشارۃ الی ما یداخلھم من الخوف حتّی اظلمت ابصارھم ویصحّ ان یکون اشارۃ الی ما قال یرونھم مثلیھم۔ راستی کے طریق سے ہٹ جانے کو "زیغ" کہتے ہیں۔ آیۂ کریمہ اذ زاغت الابصار میں اوس خوف کی طرف اشارہ ہے جو کافروں کے دل پر غزوۂ بدر میں چھا گیا تھا جس سے اون کو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ یا اس طرف اشارہ ہے کہ غزوہ بدر میں مسلمان تعداد میں بہت ہی کم ہونے کے باوجود اپنے سے

ترچھی ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ بے شک آپ نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۔"

رویت جبرئیل علیہ السّلام

یہاں ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ چشمان مبارک سے آپؐ مشاہدہ فرماتے تھے اور قلب انور اوس کی تصدیق کر رہا تھا کہ واقعی یہ جبرئیلؑ ہی ہیں جو وحی الٰہی لایا کرتے ہیں۔ ان حالات میں مشرکین مکہ کی یہ بحث لغوی کہ قرآن کریم حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ آپؐ اوس کو بہ تکلف تیار کر لیتے ہیں " درحالیکہ آپؐ نے جبرئیلؑ کو دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے

بقیہ حاشیہ ؎۸ صفحہ گزشتہ۔

دُگنے دکھائی دے رہے تھے " (مفردات)

؎۹ طغوت وطغیت طغوانا وطغیانا تجاوز الحدّ فی العصیان۔ معصیت کی سمت میں حد سے بڑھ جانے کو "طغیان" کہتے ہیں " اسی سے طغیٰ کا اشتقاق ہے (مفردات)

مازاغ البصر وما طغیٰ کے معنی یہ ہوئے :۔ نہ آپؐ کی نظر مبارک اپنے شاہد اصلی سے کسی طرف مائل ہوئی اور نہ اپنی حد سے بڑھی۔ بلکہ اپنے منظور نظر پر جمی رہی۔ واللہ اعلم۔

پاس دیکھا جہاں جنۃ الماوی ہے جب کہ سدرہ پر گوناگوں انوار چھا رہے تھے۔ با ایں ہمہ نہ بصر مبارک ترچھی ہوئی اور نہ حد سے بڑھی بلکہ جبرئیل امینؑ پر جمی رہی۔ بے شک آپؐ نے (معراج میں) اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں منجملہ ان کے جبرئیلؑ کی ذات بھی قدرت الٰہی کی بہت بڑی نشانی تھی۔

اس کی تائید احادیث شریفہ سے ہوتی ہے۔ ام المومنین عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:۔ ذلك جبرئيل كان يأتيه في صورة الرّجل وانّه اتاه هذه المرّة في صورته الّتي هي صورته فسدّ الافق۔ (بخاری شریف) وہ جبرئیلؑ تھے جو ہمیشہ آپ کے پاس شکل انسانی میں آیا کرتے تھے۔ اب کی دفعہ وہ اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہوئے تو سارا افق آپ کے وجود سے بھر گیا تھا۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی[1] ہے:۔

---

[1] اس روایت کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی نے بیان کیا ہے۔

رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل لہ ستمائۃ جناح۔ نبی اکرمؐ نے جبرئیلؑ کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں "رأی جبریل علیہ حلتان رفرف خضر قد ملأ ما بین السماء والارض[1]۔ آپؐ نے جبرئیلؑ کو دیکھا کہ وہ سبز رفرف (جنگلہ) کے دو جوڑے زیب تن کیے ہوئے ہیں اون کے وجود سے آسمان اور زمین کی درمیانی فضا بھر گئی ہے"

کل جناح منہا قد سد الافق یسقط من جناحہ من التہاویل والدر والیاقوت ما اللہ بہ علیم[2]۔ ہر بازو اتنا ہے کہ اوس سے افق آسمان بھر گیا ہے اون کے بازوؤں سے رنگ برنگ کی (حیران کن) چیزیں، اور موتی، لعل نثار ہو رہے ہیں جن کی تعداد کا

[1] یہ اضافہ فریابی، عبد بن حمید، طبرانی، ابوالشیخ، حاکم، ابن مردویہ، ابونعیم اور خود ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی کی دوسری روایت میں ہے۔

[2] یہ صراحت ہمارے امام احمد، عبد بن حمید، ابن المنذر، طبرانی، ابوالشیخ، ابن مردویہ، ابونعیم اور بیہقی کی روایات میں ہے۔

صحیح علم حق سبحانہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

صحیح مسلم اور بیہقی کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ولقد رأہ نزلۃ اخری کی تفسیر میں ہے: "رأی جبریل[1] علیہ السلام۔ دوبارہ بھی آپؐ نے جبرئیلؑ ہی کو دیکھا۔

دیدار الٰہی

دوسرا قول یہ ہے کہ ضمائر کا مرجع حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "رأی محمد ربہ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا"۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "قد[2] رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ عز وجل۔ یقیناً حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار عز وجل کو دیکھا"۔ (اسی کو دل قبول کرتا ہے)

امام شعبیؒ نے فرمایا: "لقی[3] ابن عباس کعبا بعرفۃ فسألہ

---

[1] ابن مردویہ۔

[2] ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی۔

[3] عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ۔

عن شیئ فکبر حتی جاوبته الجبال فقال ابن عباس انا بنوھاشم نزعم او نقول ان محمدا قد رأی ربه مرتین فقال کعب ان اللہ قسم رویته وکلامه بین موسی ومحمد علیھما السلام فرأی محمد ربه مرتین وکلم موسی مرتین۔ عرفات میں کعب احبارؒ سے (جو توریت کے بھی بڑے عالم تھے) ابن عباسؓ کی ملاقات ہوئی۔ ابن عباسؓ نے اون سے کچھ دریافت فرمایا (جس پر خوش ہوکر) کعب احبار نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے تمام پہاڑ گونج اوٹھے۔ بات یہ تھی کہ ہم بنی ہاشم اس کے مدعی یا قائل ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دو دفعہ دیکھا۔ تو کعب نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور کلام کو حضرت موسیٰ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام میں تقسیم فرما دیا۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دو دفعہ دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دو دفعہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ امام شعبیؒ امام اعظم ابوحنیفہ کے استاذ ہیں رضی اللہ عنہما۔

عکرمہ سے مروی ہے: — رأی[1] محمد صلی اللہ علیه وسلم ربه۔

---

[1] ابن جریر۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پرور دگار کو دیکھا" یہ حضرت ابن عباس کے شاگرد خاص ہیں۔ رضی اللہ تعالی عنہم۔

ابن عمرؓ نے ابن عباسؓ سے یہ دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا۔ هل رأى محمد ربه [1] - کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا" فارسل اليه ابن عبّاس ان نعم۔ تو ابن عباسؓ نے اون کے پاس کہلا بھیجا کہ ہاں"

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما یہ بھی فرماتے تھے:- اتعجبون [2] ان تكون الخلّة لابراهيم والكلام لموسى والرّؤية لمحمّد صلى الله عليه وسلّم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شرف خلّت اور حضرت موسی علیہ السلام کو شرف ہم کلامی نصیب ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تو اس میں تم کو تعجب کیوں ہے؟ [3]

---

[1] ابن اسحاق، بیہقی۔

[2] نسائی، حاکم، ابن مردویہ۔

[3] قرآن کریم میں ہے:- اتّخذ الله ابراهيم خليلا۔ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو

ہر دو اقوال میں تطبیق

رویت کے باب میں یہ دو قول جو مذکور ہوئے فقیر کی رائے میں اُس کو اختلاف

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ۔

اللہ نے اپنا خلیل بنایا جس سے آپ خلیل اللہ کہلائے۔ وکلّم اللہ موسی تکلیما۔ اور اللہ نے موسی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام سے کلام فرمایا جس سے آپ کلیم اللہ ٹھہرے اور یہ دونوں امور مسلّم ہیں اس میں کسی کو تعجب نہیں ہوتا اسی طرح اگر حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں یہ فرمایا: ماکذب الفؤاد ما رأی الی اخر الایات تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اون کو وہ امتیاز حاصل تھا اور آپ کو یہ شرف و اعزاز حاصل ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ دیگر امتیازات لاکھ ہوں مگر شرف دیدار کچھ اور ہے۔ تمنائے دید بنی اسرائیل پر اتنی غالب آئی کہ انھوں نے ایمان ہی کو اوس سے مشروط کر دیا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

واذ قلتم یموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصّاعقۃ وانتم تنظرون ٥ ثمّ بعثنٰکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون ٥ (بقرہ)۔ (اے بنی اسرائیل! اوس واقعہ کو یاد کرو) جب کہ تم نے کہا تھا اے موسیٰ! ہم آپ پر کبھی ایمان نہ لائیں گے تا آں کہ ہم اللہ کو علانیہ نہ دیکھ لیں

محمول نہ کیا جائے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ۔

یہ کہتے ہی تم پر دیکھتے دیکھتے بجلی گری تھی (جس سے تم سب فنا ہو گئے) پھر ہم نے (تم پر یہ احسان کیا کہ) تمہارے مرنے کے بعد (دوبارہ) اٹھایا تاکہ تم شکر گزار رہو۔" دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا کیا قدر و قیمت رکھتا ہے؟ خوش نصیب ہیں وہ اہل ایمان جن کی صفت ہے یؤمنون بالغیب ان کو خوش خبری سنائی گئی۔ سترون ربکم۔ تم عنقریب اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔" (بخاری) حضرت موسیٰؑ کی برکت تھی کہ بنی اسرائیل دوبارہ زندہ کئے گئے۔ توبہ کی۔ ایمان لائے۔ مگر دیدار (اللہ اکبر) مر کر زندہ ہونے پر بھی نصیب نہ ہوا یا کیا صورت تھی واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے بھی عرض کیا:۔ رب ارنی انظر الیک۔ میرے پروردگار اپنے آپ کو مجھے دکھایئے ایک نظر آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" آپ نے کوئی شرط نہیں لگائی۔ ادب ملحوظ رکھا۔ ارشاد ہوا۔ موسیٰ! کوئی ہم کو دیکھے اور زندہ رہے یہ نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ نے عرض کیا:۔ الٰہی! دیکھ کر مر جانا میرے نزدیک دیکھ کر زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے (ابوالشیخ عن ابن عباسؓ، ابن مردویہ عن مجاہد) ارشاد ہوا:۔ لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی۔ (موسیٰ!) ہم کو تم یوں کبھی

دیکھنا جو مروی ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت اور سیاق کلام باری کے بھی مطابق ہے اس کے انکار کی ضرورت نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شک جبرئیل علیہ السلام کو اون کی اصلی صورت میں دیکھا۔

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ۔

دیکھ نہ سکو گے۔ اچھا تو پہاڑ کو دیکھو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہے تو ہم کو اوس وقت تم دیکھ سکو گے"۔ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد موسیٰؑ کو بھلاپے میں ڈالنے کے لئے تھا۔ کیوں کہ آپؑ کی حیات طیبہ منظور تھی اگر وہ راست طور پر دیکھتے رہتے تو جاں بحق ہو جاتے۔ فلما تجلّی ربّہ للجبل جعلہ دکّا وخرّ موسی صعقا۔ جب آپ کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو وہ چور چور ہو گیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے"۔ فلمّا افاق قال سبحانک انّی تبت الیک وانا اوّل المؤمنین۔ (ایک ہفتہ کے بعد) جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو عرض کیا آپ کی ذات پاک ہے میں نے آپ کی جناب میں توبہ کی اور میں (اس مسئلہ پر) سب سے اول ایمان لایا"۔ دیگر امور پر تو سب کا ایمان تھا۔ زندگی بخیر منظور تھی اس کی تفصیل سورۂ اعراف میں لکھی جائے گی۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی نظر مبارک اس کے بعد کسی پر پڑ جاتی تو وہ ہلاک ہو جاتا آپ مقنع ڈالنے لگے۔ بصارت اتنی تیز ہو گئی تھی کہ تیس میل سے چیونٹی نظر آجاتی۔ (باقی)

یہ شرف بھی بجائے خود امتیازی شان رکھتا ہے کہ دوسرے انبیا و رسل

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: — لاتخیّرونی من بین الانبیآء فانّ النّاس یصعقون یوم القیامۃ فاکون اوّل من یفیق فاذا موسیٰ آخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقۃ الطّور مجھے اور انبیاء علیہم السلام سے بہتر نہ بتایا کرو کیوں کہ قیامت میں جب سب لوگ بے ہوش ہوجائینگے تو سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اوس وقت موسیٰ عرش کا پایہ تھامے ہوں گے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے ہوش میں آئے یا صعقۂ طور کے باعث اس دن وہ بیہوش ہی نہیں ہوئے"۔ اگرچہ حضورؐ نے تواضعاً فرمایا لیکن پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ لذت آشنا تھے جبھی تو نمازوں کی تخفیف کے سلسلہ میں بار بار حضورؐ اکرم کو مشورہ دیکر دیدار الہٰی کے مزے جمال مصطفویؐ کے ذریعہ لے رہے تھے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے: ؎

وانّما السّرّ فی موسیٰ یردّدہٗ لیجتلی حسن لیلیٰ حین یشھدہٗ

یبدو سناھا علی وجہ الرسول فیا للہ درّ رسول حین یشھدہٗ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیدار الہٰی سے متعلق کوئی درخواست نہ فرمائی ثمرہ یہ حاصل ہوا کہ یاد کرکے وہ شرف بخشا گیا کہ آپ فرماتے تھے: — من رأنی فقد رأی الحق۔ احمد مرحوم

علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ شرف حاصل نہ تھا مگر وہاں جو کچھ مشاہدہ فرمایا اوس کو رویت جبرئیل پر حصر نہ کیا جائے۔ جبرئیل علیہ السلام کو بھی دیکھا۔ اور آیات کبریٰ (جنت، دوزخ، سدرۃ المنتہیٰ، رفرف، عرش اعظم بیت المعمور، انبیا و رسل اولوالعزم، لامکاں، وراء الوریٰ وغیرہ وغیرہ) بھی مشاہدہ مبارک میں آئے اور اس کے علاوہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کے دیدار با انوار سے بھی مشرف و ممتاز ہوئے۔ یہی مذہب اہل حق (اہل السنۃ والجماعۃ) کا ہے۔

بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ۔

بے دیکھے ایمان لائی۔ اون کو حبیب پاک نے یہ مژدہ سنایا:۔ طوبیٰ لمن رأنی۔ او رأی من رأنی خوشی ہو اوس کو جس نے مجھے دیکھا۔ یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ یہ سلسلہ تابعین کرام پر ختم نہ سمجھا جائے بلکہ تاقیامت جاری ہے۔ اور قیامت میں کیا ہوگا اوس کو حدیث شریف ستراون ربکم میں بیان فرمادیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ استاذ محترم حضرت علامہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ خاں علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں ؎

کلیم مدہوش لن ترانی حبیب مامور من رأنی

بمرتبہ فرق درمیانی از انست ظاہر چناں کہ دانی

مگر یہ عام رویت نہیں جس میں رائی (دیکھنے والے) کا مرئی (دکھائی دینے والے) کے مقابل ہونا معینہ فاصلے پر ہونا اور رائی کی آنکھوں کی شعاعیں مرئی پر پڑنا وغیرہ مشروط ہیں۔ بلکہ یہ رویت بے کیف ہے اوس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔ فاصلہ مقابلہ اور جہت سے منزہ ہے۔ اس اعتبار سے جس قدر روایات اس باب میں ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ درست ہیں اون میں اختلاف اور تضاد نام کو نہیں۔ اور یہ تقریر قرآن کریم کے سیاق کے بھی عین مطابق ہے۔ کیوں کہ ارشاد ہوا ہے:۔ "ماکذب الفؤاد ما رأیٰ" یہاں رأیٰ کا فاعل ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فؤاد مبارک یا بصر مبارک ہر ایک کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ معنی یوں ہوں گے کہ حضورؐ نے جو کچھ مشاہدہ فرمایا دل نے اوس کی تصدیق کی۔ یا یہ کہ دل نے جو جو دیکھا دل نے اوس کی تصدیق کی۔ یا یہ کہ آنکھوں نے جو دیکھا دل نے اوس کی تصدیق کی۔ مگر "جو دیکھا" سے کیا مراد ہے؟ کیا دیکھا؟؟ اس کو جب مبہم رکھا گیا ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب کچھ دیکھا۔ ما رأیٰ میں لفظ ما اسم موصول عام ہے جو حسب قواعد عربیت اپنے عموم پر

قائم ہے۔ باری تعالیٰ شانہ کی رویت بھی اسی عموم میں مستتر اور مندرج ہے۔ جس طرح " فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ میں گزرا خواہ وحی بواسطہ جبرئیلؑ ہو یا راست رب العزت وحی فرمائے خواہ اس وحی کی کسی کو اطلاع دی جائے یا نہ دی جائے یہ سب ما اوحیٰ میں داخل وشامل ہے۔ اسی طرح ما رأیٰ سے یہ مراد ہوگی کہ سب کچھ دیکھا۔

رُویتِ عینی و قلبی یہ رویت دل سے تھی یا چشم سر سے؟ اس کے متعلق بھی متعدد روایات ہیں۔ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: — رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربّہ بقلبہ ولم یرہ ببصرہ (نسائی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے قلب مبارک سے دیکھا۔ بصر مبارک سے نہیں دیکھا۔" ابو العالیہ نے کہا: — رأہ بفؤادہ ولم یرہ بعینہ (عبد بن حمید، ابن جریر)۔ رب العزت کو آپ نے فواد مبارک سے دیکھا چشمان مبارک سے نہیں مشاہدہ فرمایا۔" مجاہد کہتے ہیں: — قد رأ ہا محمد بقلبہ ورأی ربّہ (بیہقی، آدم بن ایاس) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیات کبریٰ کا مشاہدہ قلب مبارک سے

فرمایا اور اپنے پروردگار کو بھی (دل سے) دیکھا" محمد بن کعب بعض صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! هل رأیت ربّك۔ یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا تو فرمایا :۔ لم اره بعینی ورأیته بفؤادی مرّتین (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) میں نے اپنی آنکھوں سے رب العزت کو نہیں دیکھا۔ البتہ اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا" ابو صالح کہتے ہیں :۔ رأه مرّتین بفؤاده (عبد بن حمید، ابن جریر) آپ نے (پروردگار کو) دو دفعہ اپنے فؤاد سے دیکھا"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :۔ انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم رأی ربّه بعینه (ابن مردویہ)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو اپنی چشم مبارک سے دیکھا" آپ کی دوسری روایت میں ہے :۔ انّ محمّدا رأی ربّه مرّتین مرّة ببصره ومرّة بفؤاده (طبرانی، ابن مردویہ)۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو یقیناً دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ اپنی بصر مبارک سے اور ایک دفعہ اپنے فؤاد مبارک سے"

یہ روایات بھی بظاہر مختلف معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے:۔

فجعل نور بصری فی فؤادی فنظرت الیہ بفؤادی (ابن جریر)

میری بصارت کا نور میرے دل میں منتقل کیا گیا لہذا میں نے پروردگار کو اپنے دل سے دیکھا یعنی بصارت اور بصیرت دونوں سے دیکھا۔" اس روایت کے بعد مذکورہ بالا تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں آنکھوں سے دیکھنا' یا دل سے دیکھنا مذکور ہے اور جن روایات میں دل سے دیکھنا اور آنکھوں سے نہ دیکھنا آیا ہے اون کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ فقط آنکھوں سے نہ دیکھا بلکہ چشم مبارک اور قلب مبارک دونوں لطف اندوز ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ما کذب الفؤاد ما رأی بھی ارشاد ہوا جس میں رویتہ قلبی کی طرف اشارہ ہے اور ما زاغ البصر وما طغی بھی فرمایا گیا جس میں رویتہ عینی کی جانب ایما فرمایا گیا ہے۔ نظامی گنجوی فرماتے ہیں:۔

کلام سرمدی بے نقل بشنید　　خداوند جہاں را بے جہت دید

دراں دیدن کہ حیرت حالش بود دلش در چشم و چشمش در دلش بود

رویت کی تفصیل

اس رویت کی تفصیل میں بھی روایات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ نے کہا:۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی فی احسن صورۃ فقال لی یا محمد ھل تدری فیم یختصم الملأ الاعلی فقلت لا یا رب فوضع یدہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ما فی السماء والارض فقلت یا رب فی الدرجات والکفارات ونقل الاقدام الی الجماعات وانتظار الصلاۃ بعد الصلاۃ (ابن جریر) ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا مجھ سے فرمایا اے محمد! جانتے ہو کہ ملأ اعلیٰ کن چیزوں (کے لیے، لکھنے اور ہماری جناب میں پیش کرنے) میں مسابقت کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ پروردگار! میں نہیں جانتا۔ اس پر ید قدرت (پیٹھ کی طرف سے) میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے کے درمیان (سامنے سے) پائی۔ پھر (کیا تھا کہ) آسمان و زمین کی تمام باتیں مجھ پر کھل گئیں۔ میں نے

عرض کیا۔ پروردگار! ملأ اعلیٰ کی مسابقت' درجات و کفارات میں ہوتی ہے۔ یعنی جب بندے مدارج عالیہ حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اون کی اس سعی کو لکھنے اور آپ کی جناب میں پیش کرنے کے لئے فرشتے باہم مسابقت کرتے ہیں ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ خود لکھے اور جناب باری میں پیش کرے اسی طرح جب بندے کفارہ ادا کرتے ہیں یا جماعتوں میں شریک ہونے کے لئے اپنے قدم اوٹھاتے ہیں اور ایک نماز ادا کرنے کے بعد' دوسری نماز پڑھنے کے منتظر رہتے ہیں تو فرشتے ان چیزوں کو خود پیش کرنے کے لئے کشمکش کرتے ہیں۔"

فقلت یا ربّ انك اتّخذت ابراهیم خلیلا وکلّمت موسی تکلیما و فعلت و فعلت۔ پھر میں نے عرض کیا پروردگار! آپ نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اور موسیٰؑ سے ہم کلام ہوکر کلیم بنایا۔ اور فلاں کو یہ شرف بخشا اور فلاں کی یہ شان بڑھائی۔"

فقال الم اشرح لك صدرك الم اضع عنك وزرك الم افعل بك الم افعل فافضی الی اشیاء لم یؤذن لی ان احدّ ثکموها ارشاد فرمایا:- کیا میں نے آپ کا شرح صدر نہ کیا۔

کیا آپ سے آپ کا بوجھ نہ اُتارا۔ کیا آپ کے ساتھ یہ نہ کیا اور کیا آپ کے ساتھ وہ نہ کیا۔ چنانچہ اتنے فضائل گنائے جن کو تمہارے آگے بیان کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی "۔ یعنی شرح صدر اور وضع وزر کے علاوہ اور بھی فضائل ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے مثلاً "ورفعنا لك ذكرك" اور "الم يجدك يتيما فاوٰى ووجدك ضالاً فهدى ووجدك عائلاً فاغنىٰ"۔ نیز آیہ سابقہ ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ وغیرہ اور بعض وہ فضائل ہیں جن کو رب العزت نے بیان تو فرما دیا مگر اون کے اظہار کی اجازت نہ دی۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میں نے پوچھا هل رأى محمدٌ ربه قال نعم رأه كأن قدميه على خضرة دونه ستر من لؤلؤ۔ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا؟ تو فرمایا ہاں دیکھا گویا کہ اوس کے قدم سبزے پر ہیں جس کے آگے موتیوں کا حجاب ہے "۔ یہاں قدمیہ کی صراحت ہے اسی طرح جیسی کہ آیہ کریمہ " یوم یکشف عن ساق و

یدعون الی السجود" میں لفظ ساق وارد ہوا ہے۔ یعنی اوس دن کو یاد کرو جس دن پروردگار عالم اپنی ساق کو ظاہر فرمائیگا اور سب لوگ سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے"۔ ساق پر بلاکیف ایمان لانے کا حکم ہے۔ قدمیہ پر بھی بلاکیف ایمان لانا چاہیئے۔

عکرمہ کہتے ہیں:۔ فقلت یا اباعبّاس الیس یقول اللہ لا تدرکہ الابصار قال لا امّ لك ذاك نورہ الّذی ھو نورہٗ اذا تجلّی بنورہ لا یدرکہ شیئ (بیہقی فی الاسماء والصفات) میں نے عرض کیا اے اباعباس! (یہ حضرت ابن عباسؓ کی کنیت ہے) کیا اللہ سبحانہ کا ارشاد نہیں ہے کہ بصارتیں اوس کا ادراک نہیں کرسکتیں؟ تو فرمایا تیری ماں مرجائے (یہ پیار کا کلمہ ہے) وہ نور بحت ہے جب اوس نور کی تجلی ہو تو کوئی چیز اوس کا ادراک نہیں کرسکتی" مطلب یہ کہ یہاں تو تجلی قدمین کی صفت میں ہوئی تھی۔ یہ صورت اور ہے۔

محدثین نے اس روایت کو ضعیف تبلایا ہے۔ وجہ ضعف غالباً لفظ قدمیہ ہے لیکن اس کی تائید جب نصّ قطعی سے ہوتی ہے اور روایات بالا بھی موئید ہیں تو ضعف باقی نہیں رہتا۔

ابو العالیہ کہتے ہیں :۔ سئل رسول اللہ علیہ وسلّم ھل رأیت ربّك قال رأیت نھرا و رأیت وراء النّھر حجابا و رأیت وراء الحجاب نورا الم ارہ غیر ذلك (ابن منذر، ابن ابی حاتم)۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ پروردگار کا آپ نے مشاہدہ فرمایا؟ تو ارشاد ہوا میں نے ایک نہر دیکھی اور اس نہر کے پیچھے ایک حجاب دیکھا، اور اس حجاب کے پیچھے نور دیکھا۔ اس کے سوا کچھ اور نہ دیکھا۔"

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ سالت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ھل رأیت ربّك قال نورٌ انّیٰ أراہ (مسلم، ترمذی، ابن مردویہ) میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا؟ فرمایا (وہ) نور ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں۔" لیکن امام ابوعبداللہ مازری کی روایت یوں ہے :۔ نورٌ انّیٓ أراہ ۔ میں پروردگار تعالیٰ کو دیکھتا ہوں کہ وہ نورانی ہے۔" اس کی وضاحت حدیث مابعد سے ہوتی ہے :۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں: قلت لابی ذرؓ لو رأیتُ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لسألتُہ ۔ میں نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں دیکھتا ہوتا تو ضرور آپؐ سے (ایک بات) دریافت کرتا ۔ فقال عن ایّ شیئٍ کنتَ تسألہ قال کنتُ أسألہ ھل رأیت ربّک ۔ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "آں حضرتؐ سے تم کیا بات دریافت کرتے ہوتے؟ کہا میں آپؐ سے یہ دریافت کرتا کہ کیا حضورؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا؟ فقال ابوذرؓ قد سألتُہ فقال رأیت نوراً (مسلم، ابن مردویہ) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ بات آں حضرتؐ سے دریافت کرلی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے نور دیکھا "

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس باب میں جو پہلی روایت آئی ہے کہ نورٌ انّیٰ أراہ یہاں نور سے نور مجرّد مراد ہے جس کے مشاہدہ کی کسی میں تاب نہیں اس لئے اوس کی رویت کی نفی کی گئی ہے اس کی مزید وضاحت عکرمہ کی روایت میں آگے آئے گی ۔ اور دوسری روایت جس میں رأیت نوراً وارد ہوا ہے یہاں قابل مشاہدہ نور مراد ہے

جس کی صراحت ابوالعالیہ کی روایت میں گزری۔ لہٰذا ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں نیز امام مازری کی روایت نورانیؑ اراہ سے بھی یہی قابل مشاہدہ نور مراد ہے۔ بہرحال رویت باری تعالیٰ جو معراج میں ہوئی اوس کی نسبت اس قدر کثیر احادیث شریفہ موجود ہیں اس کے مقابل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت عموماً پیش کی جاتی ہے:۔ قال مسروق فدخلت علی عائشۃ فقلت هل رأى محمد ربه فقالت لقد تكلمت بشيء قف له شعري قلت رويدا ثم قرأت لقد رأى من آيات ربه الكبرى قالت اين يذهب بك انما هو جبريل من اخبرك ان محمدا رأى ربه او كتم شيئا مما امر به او يعلم الخمس التي قال الله ان الله عنده علم الساعة الآية فقد اعظم الفرية ولكنه رأى جبريل لم يره في صورته الا مرتين مرة عند سدرة المنتهى ومرة عند جياد له ستمائة جناح قد سد الافق (بخاری شریف) مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوکر پوچھا۔ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کا مشاہدہ فرمایا؟ تو کہنے لگیں کہ

تم نے ایسی بات کہی جس کو سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے
عرض کیا مجھے مہلت دیجئے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لقد رأی
من آیات ربّہ الکبری بیشک آپ نے اپنے پروردگار کی بڑی
نشانیاں دیکھیں"۔ اس پر فرمانے لگیں تم کو یہ بات کہاں سے کہاں
لے جا رہی ہے؟ وہ تو جبرئیل تھے۔ جس نے تم کو یہ خبر دی کہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا، یا یہ کہ آپؐ کو
جس چیز کے (پہنچانے کا) حکم دیا گیا تھا آپ نے اوس کو چھپائے
رکھا، یا یہ کہ آپؐ اون پانچ باتوں کو جانتے ہیں جن کی صراحت
اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیۂ کریمہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ .. میں
فرمائی ہے تو یقیناً اوس نے بڑا افترا کیا۔ لیکن آپ نے جبرئیل کو دیکھا
آپ نے اون کو اپنی اصلی صورت میں صرف دو ہی دفعہ دیکھا ہے۔
ایک دفعہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے دیکھا اور دوسری دفعہ مقامِ
"جیاد" کے پاس سے کہ اون کے چھ سو بازو ہیں جس سے سارا
افق بھر گیا ہے"۔

پھر اپنے مذکورۂ بالا بیان کی تائید میں حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائیں۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر یہ بصارتیں اوس کا ادراک و احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ تمام بصارتوں کا ادراک و احاطہ فرمائے ہوئے ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے" مطلب یہ کہ حق جل وعلا چوں کہ لطیف ہے اس لئے انسانی بصارت اوس کا ادراک و احاطہ نہیں کرسکتی۔ اور حق تعالیٰ چوں کہ خبیر ہے اس لئے وہ انسانی بصارتوں کا ادراک و احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔ نیز حضرت صدیقہ رضؓ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: — وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من ورآء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشآء اور کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اوس سے ہم کلام ہو مگر وحی کے ذریعہ سے' یا حجاب کے پیچھے سے' یا رسول بھیجکر' اب وہ رسول حکم پہنچائے اذن الٰہی سے جیسا کہ اللہ چاہے"۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی یہی تین صورتیں ہیں (۱) راست طور پر کوئی وحی کسی پیغمبر پر آتا۔ (۲) اللہ سبحانہ کا پس پردہ ہم کلام ہوتا۔ (۳) فرشتے کو بھیج کر احکام پہنچاتا۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام کو

جو احکام پہنچتے تھے ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوتی تھی اسی بنا پر رویت کی نفی کرنے والے یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ معراج میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خداوند تعالی کو دیکھنا اس سے نہیں ثابت ہوتا۔ البتہ جبرئیل علیہ السلام کو اون کی اصلی صورت میں آپؐ نے دیکھا لیکن جو اصحاب رویت الہی کے قائل ہیں اون کا جواب یہ ہے کہ رویت کے معنی عام ہیں ادراک (احاطہ) کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے اور رویت بلا ادراک (احاطہ) بھی ہوسکتی ہے۔ ادراک (احاطہ) کے ساتھ جو رویت ہوئی وہ رویت جبرئیلؑ تھی۔ اور بلا ادراک (احاطہ) رویت باری تعالی۔

چنانچہ حضرت صدیقہؓ کا یہ قول جب عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا تو فرمایا:— لا امّ لك ذاك نوره الّذی هو نوره اذا تجلّی بنوره لا یدرکه شیئ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی) تیری ماں نہ ہو۔ یہ تو خداوند تعالی کا وہ نور ہے جو نور ہی نور (نور مجرد) ہے جب اس نور (مجرد) کی تجلی ہو تو اوس کا ادراک (احاطہ) کوئی چیز بھی نہیں کرسکتی۔" اب عکرمہ سمجھ گئے کہ حضرت صدیقہؓ اور حضرت

ابن عباسؓ کے اقوال میں تضاد نہیں ہے ہر ایک کا قول بجائے خود درست ہے۔ حضرت صدیقہؓ نور مجرد کی رویت کی نفی فرماتی ہیں حضرت ابن عباسؓ کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ جو رائی ربہ فرماتے ہیں وہ نور مجرد نہیں۔ اور رویت سے آپؐ کی مراد ادراک (احاطہ) نہیں۔ چنانچہ دوسرے موقع پر جب عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بیان کیا تو ایک شخص نے کہا:۔ الیس لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔ کیا اللہ سبحانہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ اوس کا ادراک (احاطہ) ابصار نہیں کر سکتے اور وہ ابصار کا ادراک (احاطہ) فرمائے ہوئے ہے" تو عکرمہ نے جواب دیا: الیس تری السماء قال بلیٰ قال افکلھا تریٰ۔ کیا یہ بات صحیح نہیں کہ تو آسمان کو دیکھ رہا ہے؟ اوس نے کہا کیوں صحیح نہیں؟ تو عکرمہ نے کہا کیا تو پورے آسمان کو دیکھ رہا ہے؟

اسی بنا پر حضرت ابن عباسؓ کے دوسرے شاگرد سعید بن جبیر کہتے ہیں:۔ ما ازعم انہ رآہ وما ازعم انہ لم یرہ (عبد بن حمید) نہ میں یہ دعویٰ کرتا کہ آں حضرتؐ نے باری تعالیٰ کو دیکھا اور نہ یہ دعویٰ کرتا کہ آپؐ نے نہیں دیکھا"۔ عکرمہ کے قول کی وضاحت اس روایت سے

ہوگئی کہ یہاں گنجائش نفی و اثبات دونوں کی ہے۔ نفی بمعنی ادراک (احاطہ) ہے اور اثبات بمعنی مطلق رویت بلا ادراک (احاطہ)؂

کالشمس تمنعك اجتلاءك وجهها
واذا اکتست برقیق غیم امکنا

جیسے آفتاب کہ اوس کو درخشاں دیکھنا تمہارے لئے دشوار ہے
لیکن اگر اوس پر ہلکا سا ابر بھی آجائے تو کچھ بھی دشواری نہیں "

یہ بحث رویت باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔ باقی رویت جبرئیلؑ اوس میں کوئی کلام نہیں خواہ مطلق رویت مراد ہو یا رویت بمعنی ادراک (احاطہ)۔

اس تقریر سے الحمد للہ یہ ثابت ہو گیا کہ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ دیگر آیات کبریٰ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج مبارک میں پروردگار عالم کا مشاہدہ فرمایا اور دولت دیدار سے مشرف ہوئے جو آپؐ ہی کا حصہ تھا اور یہ امتیاز خاص تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں آپ ہی کو حاصل ہوا۔ کیوں نہ ہو آں حضرتؐ کی شان گرامی میں ارشاد ہوا ہے۔ "وکان فضل اللہ علیك عظیما"۔

اے نبی کریم! آپؐ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ کوئی بشر اللہ سبحانہ کو بطور خود نہیں دیکھ سکتا مگر فضل الہٰی کچھ اور ہی ہے فضل الہٰی کے لئے کوئی روک نہیں۔ لا راد لفضلہ۔ اللہ سبحانہ اپنے آپ کو دکھانا چاہے جیسا کہ معراج میں ہوا تو اس میں کوئی امر مانع نہیں۔

یہ تقریر باعتبار منقول تھی۔ اگر بلحاظ معقول دیکھا جائے تو یہ امر قابل غور ہے کہ معراج میں حق تعالیٰ نے آپؐ کو طلب فرمایا۔ اور کیسا اہتمام فرمایا گیا۔ شرح صدر کیا گیا۔ براق لائی گئی۔ بیت المقدس پہنچے تو تمام انبیا علیہم السلام کی امامت کرائی گئی۔ معراج (سیڑھی) رکھی گئی۔ رف رف بھیجا گیا اور ملک و ملکوت کی سیر کرائی گئی اولوالعزم انبیاؑ سے ملاقات ہوئی۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ رک گئے اور حضور اکرمؐ وہاں سے "قاب قوسین او ادنیٰ" تک پہنچے "فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ کی نوبت آئی ان تمام مراتب عالیہ کے طے ہونے کے بعد بھی اگر یوں ہی واپسی عمل میں آئی اور صرف جبریلؑ کو دیکھ کر اور وحی سن کر تشریف لائے تو بات ہی کیا ہوئی۔ رویت جبریلؑ اور نزول وحی کا سلسلہ تو فرش زمین پر بھی جاری تھا۔ اس کی مثال

ایسی ہوئی کہ کسی امیر کبیر یا پادشاہ کے ہاں دعوت تھی سواری بھیج کر بڑی شان سے بلا گیا۔ مہمانی خاطر تواضع تو بہت ہوئی دربارِ خاص میں بھی بلایا گیا عجائب خانہ تک دکھایا گیا مگر بغیر ملاقات کے رخصت کر دیا گیا اس کو دل قبول نہیں کرتا اسی وجہ سے صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں: قال بعضهم رأه بقلبه دون عينه وهذا اخلاف السنة والمذهب الصحيح انه عليه السلام رأى ربه بعين رأسه۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ آپؐ نے آنکھ سے نہیں صرف دل سے مشاہدہ فرمایا مگر یہ قول صریح احادیث کے خلاف ہے۔ مذہب صحیح یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب العزۃ جل جلالہ وعم نوالہ کو چشم سر سے دیکھا۔" چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے:—
رأيت ربي بعيني وبقلبي۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے اپنے ربؐ کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا اور اپنے دل سے بھی۔" (روح البیان)

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ اسراء و معراج کے آغاز میں یہ فرمایا گیا تھا۔ "سبحان الذی اسریٰ بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذی بارکنا حوله لنريه من آياتنا۔"

پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے مختصر سے حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کرائی جس کے اطراف ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ آپؐ کو اپنی (قدرت کی) کچھ نشانیاں بتلائیں"۔ اور اس واقعہ معراج کے آخر پر یہاں یہ فرمایا: — لقد رأیٰ من آیات ربہ الکبریٰ "۔ بے شک آپؐ نے اپنے رب کی چند بڑی نشانیاں دیکھیں"۔ گویا آیات کو دکھانا منظور تھا آیات دکھا دیئے گئے۔ رویت باری تعالیٰ کا اس میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ ان آیات کریمہ کو سمجھنے کے لئے ایک تمثیل بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ دعوت کے رقعہ میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں مجلس میں شرکت فرمائی جائے"۔ شرفاء کا شعار یہی ہے کہ وہ عموماً رقعہ میں معمولی چیز کا ذکر کرتے ہیں لیکن مجلس اسی حد تک محدود نہیں ہوتی۔ داعی اپنی دعوت کے رقعہ میں ہمیشہ اجمال و اختصار ہی سے کام لیتا ہے۔ جو داعی کی عظمتِ شان کی دلیل ہے۔ پھر داعی جس درجہ عظیم الشان ہوگا اور دعوت جتنے اعلیٰ پیمانہ پر ہوگی اتنا ہی اجمال و اختصار کار فرما رہے گا۔ ٹھیک اسی طرح اللہ سبحانہٗ

ما اعظم شانہ کا ارشاد ہوا:۔ "لنریہ من آیاتنا" "تاکہ ہم آپ کو اپنی کچھ نشان دکھائیں" یہ نشان بھی پورے نہیں بلکہ "کچھ" کلمہ من کے حقیقی معنی تبعیض کے ہیں اس پر غور کیجئے کہ یہ کلمہ یہاں کیا لطف دے رہا ہے۔ اسی طرح واقعہ کے ختم پر ارشاد ہوا:۔ من آیات ربہ۔ یہ میزبان کا اخلاقی فریضہ ہے جو بوجہ احسن پورا ہوا۔ مکرم مہمان کا بھی یہ فرض ہے کہ اوس طرف جس قدر اجمال کارفرما تھا اوسی مناسبت سے اوس کی تفصیل و توضیح عمل میں لائے۔ یہی تقاضائے وفاشعاری و پاس گزاری ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کی ہر چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں معراج و اسراء کا واقعہ بہت ہی مختصر طور پر بیان ہوا ہے اور احادیث شریفہ میں ہر ہر چیز کی مکمل توضیح و تشریح موجود ہے اور احادیث شریفہ اس باب میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ جس کسی نے معراج شریف کے واقعات دریافت کئے سائل کی فہم و استعداد کے لحاظ سے جوابات ادا فرمائے گئے صرف رویت کے متعلق جتنے سوالات ہوئے اون کے جوابات جس شرح وبسط سے دئے گئے ہیں اون کا بیان

ہوچکا باقی ابواب کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔ جب یہ حقیقت واضح ہوگئی تو آسانی سے سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ ہر ہر امر کا بیان قرآن کریم میں ہونا ضروری نہیں۔ آخر افلاک پر تشریف لے جانے کا بیان قرآن کریم میں کہاں ہے صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لیجانے کا ذکر ہے یہ دونوں مسجدیں تو زمین ہی پر ہیں۔ سماوات کی سیر حدیث مشہور سے ثابت ہے اسی سے رویت باری تعالیٰ کو بھی سمجھا جا سکتا ہے جس میں اس قدر احادیث شریفہ ہیں کہ بحیثیت مجموعی اون کا درجہ بھی شہرت معنوی کی حد تک پہنچتا ہے قرآن کریم کے اجمال سے امتِ مرحومہ پر اتنا کرم ہوا کہ جو چیز نصّ صریح سے ثابت ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جانا' اس کا منکر شرعاً کافر ہوگا اور جو امور احادیث مشہورہ یا احاد سے ثابت ہیں گو حکماً درجہ شہرت رکھتے ہیں اون کا انکار موجب کفر نہیں قرار پائے گا بلکہ وہ شرعاً فاسق کہلائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یہاں تک ماکذب الفؤاد ما رأی کی تفسیر ہوئی

افتمارونہ علیٰ ما یریٰ کی تفسیر

آگے ارشاد ہے:۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی۔ (معراج میں جو رویت ہوئی اسی میں تم اتنے الجھے ہوئے ہو جو ماضی ہے) وہ تو اب بھی

دیکھ رہے ہیں کیا تم کو اس میں بھی کوئی شک وشبہہ ہے؟" نہ رویت جبریل میں منقطع ہوئی اور نہ رویت باری تعالیٰ میں فرق آیا۔ بخاری شریف حضرت جابرؓ کی روایت ہے جس میں حضور نے فرمایا:۔ لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلّی اللّٰہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ۔ جب قریش نے واقعہ اسرا کو نہ مانا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ پاک نے میرے لئے بیت المقدس کا کشف فرما دیا اب میں نے اوس کو دیکھ دیکھ کر قریش کو ایک ایک نشانی اوس کی بیان کرنی شروع کردی" اس واقعہ کا بیان ہو رہا ہے کہ تم اسرا اور معراج کا انکار کرتے ہو اور شک وشبہہ میں پڑے ہوئے ہو اب تو یہ صورت ہے کہ اگر آپ لحاف میں ہوتے ہیں تو اس حالت میں بھی آپ پر وحی آتی ہے۔ جبریلؑ کو بھی دیکھتے ہیں اور باری تعالیٰ پر بھی نظر ہے۔ بخاری شریف کے باب فضل عائشہؓ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی نسبت حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا:۔ واللّٰہ ما نزل علیّ الوحی وانا فی لحاف امرأۃ منکنّ غیرھا۔ خدا کی قسم! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں تم میں سے کسی عورت کے

لحاف میں ہونے کی حالت میں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہو سوائے عائشہؓ کے"
یعنی میں عائشہ کے لحاف میں بھی ہوتا ہوں تو مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔
مطلب یہ کہ اے قریش! آپؐ کے مشاہدات کا جو اس وقت بھی جاری
ہیں تم کہاں تک اوس میں شک وشبہہ اور بحث وجدال کرتے رہو گے؟
مشاہدہ کا انکار بڑی جسارت اور ہٹ ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔
عارفین فرماتے ہیں:۔ الممنوع من رویۃ الحقّ فی ھٰذہ الدار
انّما ھو عدم معرفتھم لہ والّا فھم یرونہ ولا یعرفون انّہ
ھو علی غیر ما یتحقّق بہ البصر فالخلق حجاب علیہ دائما فانّہ
تعالیٰ جلّ عن التکلیف دنیا واخری فافہم فھم یرونہ
ولا یرونہ واکثر من ھٰذا الا فصاح لا یکون۔ حق تعالیٰ کو از دنیا
میں دیکھنا جو ممتنع کہا جاتا ہے وہ صرف لوگوں کا حق تعالیٰ کو نہ پہچاننا
ہے۔ لوگ اوس کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن پہچان نہیں سکتے کہ یہ وہی ہی
کیوں کہ بصر اوس کا تعقل نہیں کر سکتی۔ لوگوں کا مخلوق ہونا ہی ایک
حجاب ہے جو اوس پر ہمیشہ قائم ہے۔ باقی حق تعالیٰ کے دکھائی دینے
کے لئے تکلیف نہ دنیا میں ہے اور نہ عقبیٰ میں۔ اس کو خوب سمجھو۔

بہر حال یہ لوگ اوس کو دیکھتے بھی ہیں اور نہیں بھی دیکھتے (مثلاً دیکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ ظاہر ہے اور نہیں دیکھتے اس اعتبار سے کہ اوس کو پہچان نہیں سکتے کہ یہ وہی ہے) اب اس سے زیادہ صراحت نہیں کی جا سکتی۔" (روح البیان)

وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰى کی تفسیر

یہ حال عوام کا ہے۔ خواص، خاص الخاص، اخص الخاص اور اخص الاخص کے احوال علی فرق مراتب معرفت جداگانہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ بیان " افتمارونہٗ علی ما یریٰ سے متعلق تھا۔

آگے ارشاد ہے:۔ وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰى۔ اور بے شک آپؐ نے اوس کو دوسری دفعہ اُترنے کے وقت بھی دیکھا" رآہٗ کی ضمیر میں بھی دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جبرئیلؑ کو دیکھا۔ دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کو دیکھا۔ نَزۡلَةً اُخۡرٰى کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ کان للنّبی علیہ الصلوۃ والسّلام فی لیلۃ المعراج عرجات لمسألۃ التّخفیف من اعداد الصّلوات المفروضۃ

فیکون لکل عرجة نزلة ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج میں فرض نمازوں کی تخفیف کے لئے کئی دفعہ عروج ہوتا رہا اور (ظاہر ہے کہ) ہر عروج کے لئے نزول لازم ہے۔" بس اس سلسلہ نزول میں جبرئیل یا حق تعالیٰ کو آپ نے دیکھا۔

عِندَ سِدرَةِ المُنتَهیٰ کی تفسیر

"عِندَ سِدرَةِ المُنتَهیٰ۔" "سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔"

یعنی اوس دیکھنے کے وقت آپ سدرۃ المنتہی کے پاس تھے۔ اور جبرئیل یہیں رک گئے تھے۔ یہیں اون کو اون کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھا۔ اور رب العزت کو بھی یہیں سے دیکھا۔ یہ معنی نہیں کہ رب العزۃ کو سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا نعوذ باللہ منہ ۔ کیوں کہ رب العزۃ کسی مکان اور جگہ سے بالاتر ہے ۔ اس کی مثال بلا تشبیہ ایسی ہی جیسے کوئی کہے کہ میں نے چاند دیکھا ۔ اوس سے پوچھتے ہیں کہ کہاں دیکھا تو وہ جواب دیتا ہے بالاخانہ پر۔ یعنی دیکھنے والا بالاخانہ پر تھا نہ کہ چاند بالاخانہ میں آگیا تھا۔

سِدرَةٌ کے معنی ہیں "بیری کا درخت" امام تفسیر حضرت

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ "ھی شجرۃ طوبیٰ ۔ وہ درخت طوبیٰ ہے۔" گویا ایک ہی درخت کے یہ دو نام ہیں ۔ قول مشہور یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے ۔ احادیث شریفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ اور ایک حدیث شریف جس کی روایت ہمارے امام احمدؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ وغیرہم نے فرمائی ہے یہ ہے کہ وہ چھٹے آسمان پر ہے ان احادیث شریفہ میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ چھٹے آسمان پر اوس کی تنہ ہے اور ساتویں پر اس کی شاخیں ۔ یہ بھی صراحت آئی ہے :۔ نبقھا کقلال ھجر واوراقھا مثل اٰذان الفیلۃ یسیر الراکب فی ظلھا سبعین عاما لا یقطعھا (امام احمدؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ وغیرہم) اوس کی بیریاں قبیلۂ ہجر کے مٹکوں کی طرح، اور اوس کے پتّے ہاتھی کے کان کی مانند، اگر کوئی (تیز رو گھوڑے پر) سوار ہو کر ستر سال تک اوس کے سایہ میں (ایک طرف سے دوسری طرف مسلسل) گھوڑا دوڑاتا رہے تب بھی اوس کو طے نہیں کر سکتا" اور حاکم کی روایت صحیحہ میں سو سال وارد ہوئے ہیں " یہ درخت عرش اعظم کی داہنی جانب ہے ۔ بیری کے درخت کی خصوصیات

یہ ہیں :۔ ظلّ مدید، وطعام لذیذ، ورائحۃ ذکیۃ۔ پھیلا ہوا گھنا سایہ اور خوش ذائقہ خوراک اور پاکیزہ خوشبو۔ اس میں ایمان کی مشابہت ہے جو کلمہ طیبہ اور عمل صالح اور نیت صادقہ کا مجموعہ ہے۔ اوس کا سایہ بمنزلہ عمل ہے سایہ جس طرح دور دور تک پھیلا ہوتا ہے۔ اسی طرح دائرۂ عمل بھی وسیع ہے۔ اور ذائقہ بمنزلہ نیت ہے یہ دونوں پوشیدہ ہیں۔ اور خوشبو جو مہکتی رہتی ہے وہ بمنزلہ کلمہ طیبہ ہے جو ہمیشہ زبان پر جاری رہتا ہے بہرحال کلمہ اور خوشبو ظاہر ہیں اور نیت و ذائقہ باطن، اور عمل و سایہ اوس کے نتائج و اثرات ہیں۔

حدیث شریف میں ہے :۔ من قطع سدرۃ صوّب اللہ رأسہٗ فی النّار (ابوداؤد) جس نے بیری کا درخت کاٹ دیا اللہ اوس کا سر دوزخ میں جھکا دیگا۔ یہ اس لئے کہ اس کے سایہ میں رہرو و مسافر اور جانور وغیرہ پناہ لیتے ہیں۔ اگر کوئی ناحق اس کو کاٹ دے تو یہ اوس کی سزا ہے۔

"المنتھیٰ" جہاں ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ کی نسبت حسب ذیل روایات ہیں :۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ۔ لمّا اسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم انتھی بہ الی سدرۃ المنتھیٰ وھی فی السّماء السّادسۃ الیھا ینتھی ما یعرج من الارواح فیقبض منھا والیھا ینتھی ما یھبط بہ من فوقھا فیقبض منھا۔

(امام احمد، عبد بن حمید، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب افلاک کی سیر کرائی گئی تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا۔ یہ چھٹے آسمان میں ہے جس قدر ارواح صعود کرتے ہیں یہیں تک جاکر رک جاتے ہیں پھر اُن پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اور جو احکام وغیرہ اس کے اوپر سے نازل ہوتے ہیں وہ بھی یہیں تک آکر رک جاتے ہیں پھر اون پر قبضہ کر لیا جاتا ہے" ارواح پر فرشتے قبضہ کرکے رب العزۃ کے حضور میں پیش کرتے ہیں اوسی طرح احکام الٰہی کو فرشتے لے کر بندوں پر اتارتے ہیں۔ یہاں نیک لوگوں کی ارواح مراد ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ۔ الیھا ینتھی علم کلّ عالم وما وراءھا لا یعلمہ الّا اللہ (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم)

یہیں تک ہر عالم کے علم کی رسائی ہے اور اس سے اوپر کا علم اللہ سبحانہ کے سوا کسی کو نہیں "۔

ضحاک کہتے ہیں: ۔ ینتھی الیھا کلّ شیئ من امر اللہ لا یعدوھا (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید) ہر چیز حکم الٰہی سے یہیں رک جاتی ہے اوس سے آگے بڑھ نہیں سکتی "۔

کعب احبار نے فرمایا: ۔ انّھا سدرۃ فی اصل العرش الیھا ینتھی علم کلّ عالم ملک مقرب او نبیّ مرسل ما خلفھا غیب لا یعلمہ الّا اللہ تعالٰی ۔ (ابن جریر) وہ بیری کا درخت ہے جو عرش اعظم کی تہ میں ہے ۔ ہر عالم کا علم یہیں تک ختم ہو جاتا ہے خواہ وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل، اوس کے پیچھے عالم غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا "۔ ابن ابی شیبہ کی روایات بھی اسی کے قریب قریب ہیں ۔

فرشتوں کا مستقر یہی ہے ۔ اسی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام یہاں ٹھہر گئے ۔ اور فرمایا: ۔ لو دنوت انملۃ لاحترقت ۔ اگر اس سے ایک انگل بھی آگے بڑھتا ہوں تو جل جاؤں گا "۔

یہ روایت بھی کعب احبار کی ہے :۔

ینتھی الیھا ارواح الشھداء۔ (ربیع بن انس) شہدا کی روحیں یہیں ٹھرتی ہیں۔"

ینتھی الیھا ارواح المؤمنین۔ (قتادہ) اہل ایمان کی روحیں یہیں پر رُک جاتی ہیں۔"

ینتھی الیھا کلّ من کان علی سنّۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ومنھاجہا۔ (حضرت سیدنا علی رضی اللّٰہ عنہ وربیع بن انس) جو کوئی حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپؐ کے طریقہ پر قائم ہو اوس کی رسائی یہاں تک ہوتی ہے۔"

ھی شجرۃ علی رؤس حملۃ العرش الیھا ینتھی علم الخلائق۔ (کعب احبار) سدرہ ایک درخت ہے حاملان عرش کے سروں پر مخلوق کا علم بس یہیں تک ہے۔"

ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے دریافت کیا کہ سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ اونھوں نے کہا:۔ سدرۃ ینتھی الیھا علم الملائکۃ وعندھا یجدون امر اللّٰہ لا یجاوزھا علم۔

(ابن ابی شیبہ) وہ ایک بیری کا درخت ہے فرشتوں کا علم وہیں تک محدود رہتا ہے اور اون کو احکام الٰہی بھی وہیں ملتے ہیں کوئی علم (اور کسی کا علم) اوس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔" سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں مجاہد کہتے ہیں:۔ اوّل یوم من الاٰخرۃ وآخر یوم من الدّنیا فھو حیث ینتھی (ابن ابی شیبہ) وہ (سدرۃ المنتہیٰ) عالم آخرت کا پہلا دن ہی جہاں دنیا کا آخری دن ختم ہوتا ہے۔"

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس کی رسائی یہاں تک ہوئی خواہ وہ خود یہاں تک پہنچے یا اوس کی روح کا یہ مستقر قرار پائے یا اوس کا علم یہاں تک منتہی ہو وہ عزت وتکریم کی انتہائی حد (سدرۃ المنتہیٰ) تک پہنچ گیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس سے بھی آگے ترقی فرمائی جہاں جبریلؑ کے بھی پر جلتے ہیں تو آپؐ کی عظمت ورفعت کا کیا پوچھنا۔ ع۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ شاعر قدسی:۔

شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت
بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبیؑ

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى کی تفسیر	"عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى"

اوسی (سدرۃ المنتھیٰ) کے پاس جنّۃ الماوی ہے۔" حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ التی یأوی الیھا المتقون یوم القیامۃ ۔ یہ وہی جنت ہے جہاں متّقین قیامت کے دن پناہ لیں گے۔"

اہل علم جو اس امر کے قائل ہیں کہ جنت آسمان پر ہے وہ اسی آیۂ کریمہ سے استدلال کرتے ہیں جس میں تبلایا گیا ہے کہ جنّۃ الماویٰ سدرۃ المنتھیٰ کے پاس ہے کیوں کہ وہ ساتویں آسمان پر عرش اعظم کی داہنی جانب ہے۔ تمام انہار کا منبع وہی ہے۔

ابن عباسؓ اور قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ ھی جنّۃ تأوی الیھا ارواح الشّھداء ولیست بالتی وعد المتقون ۔ یہ وہ جنت ہے جہاں شہدا کی روحیں پناہ لیتی ہیں یہ وہ جنت نہیں ہے جس کا وعدہ متقین کو دیا گیا ہے۔" ان دونوں روایات میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ متقین کو اگرچہ شہادت کبری (شہادت فی سبیل اللہ) میسر نہ ہوئی ہو لیکن نفس امارہ کے خلاف ان کا جو مجاہدہ رہا حدیث شریف میں اوس کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے۔ اون کا یہ مجاہدہ آخر وقت تک رہا ہی میں وہ فنا ہوئے اس لئے اون کو مرتبۂ شہادت ملا اور جنت الماوی اون کا مقام قرار پایا۔ شہادت صغریٰ بھی

اسی میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک قول یہ ہے :۔ ھی جنّۃ تأوی الیھا الملائکۃ علیھم السلام۔
یہ وہ جنت ہے جہاں ملائکہ کرام علیہم السلام پناہ لیتے ہیں" مگر یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ ملائکہ کو جنت سے کیا واسطہ؟۔ اون کی نعمتوں، اطعمہ، ثمرات، حور و قصور، لذات وغیرہ اون کے حق میں کس کام کے ہیں ؟

کعب احبار کہتے ہیں :۔ جنّۃ فیھا طیر خضر ترقی فیھا ارواح الشّھدۃ
(ابن ابی شیبہ) جنت الماوی وہ جنت ہے جس میں صرف سبز پرندے رہتے ہیں۔ شہدا کی روحیں اون میں داخل ہو کر ترقی کرتی رہتی ہیں"

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی کی تفسیر

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی "جب کہ سدرۃ المنتہٰی پر چھا جانے والی چیزیں چھا رہی تھیں"

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ فراش من ذھب۔
(امام احمد، عبد بن حمید، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی) وہ طلائی پروانے تھے"

حضرت انس فرماتے ہیں :۔ قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انتھیت الی السّدرۃ فاذا نبقھا مثل الجراد واذا ورقھا مثل

آذان الفیلۃ فلمّا غشیھا من امر اللّٰہ ما غشیھا تحوّلت یاقوتاً وزمرّداً ونحو ذٰلك۔ (امام احمدؒ، ابن جریر) سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں سدرۃ المنتہٰی پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اوس کی بیریاں ٹڈیوں کی طرح لگی ہوئی ہیں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے مانند ہیں۔ پھر جب حکم الٰہی سے چھانے والی چیزیں اوس پر چھا گئیں تو (اوس کی بیریاں اور پتے) لعل سرخ اور زمرد اخضر اور اس کے مثل جواہرات میں تبدیل ہو گئے"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، رأیتھا حین استبنتھا ثم حال دونھا فراش الذھب (حکیم ترمذیؒ ابو یعلی) حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میں نے سدرۃ المنتہٰی کو دیکھا جب کہ اوس کو نمایاں پایا۔ پھر طلائی پروانے میرے اور اوس کے درمیان حائل ہو گئے"۔ مطلب یہ کہ پروانے اس کثرت سے آ گئے کہ اس کے بعد شجرۂ سدرہ چھپ گیا۔ پروانے ہی پروانے نظر آتے تھے۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے جس کو عبد بن حمیدؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے بیان کیا ہے کہ یہ سب فرشتے تھے"۔

مجاہد کہتے ہیں :۔ كأنّ اغصان السّدرة من لؤلؤ وياقوت ورأها محمّد بقلبه ورأى ربّه ۔(آدم بن ایاس، بیہقی) سدرہ کی شاخیں، موتی اور یاقوت سرخ کی طرح تھیں۔ حضرتؐ کے قلب مبارک نے اسی حالت میں اوس کا مشاہدہ فرمایا اور آپؐ نے اپنے رب کو بھی دیکھا۔"

سلمہ بن وہرام کہتے ہیں :۔ استأذنت الملائكة الرّبّ تبارك و تعالىٰ ان ينظروا الى النّبيّ صلى الله عليه وسلّم فاذن لهم فغشيت الملائكة السّدرة لينظروا الى النبيّ صلى الله عليه وسلم (عبد بن حمید) ملائکہ کرام نے پروردگار تبارک و تعالیٰ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جلوۂ مبارک کو دیکھنے کی اجازت مانگی تو اون کو اجازت مرحمت ہوئی۔ پھر کیا تھا کہ تمام فرشتے آپ کے دیدار مبارک کے لئے سدرۃ المنتہیٰ پر چھاگئے۔"

ایک روایت یہ ہے :۔ ملائكة تغشاها كأنّهم طيور يرتقون اليها متشوّقين متبرّكين بها زائرين كما يزور النّاس الكعبة "اوس پر فرشتے چھارہے تھے گویا کہ وہ پرندے ہیں جو اوس پر کمال شوق و تمنا سے چڑھ رہے ہیں اور اوس سے تبرک حاصل کررہے ہیں۔ زیارت کرنا چاہتے ہیں جیسے لوگ کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کرتے ہیں۔"

یعنی حضور اکرم کو دیکھنے کے لئے سارے ملائکہ کا کمال ذوق وشوق سے سدرۃ المنتہیٰ پر ہجوم تھا۔

حدیث معراج میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔

فلمّا غشیھا من امراللہ تعالی ما غشیھا تغیّرت فما احد من خلق اللہ تعالیٰ یقدر ان ینعتھا من حسنھا۔ حکم الہٰی سے اوس پر چھانے والی چیزیں جب چھا گئیں تو سدر المنتہیٰ کا حال کچھ اور ہی ہوگیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مخلوقات (جن وانس وملائکہ وغیرہم) میں سے کسی کو اس کی قدرت نہ تھی کہ سدرہ کا حسن بیان کر سکے“

کہتے ہیں کہ:۔ یغشاھا انوار اللہ تعالی لانّ النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لمّا وصل الیھا تجلّی ربّہ لھا کما تجلّی للجبل فظھرت الانوار۔ سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے انوار چھا رہے تھے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہاں رونق افروز ہوئے اوس پر پروردگار تعالیٰ کی تجلیات ہونے لگیں جیسا کہ کوہ طور پر ایک تجلی ہوئی تھی۔ یہ اُن مسلسل تجلیات الہٰیہ کے گوناگوں انوار تھے“

یہ سب کچھ سہی مگر واقعہ یہ ہے کہ جبل طور کجا اور شجرہ مبارکہ

سدرۃ المنتہیٰ کجا۔ جبل طور کی نسبت اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
"فلمّا تجلّی ربّہ للجبل جعلہ دکّاً" پروردگار تعالیٰ کی تجلی جب اوس (بلند و بالا طویل و عریض زبردست) پہاڑ پر ہوئی تو بس (ایک ہی تجلی نے) اوس کو چور چور کر دیا۔ اور سدرۃ المنتہیٰ باوصفیکہ وہ منتہیٰ ہی ہوگا نامتناہی تجلیات کا حامل بنا رہا اوس کو جنبش تک نہ ہوئی۔ بلکہ ہر تجلی کے ساتھ اوس کی قوت تحمل میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور اس کے حُسن میں وہ ترقی ہوتی گئی کہ ہر کوئی واصف، خواہ وہ انس ہو یا جن یا فرشتہ، اوس کے بیان حسن سے قاصر ہی رہا۔

پھر حضرت موسیٰ کلیم علیہ التحیتہ والتسلیم پر جو کچھ گزری اوس کی نسبت ارشاد باری ہے:۔ "وخرّ موسیٰ صعقاً" مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ آپؑ ایک ہفتہ تک وہیں بے ہوش پڑے رہے۔ "فلمّا افاق قال سُبحانك انّی تبت الیك" جب افاقہ پایا تو عرض کرنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں اب سے باز آیا۔" مگر نبی اُمّی فداہ ابی و امی، نامتناہی تجلیات کے باوجود بصر مبارک عین ذات پر جمی رہی ارشاد ہو رہا ہے:۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کی تفسیر

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ بصر مبارک نہ تو ترچھی ہوئی یعنی اِدھر اُدھر نہیں گئی ۔ اور نہ حد سے بڑھی‘‘ صلی اللہ علی سیدنا محمد مہبط الاسرار الرحمانیہ ۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمے

اس آیۃ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دیدار الٰہی عالم بیداری میں چشم سر سے ہوا ۔ جب ہی تو ارشاد ہوا ۔ ’’مازاغ البصر وما طغیٰ‘‘ اگر رویت قلبی مراد ہوتی تو مازاغ القلب ارشاد ہوتا ۔ اور اگر عالم خواب مراد ہوتا تو اس میں تعجب ہی کیا تھا ۔ اور کفار مکہ واقعہ معراج کا انکار کیوں کرتے ؟ ؎

در دیدہ کشیدہ کحل مازاغ نے زاغ نگاہ کردنے باغ
میراند براق عرش پرواز تا حجلۂ ناز و پردۂ راز
بس پردہ ز پیش دیدہ برخاست بے پردہ بدید آنچہ دل خواست

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تجلی طور کے بعد تیس میل پر سے چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ امتیاز خاص حاصل تھا کہ جب چاہیں لحاف پاک یا بُرد یمانی ہی میں سے ربّ العزت کا مشاہدہ فرمالیتے ۔ جیسا کہ آیہ کریمہ افتمارونہ علی مایریٰ کی تفسیر میں گزرا

سرور اکرم سے تصریح فرمائی ہے کہ "سبحٰن الذی اسری بعبدہٖ" کی آیۂ کریمہ جو "انّہ ھو السمیع البصیر" پر ختم ہوئی ہے یہاں "انّہ" کی ضمیر حضور اکرمؐ کی طرف راجع ہے اور یہاں سمیع وبصیر سے آپؐ کی ذات اقدس مراد ہے۔ یقیناً چشم سر سے آپ نے مشاہدہ فرمایا اور قلب انور اور آپؐ کی بصیرت والی مبارک آنکھوں نے اس کی تصدیق کی۔ صلّی اللہ علی سیدنا محمدٍ عزیز الحضرۃ الصّمدیہ۔

لَقَدْ رَأٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کی تفسیر

لَقَدْ رَأٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔

بے شک آپؐ نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ فرمائیں[1]۔ رفرفؔ، جبریل، جنت، دوزخ، اولوالعزم انبیا ورسل

---

[1] الرفرف امّا اسم جنس او اسم جمع واحدہ رفرفۃ قیل ھوما تدلّی على الاسرۃ من غالی الثیاب وقیل ھو ضرب من البسط وقیل الوسائد وقیل النمارق وقیل کلّ ثوب عریض رفرف وقیل الاطراف البسط و فضول الفسطاط رفارف اھ ابوالسعود۔ رفرف اسم جنس ہے یا اسم جمع، رفرفۃ

علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات عالیہ سدرۃ المنتہیٰ اور اوس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:

اس کا واحد ہے۔ اس کے کئی معنی ہیں۔ تختوں پر جو قیمتی فرش کیا جاتا ہے اوس کی جھالر۔ ایک قسم کا فرش، تکیے، قالین، عریض کپڑا، فرش کے کناروں اور ڈیروں کے حاشیہ کو بھی رفرف کہتے ہیں۔" امام قرطبی کہتے ہیں:- روی لنا فی حدیث المعراج ان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لمّا بلغ سدرۃ المنتہیٰ جاءہ الرّفرف فتناولہ من جبریل وطاربہ الی العرش فذکر انّہ طاربی یخفضنی ویرفعنی حتّی وقف بی بین یدی ربّی ثمّ لمّا حان الانصراف تناولہ فطاربہ خفضا ورفعا یھوی بہ حتّی ادّاہ الی جبریل صلوات اللّٰہ علیھما وجبریل یبکی ویرفع صوتہ بالتّحمید۔ حدیث معراج کے سلسلہ میں ہم کو یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ پہنچے تو آپ کے ہاں رفرف آیا اور آپ نے اوس کو جبریل علیہ السلام سے لے لیا اور وہ عرش کی سمت آپ کو لے اڑا۔ آپ نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ وہ مجھ کو کبھی پستی کی طرف لے جاتا اور کبھی بلندی پر پہنچاتا یہاں تک کہ مجھے اپنے پروردگار کے روبرو ٹھہرا دیا۔ پھر جب واپسی کا وقت آیا تو آپ نے رفرف کو لے لیا اور وہ اتارتا چڑھاتا لے چلا

چھائے ہوئے انوار و تجلیات، حاملان عرش اور ملائکہ کرام کا جھرمٹ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔

تا آں کہ آپ نے اُس کو جبریل علیہ السلام کے حوالے فرما دیا۔ اوس وقت جبریلؑ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اشکبار تھے۔" والرّفرف خادم من الخدم بين يدي الله تعالى له خواصّ الامور في محلّ الدّنوّ والقرب كما انّ البراق دابّة يركبها الانبياء مخصوصة بذلك في ارضه فهذا الرّفرف الّذي سخّره الله لاهل الجنّة الدّانيتين هو متّكؤهما وفرشهما يرفرف بالوليّ الى حافّات تلك الانهار وشطوطها حيث شاءَ الى خيام ازواجه الخيرات الحسان۔ رفرف بھی خدامان بارگاہ الوہیت میں سے ایک خادم ہے جس سے مقامِ دُنوّ و قرب میں خاص خاص امور متعلق ہیں جس طرح براق انبیاء علیہم السلام کی سواری ہے جو اوس سرزمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ رفرف جس کو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے سے قریب ترین دو جنت والوں کے لئے مسخر و تابع فرما دیا ہے یہی وہاں کی تکیہ گاہ اور فرش کا کام دیتا ہے اور اُس کے ولی امر کو وہاں کی نہروں اور اوس سرزمین کے کناروں تک نیز وہاں کی بیبیوں (خیراتٌ حسان) کے خیموں تک لاتا لیجاتا ہے۔

واللہ اعلم۔ (جمل علی الجلالین)

قدوسیان، کروبیان، ملأ اعلیٰ وغیرہ وغیرہ پر ہی موقوف نہیں بلکہ عجائب ملک وملکوت، عالم غیب، وراء الوراء حتیٰ کہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کا مشاہدہ بھی فرمایا۔ ہم کلام ہوئے اور بار بار مراجعت اور آمدورفت کا سلسلہ رہا۔ کیا بیان کیا جائے کہ کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ ع

دید ہی جو کچھ کہ تھا دیکھا جو سننا تھا سنا

اسی وجہ سے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لقد رأی کے بعد "مجموعاً" مقدر ہے۔ یعنی سب کچھ دیکھا۔ (روح المعانی)۔ اس سے زیادہ قلم میں طاقت جولانی نہیں۔ حضرت پیرو مرشد سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ" کی تفسیر کے ضمن میں چونکہ مزید تشریح "تفسیر والنجم" میں فرمانے کا قصد ظاہر فرمایا تھا۔ اوسی خیال مبارک کی تکمیل میں اپنی سعادت سمجھ کر اپنی علمی بے بضاعتی کے اقرار کے ساتھ کچھ تصریح و تفصیل کی گئی جس کی حیثیت ترجمہ منقول سے زیادہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

ان آیات کریمہ کی تفسیر اور مذکورہ بالا تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے وحی آرہی ہے۔ وحی لانے والے جبریل علیہ السلام ہیں جن کا یہ حال ہے کہ صورت وسیرت، فہم و فراست، حفظ و کیاست وغیرہ

تمام قوتیں حاصل اور ہر ایک وصف میں کامل ہیں۔ پھر آپ سے اس قدر قریب ہو کر وحی پہنچا رہے ہیں کہ ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آنکھوں سے جبریل کو وحی پہنچاتے ہوئے دیکھ رہے ہوں تو دوسری طرف آپ کی بصر مبارک رویت الٰہی سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں اور آپ کا منور اور روشن قلب پاک اس کی تصدیق کر رہا ہے تو کیا ایسی دیکھی بھالی وحی میں دوسروں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ اس خصوص میں فضول بحث اور لاطائل تکرار کریں اور نئیں جھگڑے نکالیں۔ ؎

واذا الم تر الھلال فسلم لاناس راوہ بالابصار

جب ماہ نو د ہلال کو تم نے نہیں دیکھا تو جن لوگوں نے اوس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اوس کو تو کم از کم تسلیم کر لو۔ آسمان پر خاک اڑانے کی کوشش کرو گے تو تمہیں اس میں تو کبھی کامیابی نہ ہو سکے گی۔ البتہ بہت ممکن ہے کہ وہی خاک تمھاری آنکھوں میں پڑے اور تم خود حاصلہ بصارت سے بھی محروم ہو جاؤ۔ جس طرح نور بصیرت سے محروم ہو چکے ہو۔ کفار مکہ جو وحی الٰہی کے منکر تھے اون کی حالت ٹھیک طور پر یہی تھی۔

19. أَفَرَأَيْتُمُ اللاتَ وَالْعُزَّى 20. وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الأُخْرَى 53-19
21. أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الأُنْثَى 22. تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى 23. إِنْ 53-20
هِيَ إِلا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ 53-21
إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ 53-22
الْهُدَى 24. أَمْ لِلإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى 25. فَلِلَّهِ الآخِرَةُ وَالأُولَى

له اصل اللّات الله فحذفوا منها الهاء وادخلوا التّاء فيه و انّثوه تنبيها على قصوره عن الله تعالى وجعلوه مختصّا بما يتقرّب به الى الله تعالى فی زعمهم۔ اللّات، اصل میں اللہ تھا۔ اس کی ھاء کو حذف کر کے تاء تانیث کا اضافہ کیا گیا اور اوس کو صیغہ مؤنث اس لئے بنایا تاکہ معلوم ہو کہ اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے کم ہے۔ یہ لفظ کفار عرب کے زعم میں اوس بت سے مختص ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب ڈھونڈا جائے۔ (مفردات) واختلف فی تاء اللّات فقیل اصلیۃ واصلہ من لات یلیت فالفها عن یاء فان مادّۃ ل ی ت موجودۃ۔ لات کی تاء میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اصلی ہے اس کی اصل لات یلیت ہے اور اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے کیوں کہ اس میں ل ی ت کا مادہ موجود ہے۔" وقیل زائدۃ وھو من لوی یلوی لانهم کانوا یلوون اعناقهم الیها او یلتوون ای یعتکفون علیها واصلہ لویۃ فحذفت لامها فالفها على هذا من واو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زائد ہے اور یہ لوی یلوی سے

إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَآبَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ 53-23

بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ ۖ

(بقیہ حاشیہ سلہ صفحہ گذشتہ)

بنا ہے۔ (جس کے معنی جھکانے اور پیڑھا کرنے کے ہیں) کیوں کہ کفار اس کے آگے اپنی گردنیں جھکاتے تھے یا اوس کے ہاں معتکف رہتے تھے۔ لویۃ اس کی اصل ہے جس کا آخری حرف (یاء) حذف کر دیا گیا وقرأ ابن عباس ومجاهد ومنصور بن المعتمر وابو الجوزاء وابو صالح وابن كثير في رواية بتشديد التاء فقيل هو رجل كان يلت السويق ويطعمه الحاج فهي اسم فاعل في الاصل غلب على هذا الرجل وكان يجلس عند حجر فلما مات سمي الحجر باسمه وعبد من دون الله ۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، منصور بن معتمرؒ، ابوالجوزاؒ، ابو صالحؒ اور ایک روایت میں ابن کثیرؒ نے اس کو تاء کی تشدید سے پڑھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص تھا جو ستو میں (پنیر اور گھی) ملا کر حاجیوں کو کھلاتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ اسم فاعل کا صیغہ ہوا۔ جو شدہ شدہ اس شخص کا نام ہو گیا۔ اور یہ شخص ایک پتھر کے پاس بیٹھا کرتا تھا جب یہ مر گیا تو اوس کا یہ نام اوس پتھر کا رکھ دیا گیا۔ اور بجائے اللہ سبحانہ کے اس کی پرستش ہونے لگی۔ (سمین) اسم صنم قيل كان لثقيف بالطائف قاله قتادة ۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝ 53-24

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝ بھلا دیکھو تو لات اور عزیٰ کو اور تیسری 53-25

(بقیہ حاشیہ لے صفحہ گذشتہ)

وقیل بنخلة وقیل بعکاظ ورجّح ابن عطیة الاول۔ "لات" ایک بُت کا نام ہے جو طائف میں تھا اور قبیلۂ ثقیف اس کی پرستش کرتا تھا۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ یہ مقام نخلہ میں تھا۔ کوئی کہتے ہیں مقام عکاظ میں تھا۔ ابن عطیہ نے قول اول کو ترجیح دی ہے۔ فقیر کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے بعد اس نام کے بت نخلہ اور عکاظ وغیرہ میں بھی بنا لیے گئے ہوں۔ اس لحاظ سے جملہ روایات بجائے خود درست قرار پاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲ے العزّٰی فعلٰی من العزّ وھی تانیث الاعزّ وھی اسم صنم وقیل شجرة کانت تعبد۔ (سین) عزّیٰ بروزن فعلیٰ عزّ سے مشتق ہے جو اعزّ کی تانیث ہے۔ یہ بھی ایک بت کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک درخت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی۔" وقیل العزّٰی اسم اخذہ المشرکون من العزیز۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ میں ایک نام "عزیز" ہے اس سے مشرکین نے ایک نام عزّیٰ اپنے بُت کے لیے تجویز کر لیا تھا۔"

(دیوی منات) کو جو اور ہے۔ کیا تمہارے لیے بیٹے اور اوس کو بیٹیاں

(بہ سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۳ه مناۃ۔ صخرۃ کانت تعبد من دون اللہ قرأ ابن کثیر مناءۃ بھمزۃ مفتوحۃ بعد الالف فاشتقاقھا من النوء وھو المطر لانھم کانوا یستمطرون عندھا الانواء۔ ووزنھا حینئذ مفعلۃ فالفھا منقلبۃ عن واو وھمزتھا اصلیۃ ومیمھا زائدۃ۔ مناۃ ایک پتھر کا نام ہے جس کی پرستش کی جاتی تھی خدا کی عبادت کی بجائے۔ ابن کثیر نے اس کو مَنَاءَۃٌ پڑھا ہے الف کے بعد ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ۔ اس صورت میں اس کا اشتقاق نوء سے ہوگا۔ جس کے معنی بارش یا کارتی کے ہیں۔ کیوں کہ مشرکین یہاں جاکر بارش کی درخواست کرتے تھے۔ لہذا یہ لفظ مَفْعَلَۃٌ کے وزن پر ہوگا۔ اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے۔ اس کا ہمزہ اصلی اور میم زائد ہے۔ واما قراءۃ العامۃ فاشتقاقھا من منی یمنی ای صب لان دماء النسائک کانت تصب عندھا۔ اور قرات عامہ کے لحاظ سے اس کا اشتقاق منی یمنی سے ہے۔ جس کے معنی چھینکنے اور ڈال دینے کے ہیں۔ کیوں کہ قربانی کا خون یہاں بہایا جاتا تھا۔ وقال ابو البقاء والفہ من یاء کقولک منی یمنی اذا قدر

(بقیہ حاشیہ ۳ے صفحہ گذشتہ)

ابو البقا فرماتے ہیں اس کا الف ی سے بدلا ہوا ہے جیسا کہ جب کوئی اقتدار پاتا ہو تو منی بمنی کہتے ہیں'' ویجوز ان تکون من الواو فوزنها علی قراءۃ القصر فعلۃ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا الف واو سے بدلا ہوا ہو۔ اور الف مقصورہ کے ساتھ اس کی قراءت ہو تو اوس کا وزن فَعَلَۃٌ ہوگا۔ (سمین)

ٍ۴ے ضِیْزٰی۔ من ضازہ یضیزہ اذ اضامه وجار علیه فمعنی ضیزی ای جائرۃ وعلی ھذا فتحتمل وجھین احد ھما ان تکون صفۃ ویحتمل ان یکون من ضأزہ بالھمز نقصه ظلما وجورا مصدرا وصف به۔ یعنی ضازہ یضیزہ سے ضِیْزٰی بنا ہے۔ ایسا اوس وقت کہتے ہیں جب کوئی کسی پر ظلم و جور کرتا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ظالمانہ تقسیم ہے'' اس اعتبار سے ضِیْزٰی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ ضأزہ کا مصدر مہموز العین ہے جو قسمۃ کی صفت واقع ہوا ہے'' وقرأ زید بن علی ضَیْزٰی بفتح الضّاد والیاء السّاکنۃ فیحتمل ان تکون مصدرا اوصف به کدعوی و

اور تمہارے باپ دادا نے، اللہ نے تو اس کی کوئی سند نہیں اتاری

(بقیہ حاشیہ ۱۲ صفحہ گذشتہ)

ان تکون صفة کسکریٰ وعطشیٰ۔ (سمین)۔ اور حضرت زید بن علیؓ نے اس کو فتح ضاد اور یائے ساکنہ سے ضَیْزَیٰ پڑھا ہے اس لحاظ سے یہ مصدر ہے بروزن دَعْوَیٰ جو قسمة کی صفت ہے۔ یا یہ کہ یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بروزن سَکْرَیٰ وعَطْشَیٰ وفی المختار ضاز فی الحکم جار وضازہ فیه نقصه وبخسه وبابهما باع۔ اور مختار الصحاح میں ہے کہ کوئی ظلم کرتا ہے تو کہتے ہیں ضاز فی الحکم اور نقصان وکمی کرتا ہے تو ضازہ فیه کہتے ہیں۔ بہر صورت اس کا باب باع یبیع ہے"۔

ؔ تَمَنَّیٰ۔ اَلْمُنَیٰ التقدیر یقال منیٰ لك المانی ای قدّر الله المقدر والتمنّی تقدیر شیٔ فی النفس وتصویرہ فیها وذٰلك قد یکون عن تخمین وظنّ ویکون عن رویّة وبناء علی اصل لکن لما کان اکثرہ عن تخمین صار الکذب له املك فاکثر التمنّی تصوّر مالا حقیقة له قال اَمْ لِلْاِنسان ما تَمَنَّیٰ "وَلَمّا کان الکذب تصوّر ما لاحقیقة له وایرادہ باللفظ صار التمنّی کالمبدء للکذب فصح

یہ تو اپنے اٹکل اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ آچکی اُن کے ہاں

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گذشتہ)

ان یعبّر عن الکذب بالتّمنّی وعلی ذلک ما روی عن عثمان رضی اللّٰہ عنہ ما تغنّیت ولا تمنّیت منذ اسلمت۔ (مفردات) تقدیر اور اندازہ کو "مَنیٰ" کہتے ہیں۔ محاورۂ عرب ہے: ۔ منیٰ لک المانی "اندازہ کرنے والے تمہارا اندازہ کیا" کسی چیز کا اندازہ ٹھہرا لینے اور اوس کی صورت کو ذہن میں لانے کا نام تَمَنّیِ ہے۔ (جس کو اردو میں "تمنّا" کہتے ہیں) یہ تمنا کبھی ظن وتخمین سے ہوتی ہے (کہ ذہن میں یوں ہی کچھ ٹھہرالیا) اور کبھی غور وفکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور وہ تمنا کسی اصل پر مبنی ہوتی ہے لیکن تمنّاچوں کہ عموماً یوں ہی تخمینی ہوتی ہے اس لئے اوس کو جھوٹ سے زیادہ تر تعلق ہوتا ہے اور تمنّا کا اطلاق علی العموم بے حقیقت امور پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰیۤ" کہیں ملتا ہے انسان کو وہ سب کچھ جو اوس کی آرزو ہو" اور "جھوٹ" بھی نام ہے بے حقیقت چیز کا تصور کرنا اور اوس کو زبان پر لانا۔ اس لئے تمنّا گویا جھوٹ کی بنیاد قرار پائی لہٰذا جھوٹ کی تعبیر وتفسیر تمنّا سے درست ہوئی۔ اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد کہ ما تغنّیت ولا تمنّیت منذ اسلمت کے معنی بھی یہی ہیں کہ

اُن کے پروردگار کے پاس سے ہدایت، کہیں ملتا ہے انسان کو (وہ سب کچھ)

جس کی وہ آرزو کرے سوا اللہ ہی کے ہاتھ ہے آخرت اور دنیا۔"

لات و عزّیٰ اور منات کا بیان

لاتؔ و عزّیٰ اور مناۃ بتوں کے نام ہیں جو پتھر سے بنائے گئے تھے۔ جاہلیت میں عرب ان کی پرستش کرتے تھے۔ لاتؔ کی پرستش طائف میں قبیلۂ ثقیف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ سعید بن منصور اور فاکہی نے مجاہد سے

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گذشتہ)

ہیں جب سے مسلمان ہوا نہ کبھی گایا اور نہ کبھی جھوٹ زبان پر لایا۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ اب آیۂ کریمہ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی کے معنی یہ ہوئے کہ کیا انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو وہ اپنے ذہن میں جھوٹ موٹ سوچتا رہتا ہے؟ یہ محض اوس کا خیال خام ہے۔ ہوگا وہی جو منظور رب ہو۔" امام احمد بخاری اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اذا تمنّیٰ احدکم فلینظر ما تمنّیٰ فانّہ لا یدری ما یکتب لہ من امنیّتہ۔" جب تم میں سے کوئی کسی چیز کی تمنا کرے تو اوس کو اپنی تمنا پر غور کر لینا چاہئے کہ کس چیز کی تمنا کی ہے؟ کیوں کہ اوس کو معلوم نہیں کہ اوس کی اس آرزو کے بدلے اوس کے نامۂ اعمال میں کیا لکھا جائے گا؟"

روایت کی ہے آپ نے فرمایا:۔ کانت اللّات رجلا فی الجاھلیۃ علی صخرۃ بالطائف وکان لہ غنم فکان یأخذ من رسلھا و یأخذ من زبیب الطّائف والاقط فیجعل منہ حیسا و یطعم من یمر من النّاس فلمّا مات عبدوہ وقالوا ھو اللّات وکان یقرؤ اللّات مشدّدۃ۔ لات (کی پرستش کی ابتدا یوں ہوئی کہ) ایک شخص جاہلیت میں طائف کی پہاڑیوں کے پاس رہتا تھا اوس کے ہاں بکریاں تھیں۔ وہ اون کا دودھ لیتا اور اوس میں وہیں سے کشمش، منقا اور پنیر شامل کر کے حلوا تیار کرتا اور (مکہ کو حج کے لیے) جانے آنے والوں کی ضیافت کیا کرتا۔ وہ مرگیا تو عرب اوس مقام کے پتھر کی پرستش کرنے لگے وہ کہتے تھے کہ (شخص مذکور اس پتھر میں سما گیا ہے۔) یہ وہی شخص ہے جو مذکورہ حلوا تیار کرتا اور کھلاتا تھا۔ **لاتّ** کے معنی ہیں لُت پُت کرنے والا۔ چنانچہ مجاہد اس لفظ کو مشدّد پڑھتے تھے اللاتّ۔"

عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا:۔ کان اللّاتّ رجلا یلتّ سویق الحاجّ۔ لاتّ ایک شخص تھا جو

حاجیوں کی ضیافت کے لیے ستو تیار کرتا تھا" یعنی ستو کو مذکودہ یا لاحلوے میں ملا کر کھلاتا تھا۔

قبیلۂ ثقیف جو اس کی پرستش کرتا تھا اوس کا ثبوت اس شعر سے ملتا ہے:

وفرّت ثقیف الی لاتھا　بمنقلب الخائب الخاسر

اور ثقیف شکست کھا کر اپنے بُت لات کے پاس بھاگ گئے جیسے کوئی خائب وخاسر ہو کر نامراد بھاگ جاتا ہے" بعض روایات میں بھی اس کی صراحت آئی ہے۔ ابو عبیدہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ بت کعبۃ اللہ شریف میں رکھا ہوا تھا۔ اور بعض اس کا مقام دوسرا بتلاتے ہیں۔ لیکن قول راجح یہی ہے کہ وہ طائف میں تھا۔ ممکن ہے کہ اوس جیسے بت تیار کر کے کعبۃ اللہ شریف اور دیگر مقامات میں بھی رکھ لئے گئے ہوں واللہ اعلم۔

"عُزّٰی" بھی ایک بت کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔ انّ العزّیٰ کانت ببطن نخلۃ۔ (طبرانی، ابن مردویہ) عزّیٰ" قبیلۂ نخلہ میں ایک مورتی تھی" مجاہد کہتے ہیں:۔ والعزّیٰ شجرات۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) عزّی چند درخت تھے"

ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ لما فتح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مکّۃ بعث خالد بن الولید الی نخلۃ وکان بھا العزّٰی فاتاھا خالد وکانت علی ثلاث سمرات فقطع السمرات وھدم البیت الّذی کان علیھا ثمّ اتی النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم فاخبرہ فقال ارجع فانّک لم تصنع شیئا فرجع خالد فلمّا ابصرتہ السّدنۃ وھم حجبتھا امعنوا فی الجبل وھم یقولون یا عزّٰی یا عزّٰی فاتاھا خالد فاذا امرأۃ عریانۃ ناشرۃ شعرھا تحفن التّراب علی رأسھا فعمّمھا بالسّیف حتّی قتلھا ثمّ رجع الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فاخبرہ فقال تلک العزّٰی ۔ (نسائی، ابن مردویہ) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ فتح فرمایا تو خالدؓ بن ولید کو نخلہ کی طرف روانہ فرمایا جہاں ببول کے تین درخت تھے خالدؓ نے وہ درخت کاٹ دئے نیز وہاں جو پرستش کا گھر تھا اوس کو منہدم کر دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر واقعہ عرض کیا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ وہاں دوبارہ جائیں کیوں کہ اصل کام تم نے انجام ہی نہ دیا۔ خالدؓ دوبارہ گئے تو وہاں کے مجاورین جو اوس گھر کے دربان تھے ان کو دیکھ لیا

اور پہاڑ کی طرف غور سے دیکھ کر کہنے لگے :۔ "عزّیٰ عزّیٰ"۔ اتنے میں خالدؓ وہاں پہنچ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک برہنہ عورت جس کے بال بکھرے ہوئے پریشان ہیں اپنے سر پر خاک اُڑا رہی ہے۔ یہ اس پر تلوار چلاتے رہے تاآں کہ اوس کو قتل کر دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں لوٹ کر ماجرا بیان کیا اس پر فرمایا :۔ "وہی تو عزّیٰ تھی"۔

دوسری روایت میں یہ صراحت ہے :۔ فخرجت منھا شیطانۃ وہاں ایک شیطانہ نمودار ہوئی"۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوس کو قتل کرتے وقت یہ شعر پڑھا :۔

یا عزّ کفرانكِ لا سبحانكِ   انّی رأیت اللہ قد اھانكِ

اے "عُزّیٰ" تو اس قابل ہے کہ تیرا انکار کیا جائے۔ اس قابل نہیں کہ تیرے نام کی تسبیح پڑھی جائے۔ میں دیکھ چکا کہ اللہ سبحانہ نے تجھے ذلیل کیا"۔

عزّیٰ کی تباہی کا حال سماعت فرمانے کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا :۔ تلك العزّیٰ ولن تعبد ابداً۔ عزّیٰ وہی ہے۔ آئندہ اس کی پرستش کبھی نہ ہوگی"۔

یہ وہی عزّیٰ ہے کہ غزوۂ احد میں جب زور کا رن پڑا تو ابوسفیان

سرخیلِ مشرکین کبھی تو ہبل کی جے پکار رہا تھا اور "اُعْلُ هُبَلْ اُعْلُ هُبَلْ" بکا جا رہا تھا۔ ہبل بھی ایک بت کا نام تھا۔ اور کبھی کہتا تھا:۔ لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم۔ یعنی مسلمانوں کے مقابلے میں فخریہ کہہ رہا تھا۔ "ہماری مدد کو عزّٰی ہے تم کو عزّٰی نصیب تک نہیں"۔ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ تم اُعْلُ هُبَلْ کا جواب یوں دیا کرو:۔ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلّ ۔ "اللہ سبحانہ کی شان سب سے بلند تر اور بزرگ تر ہے"۔ اور دوسرے فقرے کا جواب یوں دو:۔ اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔ "اللہ پاک ہمارا ناصر و مددگار ہے اور تمہارا کوئی پرسانِ حال نہیں"۔

"مَنٰوۃ" بھی ایک بت کا نام ہے جو مقام "قدید" میں تھا۔ قبیلۂ ہذیل اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے اور اوس و خزرج جو قبائل انصار تھے اور مدینہ میں رہتے تھے وہ بھی زمانۂ جاہلیت میں اس کی پرستش کرتے اور قربانی کے جانور اس کے پاس ذبح کرتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے:۔ "دماء النسائك كانت تمنى عندها اى تراق۔ قربانی کا خون اس کے ہاں بہایا جاتا تھا"۔

اس اعتبار سے منوٰۃ الفِ مقصورہ سے ہوگا۔ ابن کثیر نے اس کو مناءۃ الف ممدودہ سے پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا اشتقاق "نوء" سے ہوگا جس کے معنی بارش یا اوس کی کارتی کے ہیں۔ گویا اس کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی جاتی تھی۔ نعوذ باللہ منہ۔ چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

الاھل اتی تیم بن عبد مناءۃ علی النائی فیما بیننا ابن تمیم

اور "الثالثۃ الاخریٰ" مناۃ کی صفتیں ہیں، جن سے اوس کی ذلت و حقارت ظاہر ہوتی ہے۔ معنی یوں ہوئے کہ اے قریش! کیا تم نے اپنے باطل معبودوں کی بے بسی نہیں دیکھی جو لات وعزیٰ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اور کیا یہ دو تمہاری نادانی کے ثبوت میں کافی نہ تھے جو ان کے ساتھ ایک تیسری دیوی مناۃ کی بھی پرستش کرنے لگے ہو جس کا درجہ خود تمہارے زعم باطل میں لات وعزیٰ کے بعد ہے؟ بھلا ان دیویوں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا شریک نعوذ باللہ منہا کس طرح ٹھہرالیا گیا ہے؟

مطلب یہ ہوا کہ جبرئیلؑ جیسے شدید القویٰ فرشتہ مقبول اور فرشتوں کے رسول کا یہ حال ہے کہ ایسے جاہ وجبروت اور رسائی ملک وملکوت کے باوجود جب وہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہ بڑھ سکے بلکہ وہاں تک

آکر بہ حکم الٰہی رک جاتے ہیں اور ایک انگل آگے بڑھنے میں اپنے پر جل کر خاکستر ہو جانے کا ڈر اون کو لگا ہوا ہے تو تم کو شرمانا چاہیے کہ ایسے بےبس و بےکس بتوں کی پرستش کرنے کا خیال کیوں تمھارے دلوں میں بس گیا اور کیوں کر اون کو خدا کا شریک ٹھہرانے کی تم کو ہمت ہوئی کہ کبھی اون کے آگے جھکتے ہو اور کبھی اون سے اپنے حاجات طلب کرتے ہو۔

مناۃ کی ذلت و حقارت اس وجہ سے بھی ہے کہ لات کے نام سے جو دیوی عرب کے قبیلۂ ثقیف میں پوجی جاتی تھی وہ ایک انسان کی طرف منسوب تھی جو حاجیوں کو ستو وغیرہ کی ضیافت دیا کرتا تھا۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کی بنا پر اس دیوی کا رتبہ بڑا سمجھا گیا اور اوس کو پہلا درجہ دیا گیا۔ عزیٰ کو ببول کے درختوں سے منسوب کیا گیا تھا چونکہ درخت از قسم نباتات ہیں اس لئے اوس دیوی کو دوسرا درجہ دیا گیا۔ مناۃ دیوی تو پتھر کی چٹان سے منسوب تھی جو از قسم جمادات ہے۔ اس وجہ سے اس کا درجہ سب سے نیچا ہے۔

اس تقریر کی توجیہ بعض مفسرین کرام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اونھوں نے الاخریٰ کو عزیٰ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور صرف الثالثۃ کو مناۃ کی صفت بتلایا ہے۔ محض رعایت فاصلہ کی بنا پر الاخریٰ کو الثالثۃ

کے بعد ذکر کیا گیا ورنہ حق عبارت یوں تھا :- افرأیتم اللّات والعزّیٰ الاخریٰ ومناۃ الثّالثۃ ۔یعنی بھلا تم (پہلی دیوی) لات کو دیکھو۔ اور دوسری دیوی عزّیٰ کو اور تیسری دیوی مناۃ کو "

مفسرین کرام نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ جس طرح اللّٰہ صیغہ مذکر سے اللات صیغہ مونث بنا لیا گیا اسی طرح العزیز یا الاعزّ سے جو خداوند تعالیٰ شانہ کے اسماء حسنیٰ میں شامل ہیں ۔صیغہ مونث العزّیٰ قرار دیا گیا اور منّان صیغہ مذکر سے منواۃ صیغہ مونث تراش لیا گیا۔ اسی بنا پر نعوذ باللہ منہا جس طرح ملائکہ کو عرب " بنات اللّٰہ" کہتے تھے بتوں کی نسبت بھی عرب جاہلیت کے توہمات یہ تھے کہ یہ دیویاں بھی معاذ اللہ بنات اللّٰہ ہیں ۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ملائکہ کرام کو بنات اللہ قرار دینے کا بیان اس طرح آیا ہے :—

" وجعلوا الملائکۃ الّذین ھم عباد الرّحمٰن اناثاً أشھدوا خلقھم ستکتب شھادتھم ویسئلون " اور ان کافروں نے ملائکہ کو جو در اصل خدائے رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث قرار دے دیا۔ کیا ان کے پیدا ہوتے وقت یہ کفار وہاں موجود تھے ؟ ان کی یہ

گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس بارہ میں سوال کیا جائے گا"۔ چونکہ کفار عرب نے ملائکہ کی طرح اپنی خود ساختہ دیویوں کو بھی زنانہ نام اور القاب دے رکھے تھے اس لئے آگے ارشاد ہو رہا ہے :۔

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الاُنثیٰ کی تفسیر

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثیٰ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزیٰ۔ کیا تمھارے لئے بیٹے اور اوس کے لئے بیٹیاں یہ تو ایک بھونڈی تقسیم ہے"۔ عرب جاہلی کی عادت تھی کہ اگر اون کے لڑکی پیدا ہوتی تو سخت ناراض ہوتے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے :۔ "واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھه مسودًا وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوٓء ما بشر به ایمسکه علی ھون ام یدسّه فی التراب"۔ جب اون میں سے کسی کے لڑکی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی تو اوس کا منہ کالا ہو جاتا اور مارے غم کے اوس کا دم گھٹنے لگ جاتا۔ لوگوں سے منہ چھپاتا رہتا کہ یہ کیسی شرمناک خبر دی گئی۔ (اوس کو فکر لگ جاتی کہ) اس ذلت کو گوارا کرکے نومولود کو رکھ چھوڑے یا اوس کو مٹی میں دھنسا دے"۔

ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ بیٹی پیدا ہونے سے تم کو تو اتنی نفرت اور ایسا عار لگتا ہے یہ چاہتے ہو کہ تم کو ہمیشہ بیٹے ہی بیٹے پیدا ہوتے رہیں اور ہم درحالیکہ ہم کو اولاد کی حاجت نہیں (نہ ہم کو لڑکا مطلوب اور نہ لڑکی) ہماری شان لم یلد ولم یولد۔ با ایں ہمہ تم ہماری طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو اور اولاد میں بھی لڑکی ہماری طرف منسوب کرتے ہو جس کو تم خود اپنے لئے ننگ و عار کا موجب خیال کرتے ہو۔ غور کرو کہ ایسی تقسیم کتنی بھونڈی اور بے ڈھنگی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "ضیزیٰ" کی تفسیر دریافت کی گئی تو فرمایا جائرۃ یعنی جَور کی تقسیم۔ ظالمانہ۔ سائل نے پوچھا کیا اہل لسان کے نزدیک یہ معنی معروف ہیں تو فرمایا کیا تم نے امرالقیس کا یہ شعر نہیں سنا وہ کہتا ہے:—

ضازت بنو اسد بحکمهم اذ یعدلون الراس بالذنب

بنو اسد نے اپنے فیصلہ میں بڑی ہی ناانصافی سے کام لیا جس میں سر اور دُم کو مساوی مساوی قرار دیا۔ مطلب یہ کہ ضیزیٰ اور ضازت کی اصل ایک ہی ہے جس کے معنی ظلم کے ہیں۔ واللہ اعلم آگے ارشاد ہے:—

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا کی تفسیر

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ۔ یہ (لات، عزیٰ اور مناۃ) صرف نام ہی نام ہیں (جن کے مسمّیٰ کا کہیں وجود نہیں) تم اور تمھارے آباؤ اجداد نے یہ نام بطور خود تجویز کر لئے ہیں ۔ اس تجویز کی کوئی سند اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نہیں اتاری ۔ (گویا فرضی اور خیالی چیزوں کے یہ نام رکھ لئے گئے ہیں ۔) یہ لوگ محض اپنے خیالات کے پیچھے جارہے ہیں اور اپنی خواہش نفس کا اتباع کر رہے ہیں (جو بے سند اور باطل محض ہے) درحالیکہ اون کے پروردگار کے پاس سے روشنی اور رہنمائی آچکی ۔ یعنی قرآن کریم نازل ہوا ۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو چکے اور آپ کے دست مبارک سے ایسے امور خارق عادت (معجزات) ظاہر ہوئے جو آپ کی نبوت و رسالت کا ثبوت ہیں لہذا اب ایسے باطل تصورات کی گنجائش نہیں ۔

اس آیۂ کریمہ میں چند ہدایات دی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔

(۱) انسان میں حقیقت پسندی کا جوہر ہونا چاہیئے ۔ اس اعتبار سے لات وعزیٰ وغیرہ دیویوں کو دیکھا جائے تو بداہتہً معلوم ہو گا کہ یہ فقط نام ہی نام ہیں جن کے مسمّٰی کا وجود نہیں ۔ جن پتھروں کے یہ نام رکھے گئے ہیں اون میں کوئی وصف نہیں ۔ نہ لات میں الوہیت کا کوئی شائبہ اور نہ عزّیٰ میں کوئی عزت ۔ پھر ان کے نام مونث رکھے گئے ہیں ۔ اگرچہ تانیث بجائے خود کمال نہیں مگر ان دیویوں میں تانیث تک نہیں ۔ آخر کس بنا پر ان کو مونث قرار دیا گیا ؟ عقل حیران ہے ۔ اگر عقلی دلیل قائم نہیں ہو سکتی تو دلیل منقول ہونی چاہیئے ۔ کسی آسمانی کتاب میں بت پرستی کا حکم نہیں دیا گیا ۔ بلکہ اوس کی مذمت اور ممانعت ہی کی گئی ہے ۔ جس سے ثابت ہوا کہ بت اور اون کی پرستش دونوں باطل ہیں ۔ خواہ اُس کی ایجاد کوئی خود ہی کرے یا اس میں آباؤ اجداد کی تقلید و اتباع کرے ۔ بے اصل اور بے حقیقت امور میں تقلید و اتباع بھی درست نہیں ۔ تقلید و اتباع آباؤ اجداد حقیقی اور نفس الامری امور میں ہو تو وہ ضرور لائق لحاظ ہے ۔ جیسے حضرت سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔ واتبعت ملة آبائی ابراهیم واسحٰق ویعقوب ۔ میں نے اتباع کیا اپنے آباؤ اجداد کی ملت کا جو ابراہیم و اسحاق و یعقوب ہیں ۔

علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام "۔

(۲) دین وملت نام ہے چند عقائد واعمال کا۔ عقائد کی بنیاد یقینیات پر ہوتی ہے۔ ظنیات کو عقائد سے تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظنی دلیل خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی، عقائد میں حجت نہیں۔ اور اعمال کی بنیاد خواہش نفس پر نہیں ہو سکتی کہ نفس نے جو چاہا اوس کام کو کر لیا۔ جس کو چاہا دیکھ لیا، سن لیا۔ اور جو چاہا کھایا پیا، اس قسم کے اعمال کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اعمال کی بنیاد عبادت پر ہے۔ عبادت نام ہے اپنے نفس کی خواہش کو مرضی الٰہی کے تابع بنا رکھنا۔ اپنی مرضی پر رضائے مولیٰ کو ترجیح دینا۔ یہ اور بات ہے کہ مرضی الٰہی یا رضائے مولیٰ پر دلیل ظنی ہی قائم ہو۔ اور ظنی دلیل ہی سے کسی فعل یا ترک کا ثبوت مل سکے بہر حال عمل کے لئے اس قدر ثبوت کافی ہے اس پر خواہش نفس کا اطلاق نہ ہوگا اس کے برخلاف بت پرستوں کا یہ حال ہے کہ اون کے عقائد کی بنیاد ظنون اور اوہام ہیں۔ اور اون کے اعمال کا منبع خواہش نفس۔ لہٰذا نہ عقائد ہی درست اور نہ اعمال صحیح۔ "ان یتّبعون الّا الظنّ وما تھوی الانفس" میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ دونوں پہلو سلبی ہوئے اب ایجابی پہلو ملاحظہ ہو۔

(۳) ولقد جآءھم مّن رّبھم الھدیٰ۔ حال یہ ہے کہ یقیناً اون کے ہاں اون کے پروردگار جل شانہ کے پاس سے ہدایت آچکی "۔ قرآن کریم کا ہدایت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ کس اہتمام سے اس کا نزول اجلال ہوا اوس کا بیان اس سے پیشتر کی آیات کریمہ میں ہوچکا جو اسی سورت کی ابتدا میں گزرچکی ہیں۔ اس کا وصف ہی ھدًی للمتقین ہے کہ یہ کتاب مبین خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی اس کو نہ مانے تو قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا ہے کہ "فأتوا بسورۃ مّن مّثلہ"۔ اس جیسی کوئی ایک سورت بنالاؤ "۔ جب یہ نہ ہوسکے تو اس کو کتاب اللہ ماننا ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کا ثبوت خود آپ کی حیات طیبہ، قرآن کریم کی شہادت ہے۔ انّك لتھدیٓ الی صراط مّستقیم۔ یقیناً آپ (اے نبی کریم!) صراط مستقیم کی رہنمائی فرماتے ہیں "۔ مزید ثبوت آپ کے معجزات ہیں۔ یعنی وہ خوارق عادات جو آپ کے ذریعہ ظاہر ہوئے۔ مثلاً شق القمر، ردّ شمس، انگشتان مبارک سے پانی بہنا اور اوس سے لشکر عظیم کا سیراب ہونا وغیرہ وغیرہ نیز امت مرحومہ کے اولیاء کی ہر کرامت آپ کا معجزہ ہے جس کا سلسلہ تا قیامت رہیگا

شرک اور بت پرستی پر بحث

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی۔ "کیا انسان کو وہ سب کچھ (حاصل ہو جاتا) ہے جس کی وہ آرزو کرے؟"

کفار عرب اپنی جہالت کے باعث اقسام کی گمراہیوں میں مبتلا تھے اور بجائے خود طرح طرح کے خیالات اپنے دماغ میں پکاتے جیسے ایک غیر تعلیم یافتہ بے کار آدمی کی عادت ہوتی ہے۔ شدہ شدہ ان کے اوہام باطلہ نے عقیدہ کی جگہ لے لی تھی۔ چنانچہ اس اعتبار سے اون کے عقائد حسب ذیل تھے جن کی بنیاد اوہام پرستی پر تھی:۔

ا۔ بتوں کی پرستش کرتے اور کہتے :۔ "ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ"۔ ہم بتوں کی پرستش محض اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے ہاں ہمارا تقرب بڑھا دیں" عرب جاہلیت کی طرح موجودہ دور کے بت پرستوں کا بھی یہی حال ہے بلکہ یہ اون سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم پتھر میں بھی جلوہ الٰہی دیکھتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو کوئی ان سے پوچھے کہ ہر پتھر میں تم کو جلوہ نظر آتا ہے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہو تو یہ کہا جا سکیگا کہ ابھی تمہاری نظر محدود ہے۔ ناقص چیز

لائق لحاظ نہیں۔ نیز یہ کہ تمام پتھروں کو چھوڑ کر اس کی تخصیص کس بنا پر ہے؟ اور اگر جواب اثبات میں ہو تو پتھر کا استعمال پرستش کے سوا دوسرے اغراض و مقاصد میں کیوں کیا جاتا ہے درحالیکہ بعض امور ایسے ہیں جس سے توہین ہوتی ہے۔ مثلاً پتھر کا فرش بنانا اور اوس پر جوتیوں سے چلنا پھرنا وغیرہ۔ یہی حال دیگر جمادات، نباتات، حیوانات کا ہے جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ چودہ سو سال گزر چکے لیکن اب تک یہ بات ان لوگوں کی فہم میں نہ آسکی کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کے تابع ہوتی ہے نہ کہ بالعکس۔ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے ادنیٰ کے سامنے جھکنے کے کیا معنی ہیں؟۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ اسفل درجہ کی دوسری چیزوں میں تو جلوہ نظر آئے اور خود اپنی خودی کو فراموش کریں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ "وفی انفسکم افلا تبصرون" اور خود تمہاری ذات میں بھی تو اوس کے بے شمار آیات (جلوے) ہیں کیا پھر وہ تم کو نظر نہیں آتے؟" انسان سے انسان کو دشمنی کیوں ہے؟ ایک پتھر کے لئے، ایک درخت کے واسطے، ایک جانور کی خاطر کیوں انسان سے لڑتے جھگڑتے ہو اوس کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے ہو ولو بالفرض ایک جلوہ پر اس قدر فریفتہ ہو تو خود اللہ سبحانہ تعالیٰ سے تم کو

عشق کیوں نہیں؟ اوس کی کتابوں کو کیوں نہیں پڑھتے اوس کے رسولوں کا کیوں
اتباع نہیں کرتے اوس کے مقبولین سے تم کو کیوں دوستی نہیں؟ حقیقت یہ
ہے کہ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ یہ محض اپنی خواہش نفس اور توہمات کے
پیچھے چلے جارہے ہیں اور اپنے زعم باطل پر اڑے ہوئے ہیں۔ جو پتھر اپنے سے
مکھی نہ اڑا سکیں آڑے وقت میں وہ اپنے پرستاروں کے کیا کام آئیں گے

ضعف الطالب والمطلوب۔

۴۔ کوئی کہتا کہ " ولئن رجعت الیٰ ربی ان لی عندہ للحسنیٰ"
اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس لوٹادیا جاؤں تو یقیناً میرے لئے
اوس کے پاس بھلائی ہی ہے۔ یعنی جنت " اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ہاں
بے شک جنت بھی ہے اور دوزخ بھی جنت نیک کے لئے ہے اور بد کا
ٹھکانا دوزخ ہے۔ انسان کا نیک و بد ہونا اوس کے عقیدہ اور عمل
کے لحاظ سے ہے۔ اگر یہ دونوں اچھے ہیں تو اوس کا شمار نیکوں میں
ہوگا۔ اور اگر عقیدہ و عمل دونوں برے ہوں تو وہ بد کہلائیگا
اگر عقائد اچھے ہوں اور عمل ایسا نہ ہو تو اوس کا معاملہ
مشیئت الہٰی پر ہے۔ اور اگر عقیدہ برا ہو اور عمل نیک تو

ممکن ہے کہ دنیا میں اوس کو اپنے عمل کا ثمرہ مل جائے اور عموماً ملتا ہے۔ لیکن آخرت میں اوس کے اعمال بدون صحت عقیدہ کارآمد نہیں ہو سکتے۔ یہ سب کچھ سہی مگر جو شخص عقیدہ اور عمل ہر دو اعتبار سے اچھا ہو وہ دیگر اقسام کے لوگوں سے بہتر ہونے کے باوجود یہ دعوی اپنی نسبت نہیں کرتا کہ وہ یقیناً جنتی ہے۔ بلکہ وہ خداوند تعالیٰ شانہ کی عظمت وجلال سے ڈرتا رہتا ہے اور خشیت الٰہی اوس پر اتنی غالب رہتی ہے کہ ایسا دعوی کرنا تو کجا۔ اس قسم کا ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لاتا۔ پھر ایسے یقین کے ساتھ یہ ادعا کہ آخرت میں اوس کے لئے جنت ہی ہے اور وہ بھی ایسے شخص کی زبان سے جس کا نہ عقیدہ ہی صحیح اور نہ عمل ہی درست۔ کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ جھوٹی آرزو اور زعم باطل نہیں تو اور کیا ہے؟

(۳) حضرت خبابؓ بن ارتؓ مکہ معظمہ میں سناری کا کام کرتے تھے۔ ایک کافر عاص بن وائل نے جو صاحب اولاد بھی تھا اور مالدار بھی۔ کچھ زیورات بنوائے مگر اُجرت کی ادائی میں لیت ولعل کرنے لگا جب کبھی

تقاضا کیا جاتا ۔ ٹال مٹول کرتا ۔ بیچارہ کاریگر ایک دولت مند شخص کے مقابلہ میں جس کا گھرانہ بھی بڑا ہو کیا کر سکے ؟ شخص مذکور نے جب یہ اندازہ کر لیا کہ خبابؓ اپنی اجرت کے وصول کرنے پر قادر نہیں تو یہ شرط پیش کی کہ اگر حضور اکرمؐ کا ساتھ چھوڑ دیں تو اجرت دی جائے گی ۔ خبابؓ نے جواب دیا کہ اگر تو مر کر زندہ بھی ہو جائے تو میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا اس پر عاص نے جواب دیا کہ جب مر کر دوبارہ زندہ ہونا صحیح ہے تو "لاوتین مالاً و ولداً" "مجھے مال و اولاد بھی ملے گی" اوس وقت ہی تمھاری اجرت ادا کر دی جائے گی ۔ طنز یہ طور پر اوس نے یہ جملہ کہہ دیا لیکن اس احمق نے اتنا نہ سمجھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا تو صحیح ہے جب تمام انسان اوٹھائے جائیں گے تو اوس کی اولاد بھی اوٹھائی جائے گی مگر یہ تصور کہ یہاں کی دولت بھی ساتھ رہے گی یہ خیال خام ہے ۔ یہ کہاں بتلایا گیا ہے کہ یہاں جو کیفیت تھی من وعن وہاں باقی و برقرار رہے گی ؟ خام خیالی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے ۔

(۴) یہود و نصاریٰ کا یہ ادعا تھا کہ "نحن ابنآؤ اللہ و احبآؤہ" "ہم ابناء اللہ ہیں اور اوس کے مخلص دوست ہیں"

اسی خیال میں کہتے تھے :۔ "لن تمسّنا النّار الآ ایّاما معدودۃ۔" ہم کو (اول تو) آگ چھوئیگی ہی نہیں (اگر چھوئیگی تو) صرف گنتی کے چند روز۔" نیز اس بنا پر نبی آخرالزماں کی نسبت اون کے تصورات و توقعات یہ تھے کہ وہ ہم میں سے ہوں گے۔ نبی آخرالزماں کی آمد سے عرب بھی واقف تھے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ کسی دولت مند بڑے خاندان میں آپ کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ ایسے چند گھرانے اس کے منتظر تھے مگر جب حضورؐ کا ظہور پر نور بنی ہاشم میں ہوا جو تقدس، شرافت ذاتی اور بزرگی کے لحاظ سے تو ممتاز تھا لیکن مال و دولت کے اعتبار سے سربرآوردہ نہ تھا تو حسد کے مارے جل گئے۔ اودھر یہود و نصاریٰ کو علٰحدہ بغض و عناد ہوا جس کے باعث اون کی کتابوں میں جو پیشین گوئیاں آپ کی نسبت لکھی ہوئی تھیں اون کو نکال دیا گیا اور اللہ کی کتاب میں تحریفات کردی گئیں۔ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا:۔ "تلك امانیّھم" "یہ سب ان کی آرزوئیں ہیں"۔

ان جملہ خام خیالیوں اور امانی فاسدہ اور زعومات باطلہ کے جواب میں فرمایا گیا اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی۔ کیا انسان کو وہ سب کچھ حاصل ہوجاتا ہے جسکی وہ آرزو کرے؟" ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہوتا وہی ہے جو منظور رب ہو۔ ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔ اللہ جو

چاہے گا وہی ہوگا اور جو نہ چاہے گا وہ ہرگز نہ ہوگا"۔ دوسری جگہ صاف طور پر ارشاد ہوا:۔ "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب"۔ نہ دارومدار تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر"۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

ع ۱ ۲۵ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى لہذا آخرت اور دنیا (دونوں) اللہ ہی کے لئے ہیں"۔ اس سے مراد ہو دار آخرت اور دار دنیا' یا حیات آخرت ہو اور حیات دنیا۔ ہر دو جگہ اقتدار اعلیٰ اوسی احکم الحاکمین' رب العالمین کا ہے۔ اوس کے آگے کسی کی کچھ چل نہیں سکتی۔

اہل کتاب اور کفار و مشرکین سے خطاب

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مشرکین و کفار ہوں یا اہل کتاب' باطل پرستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ مشرکین' بے ڈھنگی تقسیم کے بھنور میں ہیں۔ کہیں دیوی قرار دی تو کہیں دیوتا۔ قدرت کے سارے شعبے گویا ان کے زعم باطل کے لحاظ سے ان ہی دیویوں اور دیوتاؤں میں تقسیم ہو چکے ہیں جبھی تو کسی سے حیات وابستہ کر رکھی ہے تو کسی سے رزق۔ کسی سے بارش متعلق کی ہے تو کسی سے ہوا۔ کوئی امراض و آفات کا آقا ہے کوئی صحت

یا امن عامہ کا۔ ان کو ایسے القاب وخطابات سے یاد کیا جاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ جو محض خیال خام اور بیجا توہمات ہیں۔ حقیقت اور واقعہ سے ان کو دور کا تعلق بھی نہیں۔ اِن مشرکانہ خیالات کی کوئی دلیل آج تک پیش نہ ہو سکی۔ نہ نقلی، نہ عقلی، نہ الہامی، نہ علمی، نہ تجربی، نہ تحقیقاتی۔

عرب جاہلیت اگر اس گرداب میں پھنسے ہوئے تھے تو چنداں تعجب کی بات نہیں جہل اور لاعلمی ایسا پردہ ہے جو عقل پر پڑ جاتا ہے تو کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ جس سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ اندھا اگر راہ راست سے ہٹ جائے تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ ایسا ہوتا ہے۔ تعجب اور سخت تعجب اون اہل کتاب پر ہے جو ماہرین کہلاتے ہیں۔ ایک ایک چیز کی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں اور موشگافیاں کرتے جاتے ہیں۔ نت نئی ایجادات کر رہے ہیں جن کو دیکھ کر زمانہ محو حیرت ہے۔ با ایں ہمہ وہ شرک میں اس درجہ گھرے ہوئے ہیں کہ توحید کا سیدھا سادہ راستہ اون کو دکھائی نہیں دیتا۔ تثلیث نعوذ باللہ تین خداؤں (روح القدس[1]، مریم[2] مسیح[3]) کے قائل ہیں۔ اسلامی تعلیم توحید (ایک خدا کے اعتقاد) سے متاثر ہوئے تو صرف اس قدر کہ توحید فی التثلیث یا تثلیث فی التوحید" (تین میں ایک

یا ایک میں تین) کہنے لگے ۔ مطلب یہ کہ خدائے واحد کی خدائی ان تین میں منقسم ہے یا ان تینوں کے اتفاق سے خدائی قائم ہے ۔ مگر تثلیث کے گرداب سے نکلتے نہیں ۔ ان کا شرک' عرب جاہلیت سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا ہے :۔

آں بنا بینائی از رہ او فتاد   ویں دو چشمش بود و در چہ او فتاد

کیوں کہ عرب جاہلیت پر سے تو جہالت کا پردہ ربع صدی کے اندر اندر صرف (۲۳) سال کے عرصہ قلیل میں اوٹھ چکا مگر چودہ سو سال کا ممتد عرصہ گزرنے کے باوجود' ان مدعیان علم و تحقیق کے دماغوں پر سے اب تک یہ پردۂ غفلت نہ اوٹھ سکا ۔

اصل یہ ہے کہ کتب سماویہ میں انھوں نے جو تحریفات کیں اوس میں یہ جو مضامین' آخرت اور اوس کے علوم سے متعلق تھے جو اصل دین تھا' اوس کو یک سر غائب کر دیا گیا ۔ اور حیوٰۃ دنیا سے متعلق جو ابواب تھے اون کو برقرار رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیوی ترقیات میں تو اون کو کافی حصہ ملا اور مل رہا ہے اور آخرت سے جو اصل زندگی ہے اون کو کچھ بھی لگاؤ نہیں وما لھم فی الاخرۃ من نصیب ۔ پھر دنیوی ترقی کا جو مقصد تھا

خلافت الٰہیہ کا قیام۔ باوصفیکہ حکومت حاصل ہے لیکن اوس کا مقصد فوت
جہاں کہیں یہ اب تک گئے اور اپنی حکومت قائم کی۔ وہاں کی کچھ بھی اصلاح
ان کے ہاتھ سے نہ ہو سکی۔ اخلاق، عادات، عبادات، معاملات، تہذیب
شائستگی، امن وچین، سب کچھ رخصت ہو گیا۔ دجّال اعور کی طرح ان کی
صرف ایک آنکھ کھلی ہوئی ہے اور دوسری بند۔ "یعلمون ظاہرا من
الحیوۃ الدّنیا وھم عن الآخرۃ ھم غٰفلون۔ دنیوی زندگی کی یہ کچھ
ظاہری باتیں یہ جان لیتے ہیں اور وہ آخرت سے تو سب کے سب غافل
ہیں" بلکہ حکومت ان کے ہاتھ آنے کے بعد دینی اور اخلاقی حالت
بگڑ گئی۔ اخلاق بد سے بدتر ہو گئے اور بے دینی پھیل گئی۔ نتیجہ تباہی اور
بربادی کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔ انسان انسان نہیں رہا۔ جوہری طاقت و
جوہری ہتیار وغیرہ سے اب تو اولادِ آدم، اولادِ آدم کو مٹنے کی فکر میں ہے۔
انّا للّٰہ وانّآ الیہ راجعون۔ جب ان تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ اقوام کا
یہ حال ہے تو غیر تعلیم یافتہ اور غیر ترقی یافتہ اقوام کی حکومت پر جتنا ماتم کیا
جائے کم ہے۔ ع۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ خیر اسی میں ہے کہ
"فَلِلّٰہِ الْاٰخِرَۃُ وَالْاُوْلٰی" پر نظر رکھی جائے۔ انسان کی بھلائی خواہ وہ

فوری ہو یعنی حیات دنیا سے متعلق، یا وہ بھلائی انجام کے اعتبار سے ہو
یعنی حیات اخروی سے متعلق، ہر قسم کی بھلائی اوس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ
کی عنایت وفضل پر موقوف ہے اور فضل ومرحمت کی توقع جب ہی کیجاسکتی
ہے جب کہ بندے مائل بہ اطاعت وعبادت ہوں ورنہ ع :-
ایں خیال است ومحال است وجنوں کا مصداق ہوگا۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ 53-26
شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَرْضٰى ۝

علہ۔ کَمْ۔ لفظها مفرد ومعناها جمع۔ یہ لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے۔
(بحر المحیط)۔

علہ۔ مَلَكٍ۔ اصله مألك فقدم اللام واخر الهمزة فوزنه معفل
من الالوكة وهي الرسالة ثم تركت همزته لكثرة الاستعمال فقيل ملك فلما
جمعوه ردوه الى اصله اى اعيد الهمزة فقالوا ملائك فزيدت التاء
للمبالغة او لتانيث الجمع (كرمانی) مَلَكٌ اصل میں مَألكٌ تھا۔ اس کا لام
مقدم اور ہمزہ موخر کیا گیا۔ یہ معفل کے وزن پر ہے۔ یہ لفظ اُلُوکَۃٌ سے بنا ہے جس کے

اور کتنے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی

بقیہ حاشیہ ع۲ صفحہ گذشتہ ۔

جس کے معنی رسالت کے ہیں ۔ پھر کثرت استعمال سے اوس کا ہمزہ ترک کر دیا گیا اور مَلَکٌ کہا گیا ۔ جب اس کی جمع بنائی گئی تو محذوفہ ہمزہ واپس لایا گیا ۔ مَلَآئِكُ اوس کی جمع ہوئی پھر مبالغہ کے لئے یا صیغہ جمع کی تانیث کے لئے آخر میں تاء اضافہ کی گئی تو ملائکۃ ہوا ۔ قَالَ جمھور اھل الکلام من المسلمین الملائکۃ اجسام لطیفۃ اعطیت قدرۃ علی التشکل باشکال مختلفۃ ومسکنھا السماوات (فتح الباری) جمہور متکلمین اہل اسلام کہتے ہیں کہ فرشتے (یہ لفظ "فرستہ" ہے یعنی بھیجا ہوا) لطیف اجسام ہیں جن کو مختلف اشکال میں تشکل ہونے کی قدرت دی گئی ہے ان کا مسکن آسمانیں ہیں ۔"

ع۳ شَفَاعَتُهُمْ ۔ الشفع ضم الشئ الی مثلہ و یقال للمشفوع شفع والشفاعۃ الانضمام الی آخر ناصراً لہ وسائلا عنہ واکثر ما یستعمل فی انضمام من ھو اعلی حرمتہ و مرتبتہ الی من ھو ادنی ومنہ الشفاعۃ فی القیامۃ ۔ (مفردات) کسی چیز کو اوس کے مثل کے ساتھ ضم کرنے اور ملانے کو "شفع" کہتے ہیں یعنی ملائی ہوئی چیز "شفع" ہے اور ملنے والا شفیع کہلاتا ہے ۔

مگر اللہ سبحانہ کے اجازت دینے کے بعدؔ (وہ بھی) جس کے لئے وہ

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

اور شفاعت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی مدد کرنے اور اوس کی طرف سے درخواست کرنے کے لئے اوس کے ساتھ ہوجائے۔ عموماً ایسا ساتھ دینے والے بمقابل اوس کے جس کی مدد کو یہ جارہے ہیں حرمت و مرتبت میں بڑے ہوتے ہیں۔ قیامت میں جو شفاعت ہوگی اوس کے بھی یہی معنی ہیں۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ اس اعتبار سے "تشفیع المذنبین" کے معنی یہ ہوئے کہ گنہگاروں کو اپنی معیت مبارکہ میں لے چلنے والے گویا ایک ایک امتی کے ساتھ ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربارِ الٰہی میں تشریف لے چلیں گے۔ گنہگاروں کو بخشوائیں گے۔ اور نیکوں کے مدارج بڑھائیں گے اور مقربین کو اذن شفاعت دلائیں گے روحی فداہ۔

۴ یأذن ۔ الاذن فی الشیٔ اعلام باجازتہ والرخصۃ فیہ و یستعمل ذٰلک فی العلم الذی یتوصل الیہ بالسماع لکن بین العلم والاذن فرق فان الاذن اخص ولا یکاد یستعمل الا فیما فیہ مشیئۃ بہ راضیا منہ الفعل اولم یرض بہ ۔ (مفردات) کسی چیز کا اذن دینے کے معنی یہ ہیں کہ اوس کی اجازت اور رخصت کی اطلاع دینا۔ اس کا

چاہے اور جس سے وہ خوشنود ہو "

(بقیہ حاشیہ عــہ صفحہ گذشتہ)

استعمال عموماً اوس علم میں ہوتا ہے جو سماع (سننے) کے ذریعہ سے حاصل ہو لیکن علم اور اذن میں فرق ہے۔ علم عام ہے اور اذن خاص۔ اذن کا اطلاق صرف اوس علم پر ہوتا ہے جس میں مشیئت ہو اوس کام میں خوشنودی ہو یا نہو۔ (مگر اوس کو چاہ کر کیا گیا ہو۔)"

عــہ یَشَآءُ۔ فالمشیئۃ من اللہ تعالی ھی الایجاد ومن الناس ھی الاصابۃ۔ مشیئت کی نسبت اللہ سبحانہ کی طرف ہو تو اوس کے معنی کسی شئے کو موجود کرنے کے ہوں گے اور اگر اوس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو کسی چیز کو حاصل کرنے یا کسی کام کے کرنے کے ہوں گے " فقیر عرض کرتا ہے کہ بندے کی مشیئت مشیتِ الہی کے تابع ہے کما قال تعالی وما تشاؤن اِلّا ان یشآء اللہ رب العلمین

عــہ۔ یرضٰی۔ رضا العبد عن اللہ ان لا یکرہ ما یجری بہ قضاؤہ ورضا اللہ عن العبد ھو ان یراہ مؤتمرا لامرہ ومنتھیا لنھیہ (مفردات) بندے کا اللہ سبحانہ سے راضی رہنا یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ جو فیصلہ بھی اوس کی نسبت صادر فرمائے اوس سے ناراض نہ ہو (بلکہ اللہ سبحانہ کے ہر فیصلہ سے

اس آیۂ کریمہ میں تبلایا گیا ہے کہ ملائکہ کرام کا مستقر اور اصل مقام ارفع و اعلیٰ (سماوات) ہے، نیز یہ کہ وہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت بھی کرتے ہیں جب کہ وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اذن پاتے ہیں۔ اور بارگاہ الٰہی سے ملائکہ کرام کو اذن شفاعت اون ہی کے حق میں ہوتا ہے جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ چاہے اور اون سے راضی ہو۔ یہ ضابطۂ شفاعت ہے۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیۂ کریمہ " والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض" کی تفسیر دریافت کی جا سکتی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ملائکہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے اور زمین والوں کے لئے مغفرت چاہتے ہیں "۔ یہاں "من فی الارض" سے مراد روئے زمین کے

(بقیہ حاشیہ علٰہ صفحہ گذشتہ)

خوش ہو) اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے راضی ہونا یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو احکام الٰہی کو بجا لانے والا اور منہیات سے باز رہنے والا دیکھے "۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" جو صحابہ کرام کی شان میں آیا ہے اس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے واللہ اعلم۔ بندے کی مشیئت تو مشیئت الٰہی کے تابع ہی ہے لیکن بندے کا کمال یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی طرح اپنی رضا کو بھی تابع رضائے الٰہی بنائے۔ واللہ الموفق۔

تمام افرادِ انسان نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے منجملہ وہ لوگ مراد ہیں جن کی نسبت مشیئت الٰہی جاری ہوئی اور رضائے الٰہی جن کی شفاعت سے متعلق ہو۔ رہا اس کا علم کہ کن بندوں کی شفاعت سے مشیئت ورضائے الٰہی متعلق ہوچکی ہے اور کن کی سفارش کا اذن، ملائکہ کرام کو مل چکا ہے؟ اوس کا پتہ اس آیۃ کریمہ سے چلتا ہے۔ ارشاد ہے :۔ "الّذین یحملون العرش ومن حوله یسبّحون بحمد ربّھم ویؤمنون به ویستغفرون للّذین آمنوا" جو (فرشتے) عرش اعظم کو اوٹھائے ہوئے ہیں اور جو اوس کے اطراف ہیں وہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور ایمان والوں کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں" ان دونوں آیات کریمہ کو ملانے سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ من فی الارض سے الّذین آمنوا مراد ہیں نہ کہ جملہ روئے زمین کے انسان۔ نیز اصول فقہ کا عام قاعدہ ہے کہ یحمل المقیّد علی المطلق۔ مقید کا حکم مطلق پر جاری ہوگا" یعنی اگر کوئی حکم ایک جگہ مطلق وارد ہوا ہو اور دوسری جگہ مقید تو مطلق سے بھی مقید ہی مراد ہوگا۔ اسی طرح استغفار ملائکہ کا بیان، ایک جگہ من فی الارض کے لئے اور ایک جگہ الّذین آمنوا کے لئے آیا ہے تو "من فی الارض" کا اطلاق باقی و

برقرار نہیں رہے گا بلکہ "الذین آمنوا" کی قید سے مقید ہوگا۔

اس قاعدہ کی رو سے آیۂ کریمہ "وکم من ملك فی السمٰوات" میں ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار و مشرکین، اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں (لات و عزیٰ اور مناۃ) کو جو خود ان کے پرستاروں کے خیال میں مادہ دیویاں ہیں اور انہیں کے زعم میں ایک سے بڑھکر ایک ذلیل و خوار اِن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا شفیع بتاتے ہیں جو حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے ایک بے حس اور بے جان پتھر ہیں بھلا یہ کیا شفاعت کریں گے جن کو شفاعت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ سب سے نیچے زمین پر پڑے ہوئے اور زمین والوں میں بھی سب سے اسفل درجہ جمادات میں شامل ہیں۔ نباتات حیوانات ان سے اعلیٰ ہیں اور تم خود ان سب سے بھی اعلیٰ و افضل ہوتے ہوئے یہ کیا سوجھی کہ ایک جماد سے شفاعت کی آس لگائے ہوئے ہو درحالیکہ عالم علوی (سماوات) کے رہنے والے (فرشتے) جو شفاعت کر بھی سکتے ہیں اور جن کو اذن شفاعت دیا گیا ہے مگر وہ بھی اپنی سفارش اون لوگوں کی حد تک محدود رکھتے ہیں جن سے مشیئت الٰہی متعلق

ہوئی اور جن کو رضائے الٰہی حاصل ہوئی اس بنا پر کہ وہ حق تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں جن کی نہ صرف مشیئت، تابع مشیئت الٰہی ہے بلکہ ان کی رضا بھی تابع رضائے الٰہی ہےؑ۔ اور تمھارا حال یہ ہے کہ کفر و شرک اور

ع آیۂ کریمہ وکم من ملك کے آغاز پر بتلایا جا چکا ہے کہ کلمہ کم لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے اس اعتبار سے ملك بھی اگرچہ لفظاً مفرد ہے معناً جمع ہوگا اس سے ایک فرشتہ نہیں بلکہ فرشتے بصیغہ جمع مراد ہوں گے۔ اور ان کی سفارش بھی ایک شفاعت نہیں بلکہ شفاعات ہوں گی۔ چنانچہ ابن مقسم اور ابو القاسم ہذلی کی قرارت بھی شفاعاتھم بصیغہ جمع ہے۔ اور ضمیر ھم جو قرأۃ جمہور میں بصیغہ جمع ہے اس کا مطلب بھی وہی ہے تاکہ ملك سے مراد ملائکۃ اور شفاعۃ سے شفاعات مراد ہیں جبھی تو ملك کی طرف رجوع ہونے والی ضمیر ھم لائی گئی ہے۔ لیکن با ایں ہمہ قراءت جمہور میں شفاعۃ بصیغہ مفرد جو منقول متوارث ہے اس میں اس نکتہ کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر یہ تمام فرشتے مل کر ایک ہی شفاعت متفق اللفظ پیش کریں تب بدوں اذن الٰہی اور بغیر رضائے خداوندی ان تمام معصومین کی بھی ایک نہیں چل سکتی۔ پھر شفاعتھم شیئاً میں مزید اس امر کی طرف ایما فرمایا جا رہا ہے کہ ایک سفارش رہی در کنار کچھ بھی نہیں چل سکتی۔

انکار و عناد کے باعث تمھارا کوئی مقام نہیں، تم اس قابل ہی کب ہو کہ تمھاری سفارش کی جائے۔ اور تمھاری نسبت سفارش کرنے والے کی سفارش قبول ہو یہ تمھارا زعم باطل ہے "ظلمٰتٌ بعضھا فوق بعض" کا مصداق ہے۔ تمھارا یہ خواب کیوں کر شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔ اور تمھاری یہ آرزو کس طرح پوری ہو گی؟ غور کرو نیز اس پر بھی خوب غور کرو کہ تمھارا ایمان آخرت پر ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا اوسی طرح ہے جیسا کہ آسمانی کتابوں میں لکھا ہے اور جس کی تعلیم انبیا علیہم السلام نے دی ہے یا صرف اپنی رائے اور قیاس سے یا اپنے آباؤ اجداد سے سن کر بلا تحقیق قائم کر لیا گیا ہے۔ اگر کتب سماویہ کی ہدایات اور انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق ہے تو اتباع ضروری ہے اور اگر آخرت پر ایمان نہیں ہے تو تم کو آیۃ ما بعد پر غور کرنا ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ 53-2

تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ 53-2

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝

علہ لا یؤمنون ۔ والایمان یستعمل تارۃ اسما للشریعۃ التی جاء بہا

یقیناً جو (لوگ) آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بھی

(بقیہ حاشیہ علی صفحہ گذشتہ)

محمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام و یوصف بہ کلّ من دخل فی شریعتہ مقرّا باللّٰہ و بنبوّتہ وتارۃ یستعمل علی سبیل المدح ویراد بہ اذعان النّفس للحقّ علی سبیل التصدیق وذلک باجتماع ثلاثۃ اشیاء تحقیق بالقلب واقرار باللسان وعمل بحسب ذلک بالجوارح۔ (مفردات) لفظ ایمان کا استعمال کبھی اوس شریعت کے لئے ہوتا ہے جس کو حضرت محمد مصطفیٰ (روحی فداہ) صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں لہذا جو کوئی اللّٰہ کا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کرکے آپؐ کی شریعت مطہرہ میں داخل ہو اوس کو صفت ایمان سے موصوف کیا جائے گا۔ (حنفیہ کے نزدیک ایمان کے یہی معنیٰ ہیں) اور کبھی لفظ ایمان کا استعمال بطور مدح کیا جاتا ہے اور اوس سے نفسِ انسانی کا براہِ تصدیق حق کا یقین کرلینا مراد ہے۔ یہ ایمان تین چیزوں کے جمع ہونے سے ہوتا ہے۔ دل سے تحقیق، زبان سے اقرار اور اوس کی بموجب ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضائے ظاہرہ سے عمل کرنا۔ (شوافع وغیرہ اسی معنیٰ کے قائل ہیں)۔

زنانہ نام سے موسوم کرتے ہیں۔ درحالیکہ ان کو (حقیقت کی) کچھ بھی خبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عـ۲ـہ بالآخرۃ ۔ و یعبّر بالدّار الآخرۃ عن النّشأۃ الثّانیہ کما یعبّر بالدّار الدّنیا عن النّشأۃ الاولی ۔ وقد توصف الدّار بالآخرۃ تارۃ وتضاف الیھا تارۃ وتقدیر الاضافۃ دار الحیاۃ الآخرۃ ۔ (مفردات) ۔ دارِ آخرت کی تعبیر نشأۃ ثانیہ سے کیجاتی ہے جیسے دارِ دنیا کی تعبیر نشأۃ اولیٰ سے کی جاتی ہے ۔ کبھی آخرت کی صفت دار لائی جاتی ہے اور کبھی دار کو آخرت کی طرف مضاف کیا جاتا ہے ۔ مضاف کرنے کی صورت میں دار آخرت سے مراد حیات آخرت کا دار ہوگا" یعنی اس صورت میں حیات کا لفظ آخرت سے قبل مقدّر ہوگا اور اگر صرف لفظ آخرت کا استعمال کیا جائے تو آخرت سے قبل لفظ دار مقدّر ہوگا"

عـ۳ـہ علم ۔ العلم ادراک الشیئ بحقیقتہ وذٰلک ضربان احدھما ادراک ذات الشیئ والثّانی الحکم علی الشیئ بوجود شیئ ھو موجود لہ او نفی شیئ ھو منفیّ عنہ فالاوّل ھو المتعدّی الی مفعول واحد نحو لا تعلمونھم اللہ یعلمھم ۔ والثّانی المتعدّی الی مفعولین

نہیں (نرے جاہل ہیں) یہ صرف گمان اور توہمات کے پیچھے جاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ع۳ صفحہ گزشتہ)

نحو قولہ فان علمتموھن مؤمنات۔ کسی شئے کی حقیقت کے ادراک کا نام "علم" ہے۔ یہ دو طرح پر ہے۔ ایک کسی شئے کی ذات کا ادراک کرنا۔ دوسرا کسی شئے پر یہ حکم لگانا کہ فلاں شئے اس کے لئے ثابت یا اوس سے منتفی ہے۔ قسم اول کا مفعول ایک ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے اون کو تم نہیں جانتے اللہ خوب جانتا ہے۔" قسم دوم کے مفعول دو ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ اگر تم اون عورتوں کو (جو ہجرت کرکے آئی ہیں) مسلمان جانو تو اون کو کافروں کی طرف نہ لوٹادو۔"

ع۴ الظّن۔ اسم لما یحصل عن امارۃ ومتی قویت ادّت الی العلم ومتی ضعفت حدّ الم یتجاوز حدّ التوھم۔ ظن یعنی گمان اوس چیز کا نام ہے جو کسی نشانی یا علامت کے ذریعہ حاصل ہو۔ اگر یہ علامت قوی ہوتی ہے تو علم کی حد تک پہنچا دیتی ہے اور اگر کمزور ہو تو وہم سے زیادہ اوس کی وقعت نہیں۔" کفار کا حال بھی یہی ہے کہ اون کو اللہ سبحانہ کا علم تو کچھ بھی حاصل نہیں اوس کی بابتہ توہمات میں پڑے ہوئے ہیں اور پتھروں کو خدا سمجھے ہوئے ہیں۔

اور گمان و توہم حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دے سکتا"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عہ الحق ۔ أصل الحقّ المطابقة والموافقة کمطابقة رجل الباب فی حقّه لد ورانه علی استقامة ۔ حق کے اصلی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں ۔ جیسے دروازہ کا نچلا حصہ جو ایک محور پر گھومتا رہتا ہے تا آنکہ اوس کے بند کرتے وقت پورا پورا بند ہو جائے" والحقّ یقال لموجدِ الشیئ بسبب ما تقتضیه الحکمة وللموجَد بحسب مقتضی الحکمة وفی الاعتقاد للشیئ المطابق لما علیه ذالك الشیئ فی نفسه وللفعل والقول الواقع بحسب ما یجب وبقدر ما یجب وفی الوقت الذی یجب (مفردات) حق کا اطلاق کسی شے کے ایجاد کرنے والے پر ہوتا ہے اس لئے کہ حکمت اوس کی مقتضی ہے اور ایجاد کی ہوئی شئے پر بھی ہوتا ہے کیوں کہ حکمت اوس کی مقتضی ہے اور کسی شئے کے اعتقاد پر بھی ہوتا ہے جب کہ وہ اعتقاد نفس الامر کے مطابق رہو ۔ اور فعل و قول پر بھی ہوتا ہے جب کہ وہ واجبیت پر ہو ۔ اور واجبیت کی حد تک ہو اور واجبی وقت پر ہو" یہاں معنی سوم (اعتقاد) مراد ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

عہ شیئاً ۔ الشیئ قیل هو الذی یصحّ ان یعلم ویخبر عنه ۔ وعند کثیر من المتکلّمین هو اسم مشترك المعنی اذا استعمل فی اللہ وفی غیرہ

ملائکہ کرام کی وہ جماعت ہے جن کو اللہ سبحانہ نے نور سے پیدا کیا۔ یہ مرد یا عورت ہونے سے پاک ہیں۔ دیگر حیوانات کی طرح ان میں نر و مادہ نہیں۔ اور نہ ان کا توالد و تناسل ہوتا ہے۔ نہ یہ کھاتے ہیں نہ پیتے۔ خداوند تعالیٰ شانہ کی یاد اور اوس کا ذکر ان کی زندگی ہے اور یہی اُن کا مقصد حیات۔ یہ معصوم ہیں ان سے کوئی گناہ

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

و یقع علی الموجود والمعدوم و عند بعضهم الشیئ عبارۃ عن الموجود واصله مصدر شاء واذا وصف به تعالیٰ فمعناه شاء و اذا وصف به غیره فمعناه المشیئ۔ (مفردات) "شیئ" وہ ہے جس کو جاننا اور اوس کی خبر دینا درست ہو۔ اکثر علمائے اہل کلام کے نزدیک وہ اسم ہے جس کے معنی مشترک ہیں۔ کیوں کہ اوس کا استعمال اللہ اور غیر اللہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ نیز موجود اور معدوم دونوں پر اوس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور بعض متکلمین کے نزدیک شئی سے موجود مراد ہے۔ (گویا ان کے نزدیک معدوم پر شئے کا اطلاق نہیں ہو سکتا) در اصل یہ شاء کا مصدر ہے۔ اگر اس کی نسبت اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اوس کے معنی چاہنے والے کے ہوں گے اگر کسی اور کی طرف ہو تو اوس کے معنی ہوں گے "چاہا ہوا" بصیغہ اسم مفعول۔

صادر نہیں ہوتا۔ کارگاہ عالم کے مختلف کام ان کے سپرد ہیں۔ ان کو جو
حکم ہوتا ہے اوس کو بجا لاتے ہیں۔ ان کو ایسی صلاحیت دی گئی ہے کہ
جس صورت میں چاہیں نمودار ہوں ۔ ان کی لطافت اور نورانیت
اس درجہ ہے کہ چشم زدن میں حکم الٰہی کے مطابق جہاں چاہیں پہنچ
سکتے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ مگر جن کو ایمان ہی
نصیب نہیں وہ ان کی قدر کیا جانیں۔ اوپر کی آیۂ کریمہ میں ارشاد
ہوا تھا کہ آسمانوں میں کتنے فرشتے ایسے ہیں کہ بدوں اذن و رضائے
الٰہی، اون کی سفارش بھی کچھ کام نہیں آسکتی۔ جس سے واضح ہوچکا
تھا کہ کافروں کا یہ تخیل کہ بُت اون کی سفارش کریں گے یا کام دینگا۔
یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار کا آخرت پر ہی ایمان نہیں۔ اون میں کا
ایک ایک شخص یہ کہتا ہے:۔ وما اظنّ السّاعۃ قآئمۃ ولئن
رّجعتُ الی ربّی انّ لی عندہ للحسنیٰ ؛ قیامت کو قائم ہوتی ہوئی
میں گمان بھی نہیں کرتا اور اگر فرض بھی کرلو (کہ وہ قائم ہوئی اور) مجھے
اپنے پروردگار کے حضور میں جانا بھی پڑے تو یقیناً اوس کے ہاں میرے لئے
بھلائی ہی بھلائی ہے ؛ تو غور کیجئے کہ کیا ایسی باتیں آخرت پر ایمان

رکھنے والوں کی ہیں؟ یہ تو مذاق اوڑا رہے ہیں۔ ایمان کہاں ہے؟ آخرت کی نسبت اون کا یہ خیال ہے اور فرشتوں کو وہ "بنات اللہ" قرار دے رہے ہیں (نعوذ باللہ منہ) جبھی تو اون کو زنانہ نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور بعض ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں جس طرح دوسرے کفار دیویوں کی پرستش کرتے ہیں۔ کوئی دیوتاؤں کی پرستش میں لگا ہوا ہے تو یہ دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ خواہ وہ بت ہوں یا فرشتے۔ جاہلیت میں اس کا رواج بہ نسبت دیوتا پرستی کے زیادہ تھا۔ جو آج تک جاری ہے یہ سارے کرشمے جہل کے ہیں۔ "وما لھم بہ من علم" علم کی جو تعریف کی گئی اور اقسام بتلائے گئے ان پر نہ تعریف علم صادق آتی ہے اور نہ علم کی کوئی قسم ان میں پائی جاتی ہے۔ ان کے آبا و اجداد نے جو کچھ کہہ دیا بس اوسی کے پیچھے جا رہے ہیں۔ اور اس کو حقیقت نفس الامری قرار دیا ہے۔ فرشتوں کے مادہ ہونے کا حال ان کو کس طرح ہوا؟ اشھدوا خلقھم کیا اون کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟" یا کسی آسمانی کتاب میں ایسا لکھا ہے؟ یا کسی نبی و رسول نے ایسی خبر دی ہے؟ یا کسی دلیل و برہان سے یہ ثابت کر سکتے ہیں؟

جب کچھ نہیں تو یہ توہم پرستی کے سوا اور کیا ہے ؟

بت پرستوں کا توہم ایمان بالآخرۃ نہیں

عرب جاہلیت بت پرستی کے مسئلہ میں لاجواب ہوکر کبھی تو یہ کہتے :۔ "ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ۔ ہم ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارا تقرب بڑھاویں "۔ ہم کو قرب الٰہی بخشیں اس موقع پر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فصوص الحکم (فص حکمت امامیہ کلمہ ہارونیہ) میں فرماتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ ذریعہ قرب بھی کہتے ہیں جو غیر مقصود بالذات ہونے پر دال ہے پھر عبادت کہتے ہیں جو اللہ کے ساتھ خاص ہے "۔ کبھی کہتے :۔ ھٰؤلآءِ شفعآؤنا عند اللہ اللہ کے ہاں یہی ہمارے شفیع ہیں "۔ اور یہ بھی اون کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص اون میں کا مر جاتا تو اوس کی سواری کو اوس کی قبر پر باندھ دیتے اس توقع پر کہ اگر حشر میں دوبارہ زندہ ہوکر اوٹھنا پڑے تو یہ شخص اوس سواری پر سوار ہوکر آئے ۔ میدان حشر میں پیدل چلنے پھرنے کی اوس کو زحمت نہ ہو۔ مگر ان اقوال و افعال سے کافروں کا ایمان

آخرت پر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ عالم آخرت عالم غیب ہے۔ اس کی خبر اللہ سبحانہ کی کتاب یا اوس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں ہی سے ہو سکتی ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام) جب ان کا ایمان کسی کتاب آسمانی پر نہیں اور نہ یہ کسی نبی ورسولؑ کو مانتے ہیں تو عالم آخرت کا تصور محض اون کا ذاتی تخیل وتوہم ہوا۔ ایسے تخیلات وتوہمات پر ایمان بالآخرۃ کا مفہوم صادق نہیں آسکتا۔ لہذا ان کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

احاد ظنّی چیزیں ہیں اِن سے عقاید ثابت نہیں ہوتے

ایمان بالآخرۃ اعتقادیات سے ہے۔ اعتقادیات کی بنیاد یقین پر ہے اسی وجہ سے احادیث احاد اس میں حجت نہیں کیوں کہ احاد سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یقینی نہیں بلکہ ظنّی ہے۔ البتہ اعمال میں احاد سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:۔ احذروا ھذا الرأی علی الدین فانّما کان الرأی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مصیبا لانّ اللہ تعالی کان یریہ وانّما ھومنّا

تکلّف وظنّ وانّ الظّنّ لا یغنی من الحقّ شیئًا (ابن ابی حاتم) دین کو اپنی رائے مسلط کرنے سے بچتے رہو کیوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک (بھی اگر ہوتی تو وہ) مصیب ہوتی تھی۔ اللہ سُبحانہ تعالیٰ سے آپؐ کو حق کا مشاہدہ کرا دیا جاتا تھا۔ یہی رائے (اگر) ہماری طرف سے ہو تو وہ تکلّف اور ظن ہے اور حق کے مقابلہ میں ظن کچھ بھی نہیں ہے۔" اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی فرماتے تھے:۔ اتّھموا الرّأی علی الدّین فانّ الرّأی منّا تکلّف وظنّ وانّ الظنّ لا یغنی من الحقّ شیئًا۔ (آدمی) دین کے معاملہ میں اپنی رائے کو متہم کیا کرو کیوں کہ ہماری رائے تکلف اور ظن ہے اور ظن بمقابلہ حق ہیچ ہے۔"

حق کی تفسیر

روح البیان میں ہے کہ یہاں "حق" سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام کے تین اقوال ہیں:

۱۔ حق سے مراد حقیقت شے ہے۔ انسان کو چاہیے کہ حقیقت کی تلاش کیا کرے اور ہر چیز کی حقیقت دریافت کرنے کی فکر میں لگا رہے۔ بلا تحقیق محض اپنے قیاس و گمان سے کام نہ لے۔

خصوصاً اعتقادیات میں کہ یہاں قیاس وگمان کی کوئی وقعت نہیں۔

۲۔ حق سے "علم" مراد ہے۔ جس کے دوسرے معنی یقین کے ہیں۔ عقائد میں علم یعنی یقین ہی کا اعتبار ہے۔ محض ظن وتخمین کارآمد نہیں۔ جیسا کہ کفار قریش کا حال تھا کہ اون کے اعتقادات کا دارومدار محض اپنے قیاسات اور گمانوں پر تھا۔ یقین سے اون کو کوئی تعلق نہ تھا۔

۳۔ حق سے مراد "عذاب" ہے۔ یعنی عذاب آخرت سے بچانے والی چیز گمان وقیاس نہیں ہوسکتی۔ کسی دین کے اختیار کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان آخرت کے ابدی عذاب سے محفوظ رہے۔ اگر اس میں لاپروائی برتی جائے۔ اور انسان اپنے زعم باطل پر اڑا رہے تو ایسے شخص کے حال پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

بہرحال "حق" سے مراد حقیقۃ ہو یا علم یقین یا عذاب آخرت ہر ایک معنی بجائے خود درست ہیں۔ آیت کریمہ "اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا" کے معنی یہ ہوئے کہ حقیقت، علم اور عذاب کے مقابلہ میں محض گمان وقیاس مفید نہیں۔

کشف کی حقیقت

یہی وجہ ہے کہ صوفیۂ کرام کے نزدیک کشف خیالی کی کوئی وقعت نہیں۔ کیوں کہ خیال کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں عموماً غلطی ہوا کرتی ہے۔ کوئی چیز اون پر منکشف ہوتی ہے تو اوس چیز سے کیا مراد ہے اوس کی تعیین مشکل ہو جاتی ہے۔ جب تک اوس کی تعیین، علم صحیح کی بنیاد پر نہ ہو کسی چیز کی نسبت متعین طور پر یہ سمجھ لینا کہ اس سے فلاں شئے مراد ہے سخت غلطی ہے کیوں کہ عالم خیال میں بہت وسعت ہے اور خیالی چیز میں احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم صحیح و یقین کامل کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمائے آمین۔

سیراب کُن ز بحرِ یقیں جان تشنہ را
زیں بیش خشک لب منشیں بر سرابِ ریب

تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ علم صحیح اور حقیقت واقعی کچھ اور ہی ہے، ظن و قیاس یہاں کار آمد نہیں مگر ایسی تقریر اون کے لئے مفید ہے جو حقیقت کے طالب ہیں اور ہر شئے کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں رہے وہ جن کا وتیرہ یہ ہے کہ نہ حقیقت پر غور کریں نہ دلائل سے

کام لیں اور ترغیب وترہیب وغیرہ کا طریقہ بھی اون کے حق میں موثر نہ ہو بلکہ وہ اعراض کرتے رہیں۔ اُن کی نسبت ارشاد ہو رہا ہے :—

فَاَعۡرِضۡ عَمَّنۡ تَوَلّٰی ۙ۬ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ 53-29

53-30

الدُّنۡیَا ؕ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ

ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ وَہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی ۚ تو آپ اعراض کیجئے الربع

عله اعرض اظهر عرضه ای ناحیته فاذا قیل اعرض لی کذا ای بدا عرضه فامکن تناوله واذا قیل اعرض عنی فمعناه ولی مبدیا عرضه۔ (مفردات)

اعرض کے معنی ہیں اپنا جانب ظاہر کیا چنانچہ جب اعرض لی کہا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اوس نے اپنا جانب ظاہر کیا جس کو چھونا یا لینا ممکن ہو۔ اور جب اعرض عنی کہا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اپنا جانب ظاہر کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔"

عله تولی۔ اذا عدی بنفسه اقتضی معنی الولایة وحصوله فی اقرب المواضع منه واذا عدی بعن لفظا او تقدیرا اقتضی معنی الاعراض وترك قربه۔ لفظ تولی جب اپنی ذات سے (بغیر کسی صلہ کے) متعدی استعمال کیا جائے تو

اوس سے جو منہ پھیر لے ہماری یاد سے اور اوس نے نہ چاہی مگر دنیا کی

(بقیہ حاشیہ ؎ صفحہ گذشتہ)

معنی ولایت کا مقتضی ہوگا اور قریب ترجگہ میں حاصل ہونے کے معنی ہوں گے۔ اور جب اوس کو عن کے ذریعہ متعدی کیا جائے خواہ کلمہ عن لفظاً ہو یا تقدیراً اعراض اور ترک قرب کے معنی ہوں گے"۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں معنی ثانی ہی مراد ہیں۔ "والتولّی قد یکون بالجسم وقد یکون بترک الاصغاء والائتمار۔ اور تولّی واعراض کبھی تو جسم کے ذریعہ ہوتا ہے مثلاً کسی چیز کی طرف سے منہ پھیر لینا۔ اور کبھی کسی بات پر کان نہ دھرنا اور حکم بجا نہ لانا"۔ **فقیر** کے نزدیک یہاں بھی معنی ثانی ہی زیادہ چسپاں ہیں۔ اگرچہ معنی اول بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

؎ الذکر تارۃ یقال ویراد بہ ھیئۃ للنفس بھا یمکن للانسان ان یحفظ ما یقتنیہ من المعرفۃ وھو کالحفظ الا انّ الحفظ یقال اعتبارا باحرازہ والذکر یقال اعتبارا باستحضارہ وتارۃ یقال لحضور الشیٔ القلب او القول ولذلک قیل الذکر ذکران ذکر بالقلب وذکر باللسان وکلّ واحد منھما ضربان ذکر عن نسیان وذکر لا عن نسیان بل عن ادامۃ الحفظ۔ (مفردات) ذکر سے مراد کبھی تو نفس کی وہ حالت ہے جس کے ذریعہ انسان معرفت حاصلہ کو یاد کرتا ہے اور یہ معنی حفظ کے مانند ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ

زندگی ۔ یہیں تک رسائی ہے اون کے علم کی ۔ اور یقیناً آپ کا پروردگار

(بقیہ حاشیہ ۳۰ صفحہ گذشتہ)

حفظ میں معرفت حاصلہ کے احاطہ کا اعتبار ہوتا ہے آور ذکر میں اوس کا استحضار یعنی معرفت حاصلہ کو ذہن میں پیش نظر رکھنے کا اعتبار ہے ۔ اور کبھی ذکر کا اطلاق کسی شئے کے دل میں یا کلام میں مستحضر رکھنے پر ہوتا ہے ۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ ذکر دو طرح کا ہے ۔ ایک ذکر قلبی دوسرا ذکر لسانی ۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا ۔ دوسرا کسی چیز کو بغیر فراموش کئے ہوئے یاد رکھنا ۔ گویا دائمی طور پر اوس کو اپنے حافظہ میں رکھنا ہے ۔"

۳۱ ۔ مبلغھم ۔ البلوغ والبلاغ الانتھاء الی اقصی المقصد والمنتھی مکانا کان او زمانا او امرا من الامور المقدرۃ وربما یعبر بہ عن المشارفۃ علیہ وان لم ینتہ الیہ ۔ (مفردات) مبلغ کا مادہ بلغ ہے جس کا مصدر بلوغ یا بلاغ ہے جو مقصد کی انتہائی آخری حد تک جاکر رک جانے کو کہتے ہیں اب وہ مکان ہو یا زمان یا کوئی پوشیدہ امر ۔ اور کبھی اوس کے ابتدائی سطح تک جانے کو بھی بلوغ کہتے ہیں اگرچہ انتہا تک نہ جائیں ۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں بھی آخری معنی مراد ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

خوب جانتا ہے اوس کو جو اوس کی راہ سے بہکا اور وہی خوب جانتا ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ع۵۔ ضلّ ۔ الضلال العدول عن الطریق المستقیم ۔ ویقال الضلال لکلّ عدول عن المنہج عمدًا کان او سہوًا یسیرًا کان او کثیرًا ۔ سیدھی راہ سے ہٹ جانے کو ضلال کہتے ہیں ۔ بہرحال اصلی راستہ سے جو بھی عدول ہو خواہ وہ دانستہ ہو یا بھول کر تھوڑا ہو یا بہت اوس کو ضلال ہی کہا جائے گا ۔ **فقیر** عرض پرداز ہے کہ یہاں عمدًا راہ راست سے عدول کرنا مراد ہی ۔ واللہ اعلم

ع۶۔ اھتدیٰ ۔ الاھتداء یختصّ بما یتحرّاہ الانسان علیٰ طریق الاختیار امّا فی الامور الدنیویّۃ او الاخرویّۃ ۔ یتناول وجوہ الاھتداء من طلب الھدایۃ ومن الاقتداء ومن تحرّیھا ۔ (مفردات) لفظ اھتداء اوس صورت کے ساتھ مختص ہے جس کو انسان اپنے اختیار کی راہ سے تلاش کرتا ہے ۔ خواہ اوس کی تلاش دنیوی امور میں ہو یا اُخروی میں اھتداء کی جملہ صورتوں کو شامل ہے ۔ یعنی ہدایت کو طلب کرنا ۔ اور (کسی ہدایت یافتہ کی) پیروی کرنا اور اوس کی جستجو میں رہنا ۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں امور اخروی کی تلاش و جستجو مراد ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اوس کو جو راہ راست پر ہے۔

ان آیات کریمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! جب آپ مشاہدہ فرماتے ہیں کہ اہل باطل حق کی طرف رجوع نہیں کرتے اور غیر اللہ کی پرستش سے باز نہیں آتے درحالیکہ وہ جن خرافات میں مبتلا ہیں اون سے دور رہنے کی آپ نے سعی بلیغ فرمائی اور حکیمانہ مواعظ و نصائح اون پر کچھ بھی مؤثر ثابت نہ ہو سکے بلکہ اوس سے ان کا اعراض ہی بڑھ رہا ہے تو آپ بھی اون سے اعراض کیجئے کیوں کہ مزید کوشش، تضیع اوقات، تکلیف مالایطاق، اور سعی لاحاصل ہے۔ یہ ہمارے ذکر ہی سے اعراض کر رہے ہیں۔ نہ تو ان کو ذکر الہٰی سے کوئی دلچسپی ہے جس کا اون کو حکم دیا گیا تھا "فاذکرونی اذکرکم"۔ تم میری یاد میں لگے رہو مجھے بھی تمھارا خیال رہے گا۔ اور نہ یہ ہماری کتاب (قرآن کریم) پڑھتے ہیں جو ذکر ہی کر ہے۔ "انا نحن نزلنا الذکر۔ ہم ہی نے ذکر (قرآن کریم) کو اتارا ہے"۔ اور نہ یہ آپ کی صحبت فیض میں رہتے ہیں جن کی شان یہ ہے:۔ "انما انت مذکر"۔ آپ تو صرف ہماری یاد دلاتے رہتے ہیں"

اگر یہ ہماری یاد میں رہتے، قرآن کریم پڑھتے، اور آپؐ کے فیضانِ صحبت سے فائدہ اُٹھاتے تو اُن کو اولین و آخرین کے علوم حاصل ہوتے علم الیقین نصیب ہوتا عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچتے۔ خیر آخرت جو مقصدِ زندگی ہے ان کو حاصل ہوتا۔ اور اس کے ضمن میں ان کی زندگی درست ہو جاتی۔ یہ قدر شناس نہیں۔ نہ ذکر الٰہی کی قدر جانی، نہ قرآن کریم کی قدر کی جو اس اہتمام سے نازل ہو رہا ہے، نہ آپ کی قدر جانتے ہیں کہ کس دل سوزی اور جاں کاہی سے آپؐ اون کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔

حضورؐ طبیبِ روحانی ہیں

آپ کی مساعی جمیلہ ایسے طبیب کے مانند ہیں جو کسی بیمار کا علاج، ابتداءً غذا سے کرنا چاہتا ہے۔ جب یہ سود مند دکھائی نہ دیا تو معمولی ادویہ سے کام لیا۔ یہ تدبیر بھی مفید ثابت نہ ہوئی تو قوی دوائیں دیں، اب اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو آخر العلاج الکیّ پر عمل کرنا ہوگا کہ آخری صورت موضع مرض کو داغ دینا، یا عضو فاسد کو کاٹ کر پھینک دینا ہے تاکہ دیگر اعضائے صالحہ سلامت رہ سکیں اور مریض کی جان

بچے :۔

با سیہ دل چہ سود گفتن وعظ نہ رود میخ آہنیں در سنگ

مرضِ رُوحانی کے مدارج اور اُوس کا علاج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ٹھیک یہی طریقہ اختیار فرمایا کہ قریش جو روحانی مرض (کفر وشرک) میں مبتلا تھے ابتداءً اون سے فرمایا :۔ قولوا لا آلٰه الا اللہ ۔ یوں کہو کہ اللہ سُبحانہ کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں ۔" ظاہر ہے کہ کلمۂ لا آلہ الا اللہ افضل الذکر ہے اور بموجب الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اسی سے قلب مومن کی تسکین ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اون کے ہم خیال اصحاب نے اس کی تصدیق کی صدق دل سے یہ کلمہ پڑھا اور اطمینانِ قلب کی نعمت سے متمتع ہوئے ۔ اور جن کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا اون کو دلائل سُنائے گئے ۔ اولم یتفکروا ۔ قل انظروا ۔ فلا یتدبرون وغیرہ کے ذریعہ اون کو دعوت غور وفکر دی گئی ۔ ثانوی درجہ کا سمجھ دار طبقہ اس سے متاثر ہوا ۔ اور اونھوں نے دینِ حق کو

قبول کر لیا مگر قریش میں بہت سارے افراد ایسے تھے کہ اون کے لئے یہ تدبیر بھی موثر نہ تھی چنانچہ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو تخویف و تہدید سے کام لیا گیا۔ یعنی بد اخلاقی' بدکرداری' بدعقیدگی کی خرابیوں' اور اون کے بُرے نتائج سے آگاہ فرمایا جو حیات دنیوی اور اخروی میں انسان کو پیش آتے ہیں۔ اسی ضمن میں امم سابقہ کے حالات' اون کی کجروی' انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے ساتھ اون کا سلوک اور آخر پر اون اقوام و امم کی جو تباہی و بربادی ہوئی اور اون پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب مختلف صورتوں میں آتا رہا اوس کو واضح طور پر سمجھا دیا۔ جو طبقہ تیسرے درجہ کے سمجھ دار لوگوں کا تھا اس سے متاثر ہوا اور یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ سب سے آخر پر ایسے اشخاص رہ گئے جن کی عقل و دانش پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جو مہلک امراض روحانی میں مبتلا رہنے کے باوجود کسی مفید بات کے سننے پر بھی آمادہ نہ تھے دل و دماغ اتنے مسخ ہو چکے تھے کہ اون کو نہ اپنی سیاہی نظر آتی تھی نہ اپنی بیماری کا احساس تھا۔ دوسروں کے احوال سے سبق لینے کا اون میں نہ مادہ ہی تھا نہ حق کو قبول کرنے کی استعداد۔ ان کو

جس طریقہ سے بھی سمجھایا جائے اوس کا اُلٹا اثر ان پر پڑتا تھا۔ جب کسی قوم کی حالت ایسی ہو تو ان سے اعراض کرنے کے سوا اور کیا راہ عمل باقی رہ جاتی ہے؟ یہی ہوا کہ اون کے اعراض کا جواب، اعراض ہی سے دیا گیا۔ حکم بھی یہی تھا۔ "فاعرض عمّن تولّی عن ذکرنا" جو ہماری یاد سے روگردانی کرتا ہے آپ بھی اوس سے اعراض کیجئے"۔ یہ یاد رہے کہ اس اعراض میں بھی محبت و خیر خواہی کا تصور طبیب اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔ مریض کے علاج سے مایوس اب بھی نہیں۔

شدت مرض اور اوس کا سبب

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ مرض کی اس شدت کا سبب کیا ہے؟ بالفاظ دیگر ذکر الٰہی سے کفار کو اعراض کیوں ہے؟ اوس کی علت اور سبب کا بیان اس کے بعد فرمایا گیا ہے:۔ ولم یرد الا الحیٰوۃ الدّنیا ذٰلک مبلغھم من العلم۔ اور وہ کوئی مقصد ہی نہیں رکھتا بجز دنیوی زندگی کے یہی اون سب کے علم کی حد ہے"۔ یعنی یہ چند روزہ زندگیٔ دنیا ہی اوس کا مقصد حیات اور مبلغ علم بنی ہوئی ہے۔ وہ جو کام کرتا ہے دنیا کے لئے اور صرف دنیا کے لئے۔ اس کے سوا

اور کوئی چیز اوس کا مقصد نہیں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اہل دنیا کو دیکھتے جایئے کہ وہ جس قدر کام کاج کرتے ہیں۔ اون کی جس قدر تقریریں ہیں، اون کے جو بھی منصوبے ہیں اور وہ جو بھی سوچتے ہیں اوس کا مآل اور انجام کیا ہے دنیا اور محض دنیا۔ یہی چندروزہ حیات فانی اور اوس کی بہتری و برتری اون کا نصب العین ہے اور بس۔

اہلِ دنیا کا حال

یہ نہیں کہ اہل دنیا کچھ نہیں کرتے۔ وہ بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ کارخانے قائم کرتے ہیں۔ نت نئی ایجادات کرتے ہیں۔ مشنریاں بناتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں اشیاء ڈھال لیتے ہیں۔ اور اون کو دنیا کے اس سرے سے اوس سرے تک پھیلا دیتے ہیں۔ یہ حال اون کے صناعوں اور اون کی صنعت کا ہے۔ کوئی پیشہ ور ہے اور اس کے بھی اقسام ہیں۔ کوئی کسان اور مزارع ہے تو کوئی تاجر، کوئی طبیب ہے تو کوئی مہندس، کوئی سیر فی الارض کر رہا ہے تو کوئی سمندروں کے چکر کاٹ رہا ہے۔ کوئی ہوا میں اُڑ رہا ہے تو کوئی طبقات الارض کی تحقیق کر رہا ہے۔ کوئی سمندروں میں غوطے لگا رہا ہے تو کوئی غور و فکر میں صبح سے

شام تک غرق ہے۔ مگر اس تمام تر کدو کاوش کا خلاصہ کیا؟ بس یہی دنیا اور اوس کی زندگی۔

دنیا والوں کا علم

یہی حال اون کے اہل علم اور ماہرین کا ہی کہ وہ جو علوم پڑھتے پڑھاتے اور اپنی عمریں تحصیل علم میں صرف کر دیتے ہیں۔ علوم و فنون ایجاد کرتے۔ اصطلاحات قائم کرتے، اصول وضع کرتے اور اون سے مسائل کا استنباط کرتے۔ چھوٹی بڑی کتابیں لکھتے، شائع کرتے، تصنیف و تالیف میں لگے رہتے تحقیق و تدقیق کرتے اور اپنے خیالات پھیلاتے ہیں۔ لیکن اس سردردی اور دماغ سوزی کا ماحصل بھی یہی دنیا اور اوس کی چند روزہ فانی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اون کی یہ کتابیں ابتدا سے انتہا تک پڑھتے جائیے آخرت، وحی، رسول، خدا کا کہیں ذکر نہیں۔ جس قدر بھی زور قلم دکھایا گیا ہے اوس کا نتیجہ دنیا اور اوس کی محدود زندگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ خواہ وہ حساب کی کتاب ہو یا جغرافیہ کی، طب ہو یا انجنیری و ہندسہ کی۔ سائنس ہو یا اعلیٰ ریاضی، طبقات الارض سے متعلق ہو یا ہیئت کی۔ علم معادن سے متعلق ہو یا سیاسیات، معاشیات، لسانیات یا

تاریخ، فلسفہ، ہو یا منطق، اہل دنیا ہیں کہ ان ہی علوم و فنون کے پیچھے مدۃ العمر حیران و سرگرداں ہیں سالہا سال سے اسی گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ امتحانات دیتے اسناد حاصل کرتے، تحقیقات کرتے، مدارج حاصل کرتے ہیں مگر کہیں آخرت، وحی، رسول یا خدا کا ذکر ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا کی حقیقت

سہل بن سعد ساعدیؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لوکانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منھا شربۃ ماء۔ (ترمذی) اگر دنیا کی وقعت، اللہ سبحانہ کے پاس مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو منکر خدا کو پانی کا ایک چلو بھی نہ ملتا۔ جب ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ منکرین خدا کو اتنی بڑی بڑی سلطنتیں دی گئی ہیں تو معلوم ہوا کہ اس دنیا کی اللہ سبحانہ کے ہاں کچھ بھی وقعت نہیں۔

مستوردؓ بن شداد کا بیان ہے کہ میں اوس جماعت میں شامل تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بکری کے مرے ہوئے بچے کے پاس کھڑی ہوئی تھی اس وقت حضورؐ نے فرمایا:۔ اترون ھذہ

ھانت علی اھلھا حین القوھا۔ تمہاری رائے کیا ہے کہ یہ (بکری کا بچہ) جن لوگوں کا تھا اون کے ہاں اتنا حقیر قرار پایا کہ اونھوں نے اس کو یہاں پھینک دیا ہے؟ سب نے عرض کیا: ۔من ھوا نھا القوھا یارسول اللہ۔ اوس کے حقیر ہونے کے باعث ہی اوس کو یہاں لوگوں نے پھینک دیا ہے۔" تو آپؐ نے فرمایا: ۔"الدنیا اھون علی اللہ من ھذہ علی اھلھا۔" ساری دنیا، اللہ سبحانہٗ کے ہاں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا کہ یہ بچہ ان لوگوں کے نزدیک حقیر تھا۔"

انھیں سے ایک اور روایت ہے کہ حضورؐ اکرم نے فرمایا: ۔

ما الدنیا فی الآخرۃ الا مثل ما یجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بما ذا ترجع۔ آخرت کے مقابلہ میں، دنیا کی مثال ایسی ہی کہ تم میں سے کوئی شخص کسی بہتی ہوئی ندی میں اپنی انگلی ڈبو کر دیکھے کہ اوس کو کتنا پانی لگ کر آتا ہے۔"

حضورؐ کی ایک دعا و مناجات

یہی سبب تھا کہ سرورِ عالمؐ عموماً مجلس برخاست فرماتے ہوئے اپنی مناجات میں

یوں فرمایا کرتے تھے :۔ اللھم لاتجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا (ترمذی عن ابن عمرؓ) ۔ الٰہی ! دنیا کو ہمارا مقصد اعلیٰ اور ہمارے علم کی رسائی کی آخری حد نہ بنا "

ذکر اللہ اور علمِ آخرت

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے :۔ " ان الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالما ومتعلما " یقیناً دنیا ملعون ہے یعنی رحمت الٰہی سے دور ہے اور اوس میں جو کچھ ہے وہ بھی ملعون اور رحمت سے بعید ہے مگر اللہ کا ذکر (اوس کی یاد) اور اوس سے ملتی جلتی باتیں نیز عالم (جاننے والا) یا متعلم (علم سیکھنے والا طالب علم)" یہاں علم سے علم آخرت ہی مراد ہے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ اور علم آخرت ہی اس دنیا میں مومن کا مقصد اصلی ہے اگر یہ نہ ہو تو اوس کے آگے ساری دنیا ہیچ ہے ۔

حیات دنیا کا مفید پہلو

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا و ما فیہا کی مذمت، قرآن کریم

احادیث شریفہ، اور اکابردین کے ارشادات میں جس قدر وارد ہوئی ہے اوس سے مراد آخرت سے باز رکھنے والی چیز ہے۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ عارفین فرماتے ہیں:۔ "ما الهاك عن مولاك فهو دنياك۔ جو چیز بھی تم کو اپنے مولی سے غافل کرتی ہو وہی تمہاری دنیا ہے" ومشئوم عليك۔ اور یہی غفلت تمہارے حق میں بری ہے۔" واما ما يقرب الى الله ويعين الى عبادته فممدوح۔ رہی وہ چیز جو تقرب الی اللہ کا باعث ہو اور اوس کی عبادت و اطاعت میں معین و مددگار ہو وہ قابل تعریف ہے۔" چنانچہ حضور انور روحی فداہ نے ارشاد فرمایا:۔ "لا تسبوا الدنيا فنعمت مطية المومن۔ دنیا کی مذمت نہ کرو کیوں کہ وہ مومن کی بہترین سواری ہے۔" اوسی کے ذریعہ خیر آخرت تک رسائی اور شر سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ عارفین کاملین کا ارشاد ہے:۔ "من ذم الدنيا فقد عق امه۔ جس نے دنیا کی مذمت کی وہ اپنی ہی ماں کا عاق (نافرمان) ثابت ہوا" کیونکہ جس قدر خرابیاں اور آفات، لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں درحقیقت وہ افعال دنیا کے نہیں بلکہ ابناء دنیا کے ہیں۔ شر، حقیقۃً مکلّف کا

فضل ہے نہ کہ دنیا کا۔ دنیا تو حدیث شریف کی رو سے صرف ایک سواری ہے۔ اب سوار کا فرض ہے کہ وہ اوس پر سوار ہو کر خیر کی طرف جائے اور شر سے دور رہے۔ دنیا جب ماں ہے تو کوئی ماں اپنی اولاد کی تباہی نہیں چاہتی۔ عارف رومی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا:

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
مال را از بہر دیں باشی حمول نعم مال صالح خواندش رسول
آب در کشتی ہلاک کشتی است آب اندر زیر کشتی پشتی است
چوں کہ مال و ملک را از دل براند زاں سلیماں خویش جز مسکیں نخواند

دنیا قابلِ عبور پل ہے

حضور انور ارواحنا لہ فداہ نے یہ بھی فرمایا: "الدنیا قنطرۃ فاعبروھا ولا تعمروھا۔ دنیا ایک پل ہے اوس پر سے عبور کرو۔ اوس پر (مکان) تعمیر کر کے بسے رہنے کی فکر نہ کرو" اسی وجہ سے کہا گیا ہے:۔

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے" اس تھوڑی سی محدود زندگی میں آخرت کا جو سامان بھی کیا جائے وہی حاصل زندگی ہوگا

اگر وہ خیر ہے تو آخرت میں کارآمد ہوگا اور اگر خیر نہیں تو پھر خیر نہیں۔ خادمی حافظی۔

امورِ آخرت کا مذموم طریقۂ استعمال

اگر علوم آخرت بھی پڑھے ہیں اور اعمال آخرت بھی کئے ہیں مگر اللہ کے لئے نہیں بلکہ حصول جاہ کے لئے۔ زہد و تقوی بھی ہے اور کشف و کرامات اور خوارق عادات بھی ہیں مگر شہرت اور نام و نمود کے لئے یا حصول مال اور قبول خلق کے لئے تو اس پر بھی ولم یرد الّا الحیوٰۃ الدّنیا کا اطلاق ہوگا۔ اور یہی اون کا مبلغ علم قرار پائے گا۔ واللہ الموفّق۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انّ اوّل النّاس یقضی علیہ یوم القیامۃ رجل استشھد فاتی بہ فعرّفہ نعمتہٗ فعرفھا فقال فما عملت فیھا قال قاتلت فیك حتّی استشھدت قال کذبت ولکنّك قاتلت لان یقال جریٔ فقد قیل ثمّ امر بہ فسحب علی وجھہ حتّی القی فی النّار۔ ورجل تعلّم العلم وعلّمہ وقرأ القرآن فاتی بہ فعرّفہ نعمہ

فعرفها قال فما عملت فیھا قال تعلمت العلم وعلمتہ وقرأت فیك القرآن قال کذبت ولکنك تعلمت العلم لیقال انك عالم وقرأت القرآن لیقال ھو قاری فقد قیل ثم امر بہ فسحب علی وجھہ حتی القی فی النار۔ ورجل وسع اللہ علیہ واعطاہ من اصناف المال کلہ فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفھا قال فما عملت فیھا قال ما ترکت من سبیل تحب ان ینفق فیھا الا انفقت فیھا لك قال کذبت ولکنك فعلت لیقال ھو جواد فقد قیل ثم امر بہ فسحب بہ علی وجھہ ثم القی فی النار۔ تمام لوگوں میں سب سے پہلے، قیامت کے دن، جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوگا وہ شہید ہوگا جس کو (باری تعالیٰ کے حضور میں) لایا جائے گا تو اوس کو وہ نعمتیں یاد دلائی جائیں گی (جو اللہ سبحانہ نے اپنے فضل وکرم سے اوس کو دی تھیں) وہ اون کا اقرار کرے گا تو سوال ہوگا کہ (ان نعمتوں سے سرفراز ہوکر) اوس نے کیا شکر ادا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا کہ تم غلط کہتے ہو۔ تم نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ تمھاری نسبت لوگ یہ کہنے لگیں کہ بڑے

بہادر ہو۔ چنانچہ ایسا کہا جاتا رہا۔ اس کے بعد حکم الٰہی سے اوس کو منہ کے
بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ادھر اور ایک شخص ہوگا جس نے
علم حاصل کیا اور اوس کی تعلیم دیتا رہا اور قرآن کریم پڑھتا رہا۔ اوس کو لاکر
سابقہ نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ جب وہ بھی اقرار کر چکے گا تو پوچھا جائے گا
کہ تم نے کیا کیا؟ عرض کرے گا کہ میں نے علم سیکھا اور مدۃ العمر اوس کی تعلیم
دی اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہا۔ ارشاد ہوگا کہ یہ بھی غلط۔
تمہاری تعلیم و تعلم کا مقصد یہ تھا کہ تم کو بڑا عالم کہا جائے اور مقصد تلاوت
یہ تھا کہ تم کو بڑا قاری کہا جائے۔ چنانچہ تم کو عالم و قاری کے القاب سے
یاد کیا جاتا رہا (ہماری خوشنودی تو تمہیں مطلوب نہ تھی) اس کو بھی امر الٰہی سے
گھسیٹ کر دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ ادھر اور ایک شخص ہوگا
جس کو اللہ سبحانہ نے بڑی وسعت دے رکھی تھی اور اقسام کے مال و
دولت سے سرفرازی بخشی تھی۔ اوس کو بھی یہ نعمتیں یاد دلائی جائیں گی
جب وہ اس کو تسلیم کرلے گا تو ارشاد ہوگا کہ پھر تم نے کیا کیا؟ عرض پرداز
ہوگا کہ ابواب خیر کا کوئی پہلو جس میں آپ کی رضا ہو نہیں چھوڑا جس میں
میں نے حصہ نہ لیا ہو جواب ملے گا کہ غلط کہتے ہو۔ تم نے اس لئے

دیا تھا کہ لوگوں میں تمھارے جود وسخا کا خوب چرچا ہو۔ چنانچہ تمھاری داد و دہش کی خوب دھوم رہی۔ اس کی نسبت بھی حکم ہوگا تو اس کو بھی گھسیٹتے ہوئے لے جاکر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔" ؎

زعمرو اے پسر چشم اجرت مدار چو در خانۂ زید باشی بکار

جب علوم و کمالات دینی اور اعمال آخرت کا یہ حال ہے جو سراسر حسنات و صالحات ہیں کہ محض نیت کی خرابی اور فساد سے آخرت میں رائگاں اور بے نتیجہ رہ جاتے ہیں تو جن علوم و کمالات کا تعلق محض دنیوی زندگی سے ہے اور جن کا فائدہ اس مختصر عنصری عالم تک محدود ہے عالم آخرت میں وہ کس طرح کار آمد ہوسکتے ہیں۔ ان دنیوی علوم اور دنیوی اعمال میں اس درجہ انہماک کہ آخرت کا خیال بھی کبھی دل میں نہ آنے پائے بلکہ آخرت سے اعراض و روگردانی کی صورت ہو اور ان علوم پر یہ فخر و ناز اور ان دنیوی اعمال پر یہ غرور اور گھمنڈ بتلایئے کہ کہاں کی عقل مندی اور فرزانگی ہے۔ ان علوم و صنائع پر اہل مغرب ہیں کہ رات دن متوجہ ہیں اور اہل مشرق ان کی اتباع و خدمت گزاری میں لگے ہوئے ہیں غور کیجیے کہ

"لم یرد الا الحیوۃ الدنیا" کا مصداق نہیں تو اور کیا ہیں؟ ساری عمر دنیا اور حیات دنیا کی آسائش و آرائش کے سامان میں صرف کر دی جائے تو آخرت میں تہیدستی اور تہی دامانی کے سوا اور کیا رہے گا۔ :ے

گراز پئے شہوت و ہوا خواہی رفت — از من خبرے کہ بینوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی و از کجا آمدہ — میدان کہ چہ می کنی کجا خواہی رفت

جہل مرکب اور اس سے اعراض کا حکم

بعض طبائع انسانی ایسے ہیں کہ باطل پر اڑے رہنے اور باطل پرستی میں پڑے رہنے کے باوجود ڈھٹائی اور جسارت سے کہتے ہیں کہ ہم جس راستے پر گامزن ہیں یہی ٹھیک ہے۔ یہ جہل مرکب ہے۔ ان جیسے لوگوں کے لئے ارشاد ہوا:۔ "ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بمن اھتدیٰ" بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اون کو جو اوس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اون کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں۔" یعنی اس قماش کے لوگوں سے بحث نہ کیجئے اور نہ اون سے منہ لگیے

یہ تو بات کرنے کے قابل ہی کب ہیں ؟ اُن کو اللہ سبحانہ کے حوالہ فرمائیے

اللہ سبحانہ کے ہاں دونوں فریق کا فیصلہ ہو جائے گا اور عالم آخرت

میں معلوم ہو جائے گا کہ باطل پر کون تھا اور حق پر کون ؟ یہاں ہر شخص

مدعی ہے کہ وہی حق پر ہے : ؎

آں کس کہ بہ بیار و درم زو نرہا آنست جوابش کہ جوابش ندہی

حدیث قدسی میں ہے جس میں باری تعالیٰ عزّ اسمہ کا ارشاد

ہے : ۔ خلقت الجنّۃ وخلقت لھا اھلا وخلقت النّار و

خلقت لھا اھلا فطوبیٰ لمن جعلتہ اھلا للجنّۃ و ویل لمن

جعلتہ اھلا للنّار ۔۔۔ میں نے جنت بنائی اور اوس میں رہنے

والے بھی بنائے اور میں نے دوزخ بھی پیدا کی اور اوس میں جانے

والوں کو بھی پیدا کیا ۔ لہٰذا خوشی ہو اون کو جنھیں میں نے جنت کے

قابل بنایا اور خرابی ان کی جن کو قابل دوزخ بنایا "

العیاذ باللہ ۔

مظاہر لطف و مظاہر قہر

حقیقت یہ ہے کہ جس کی سرشت ہی بدہی

اور جس کا نفس ازل ہی سے کافر ہے

اوس میں قبول حق کی استعداد ہی کہاں ہے؟ جو ازل ہی سے مظہر القہر بنا ہوا ہے وہ ابد میں مظہر لطف کیوں کر بن سکتا ہے؟ لہٰذا ایسے بدنہاد اشخاص سے ہم کلام ہونا مفید نہیں ان کو اللہ سبحانہ پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ اوس کی بازپرس سے کبھی چھوٹ نہیں سکتے۔ اور اوس کی گرفت سے کہیں نکل نہیں سکتے۔

امام رازیؒ کی تحقیق

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں کفار سے اس طرح اعراض کرنے سے متعلق آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں وہ آیۃ قتال کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ لہٰذا یہ آیہ کریمہ بھی منسوخ ہے۔ اس کے متعلق امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:— وھو باطل لانّ الامر بالاعراض موافق لآیۃ القتال فکیف ینسخ بھا۔ یہ قول باطل ہے کیوں کہ اعراض کا حکم آیت قتال کے موافق ہے پھر آیۃ قتال سے یہ حکم منسوخ کیوں ہو سکتا ہے؟ وذالک لانّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاوّل کان مامورًا بالدعاء بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فلمّا عاندوہ باباطیلھم امر بازالۃ شبھھم والجواب عنھا فقیل لہ

وجادلهم بالتی هی احسن ثم لما لم ینفع ذلك فیهم قیل له اعرض عنهم ولا تقابلهم بالدلیل والبرهان فانهم لا ینتفعون به وقاتلهم۔ والاعراض عن المناظرۃ شرط لجواز المقاتلة فکیف یکون منسوخا بها۔ منسوخ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداءً یہ حکم ہوا کہ آپ حکمۃ اور موعظۂ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو دعوت حق دیجئے۔ جب وہ اپنے باطل خیالات کے ذریعہ اوس کا معارضہ کریں تو اون کے شبہات کا ازالہ فرمایئے اور اون کے اعتراضات کا جواب دے دیجئے۔ چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ بہترین طریقہ پر اون سے بحث کیجئے۔ پھر جب یہ تدبیر بھی اون کے حق میں مفید نہ ہو اور اون کا اعراض ہی بڑھتا جائے تو آپ بھی اون سے اعراض کیجئے۔ دلیل و برہان سے اون کا مقابلہ نہ فرمایئے کیوں کہ وہ اس سے منتفع نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد (وہ آمادۂ قتال ہوں تو) اون سے قتال کیجئے۔ بہر حال مناظرہ اور بحث سے اعراض کرنا اور اون کا آمادۂ قتال ہونا جب جواز قتال کی شرط ٹھہری تو آں حضرت کا اون سے اعراض فرمانا منسوخ کیوں ہوگا۔

لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے یعنی آج بھی اس کا حکم جاری ہے۔
واللہ اعلم۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ ۱ 53-31
اَسَآءُوْا ۲ بِمَا عَمِلُوْا ۳ وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا ۴ بِالْحُسْنٰی ۵ ۝

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

۱ لیجزی۔ الجزاء الغناء والکفایۃ او ما فیہ الکفایۃ من المقابلۃ ان خیرا فخیر وان شرا فشر یقال جزیتہ کذا وبکذا۔ (مفردات)
جزاء کے معنیٰ غنا اور کفایت کے ہیں۔ یا جس میں مقابلۃً کفایت ہو۔ اگر کوئی کام اچھا ہو تو اوس کی جزا بھی اچھی ہوگی اور برا ہو تو بری۔ محاورہ ہے جزیتہ کذا وبکذا۔ یعنی میں نے اوس کو بے نیاز کر دیا یا فلاں چیز کے ذریعہ سے بے نیاز کیا اور بس کر دیا۔ گویا جزیت کا استعمال' صلۂ باء کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور بغیر باء کے بھی۔ اس آیۂ کریمہ میں اس کا صلہ باء کے ساتھ آیا ہے۔ والجزاء یقال فیما کان عن عقد وغیر عقد ویقال فی النافع والضار۔ (مفردات)

زمین میں ہے تاکہ جزا دے اون کو جنھوں نے

(بقیہ حاشیہ علی صفحہ گزشتہ)

اور جزا کا اطلاق، اوس کام پر بھی ہوتا ہے جو ایجاب و قبول کے ذریعہ طے ہوا ہو یا اس کے بغیر ہو۔ نیز اس کا اطلاق مفید امور میں بھی ہوتا ہے اور ضرور رساں امور میں بھی "
چنانچہ اس آیہ کریمہ میں ہر دو صورتوں سے متعلق جزا کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔

عـ۲ـہ اساءوا۔ السّوء کلّ ما یغمّ الانسان من الامور الدنیویّة والاخرویّة ومن الاحوال النفسیّة والبدنیّة والخارجة من فوات مال وجاه وفقد حمیم ۔ (مفردات) ہر وہ چیز جو انسان کو غمگین کرتی ہے وہ سوء ہے خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی۔ خواہ وہ نفسی حالات سے متعلق ہو یا بدنی سے۔ مال وجاہ کے فوت ہوجانے کی وجہ سے ہو یا گرم جوشی دکھانے والے دوست کے گم ہوجانے سے " اسی سے اساءوا بنا ہے۔

عـ۳ـہ عملوا۔ العمل کلّ فعل یکون من الحیوان بقصد فھو اخصّ من الفعل لان الفعل قد ینسب الی الحیوانات التی یقع منھا فعل بغیر قصد وقد ینسب الی الجمادات، والعمل قلّما ینسب الی ذالک ولم یستعمل العمل فی الحیوانات الا فی قولھم البقر العوامل والعمل یستعمل فی الاعمال

برائی کی ہے اون کے عمل کی' اور جنھوں نے بھلائی کی ہے اون کو

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

الصالحۃ والسیئۃ۔ (مفردات) جو فعل کسی جان دار سے بالارادہ صادر ہو وہ "عمل" ہے۔ لہٰذا عمل بہ نسبت فعل کے خاص ہے کیوں کہ فعل کی نسبت جانوروں کی طرف بھی ہوتی ہے جن سے کوئی فعل بلا قصد صادر ہو۔ اور کبھی فعل کی نسبت جمادات کی طرف بھی کی جاتی ہے اور عمل کی نسبت اون کی طرف بہت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ "عمل" کی نسبت جانوروں کی طرف نہیں کی گئی۔ بجز ایک محاورہ کے جس میں کہا جاتا ہے البقر العوامل یعنی کام کرنے والے گائے بیل۔ نیز عمل کا استعمال اچھے برے سب اعمال میں ہوتا ہے" چنانچہ اس آیۂ کریمہ میں برے کام میں عملوا کا استعمال فرمایا گیا ہے۔

۴ احسنوا۔ الاحسان یقال علی وجہین احدھما الانعام علی الغیر یقال احسن الی فلان والثانی احسان فی فعلہ و ذلک اذا علم علما حسنا وعمل عملا حسنا۔ (مفردات) احسان کا اطلاق دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا یا انعام دینا۔ اس صورت میں احسن الی فلان کہتے ہیں یعنی اس کا صلہ الیٰ کے ساتھ آتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی اچھا کام کرنا مثلاً اچھا علم حاصل کرنا یا اچھا عمل کرنا" یہاں معنی

جزا دے بہترین بھلائی کے ساتھ"

مملکت الٰہیہ کی وسعت

یہ کس طرح چھوٹ سکتے ہیں اور کہاں جا سکتے ہیں درحالیکہ یہ آسمان جو سایہ فگن ہے اور یہ زمین جو اون کا مستقر ہے سب کچھ اللہ سبحانہ کی

(بقیہ حاشیہ ع۲ صفحہ گذشتہ)

ثانی ہی مراد ہیں۔

ع۵ الحسنیٰ ۔ والفرق بین الحسن والحسنة والحسنیٰ ان الحسن یقال فی الاعیان والاحداث وکذلك الحسنة اذا کانت وصفا و اذا کانت اسما فمتعارف فی الاحداث ۔ والحسنیٰ لا یقال الا فی الاحداث دون الاعیان ۔ (مفردات) حَسَنٌ اور حسنة اور حُسنیٰ میں فرق یہ ہے کہ حَسَن کا اطلاق اعیان اور احداث دونوں میں ہوتا ہے اور حَسَنَةٌ کا استعمال دو طرح ہے ۔ کبھی یہ صیغہ صفت مشبہ کے لئے ہوتا ہے اور کبھی اسم ہوتا ہے۔ اگر صفت مشبہ کے لئے ہو تو یہ بھی حسن کی طرح اعیان و احداث دونوں پر بولا جائے گا ۔ اور اگر اسم ہو تو عرفاً اس کا اطلاق احداث ہی پر ہوا کرتا ہے ۔ مگر حسنیٰ کا اطلاق صرف احداث میں ہوتا ہے اعیان پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا"

ملک اور اوسی کے اقتدار میں ہے۔ آسمان ہو یا زمین، سب اوسی واحد قہار کی قلمرو ہیں۔ آسمان اور اوس کا مافوق، (عرش و کرسی، لوح و قلم، قاب قوسین او ادنیٰ، ماوراء اور وراء الوریٰ) یا زمین اور اوس کے ماتحت، (طبقات الارض، معدنیات، میاہ و انہار، ثور و ماہی) اور آسمان و زمین کے درمیان (ابر و باد، تار و زہرہ، برق و باراں، رعد و صاعقہ، اور اثیر و اثیریات) میں اوسی کا حکم نافذ ہے۔ اوس کے سوا نہ کسی کا اقتدار ہے نہ شرکت، لہٰذا مسیئین اور محسنین (بدکار اور نیکوکار) یوں ہی نہیں چھوڑ دئے جائیں گے ہر ایک کو اون کی جزائے اعمال مل کر رہے گی۔ جس کا اہتمام خالق کائنات نے بطور خاص فرمایا ہے جبھی تو ہر ایک گروہ کی جزاء کا ذکر جداگانہ طور پر کلمہ لیجزی کی تکرار سے فرمایا گیا ہے۔

نکتہ سیاق کلام اس کا مقتضی ہے کہ محسنین کی جزا بِالْحُسْنیٰ (نہایت ہی بہتر) بصیغہ اسم تفضیل جب رکھی گئی ہے تو مسیئین کی جزا بالسُّوْءیٰ (نہایت ہی بدتر) بصیغہ اسم تفضیل ہو اور یہی امر واقعہ ہے جیسا کہ سورۃ الرُّوْم میں صراحت ہوئی ہے ثُمَّ کَانَ

عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْآٰی۔ پھر ہوا انجام اون لوگوں کا جنھوں نے
برائی کی تھی نہایت ہی بدتر" مگر یہاں صرف حسنیٰ کا ذکر فرما کر اوس کے
مخالف پہلو سُوْآٰی کی تصریح کو نظر انداز کیا گیا کہ الکنایۃ ابلغ
من التصریح کا اصول پیش نظر رہے۔ اور بدعمل طبقہ کے سمجھدار اشخاص
اس تنبیہ سے متنبہ ہو کر بدعملی سے باز آجائیں اور آخرت میں سزایاب
ہونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔

دُوسرا نکتہ دیگر یہ کہ جزائے اعمال کا قاعدہ مقرر ہے۔
"من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن
جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا۔ جو کوئی ایک نیکی لاتا ہے تو اللہ سبحانہ
کے ہاں اوس کی جزا اوس جیسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لاتا ہے
تو اوس کو اوس جیسی صرف ایک برائی جزا میں ملتی ہے" اور اللہ سبحانہ
کا فضل وکرم شامل حال ہو تو الحسنۃ بعشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف
ایک نیکی کے بدلے دہ گونہ نیکیاں اور اس سے بڑھتے بڑھتے ہفت صد گونہ اجور مضاعفہ
کی صورت میں محسنین کو ملیں گی اور جو مسیئین پر فضل ہوا تو عفو و درگزر ہی کارفرما ہو سکتا ہے
اسلئے حسنیٰ کی صراحت فرمادی گئی لیکن سُوْءٰی کو سرے سے نظر انداز ہی فرمادیا گیا۔ واللہ اعلم

جزائے اعمال و مکافاتِ عمل

اس آیۂ کریمہ میں یہ بتانا منظور ہے کہ افعال الٰہیہ لوگوں کی استعداد و قابلیت کے بموجب ہیں جس کی جیسی استعداد ہوگی اوس کے لحاظ سے فعل الٰہی کا ظہور ہوگا کیوں کہ کارخانہ قدرت کی ہر چیز نہایت سلیقہ اور باقاعدہ نظام کے ساتھ ٹھیک طور پر اپنے اپنے محل میں رکھی گئی ہے۔ ورنہ اس اعتبار سے کہ تمام آسمانوں اور اون کے مافوق درجات یا زمین اور اوس کے ماتحت طبقات، خدائے قدوس کی ملک و اقتدار میں بلا شرکت احدے ہیں اگر کوئی چیز بے محل بھی رکھ دی جاتی تو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوتا۔ بریں ہم جب ہر چیز برمحل ہے تو منشائے الٰہی یہی معلوم ہوا کہ نظام عالم کے شیرازہ کو مکافات عمل کے قانون سے مربوط کیا جائے۔ اور ہر ہر عمل کی جزا مقرر کردی جائے تا کہ عدل قائم ہو۔ اوس کے بعد فضل الٰہی کا ظہور ہو۔ چنانچہ سوء استعداد کی وجہ سے جو لوگ برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ اپنے عمل کے مطابق بری جزا کے مستوجب قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کی آفرینش اور اوس کو عقل و فہم سے آراستہ کر کے مکلف بنانے میں جو حکمت تھی وہ اوس کے سوء استعداد کے

باعث تکمیل نہ پاسکی اور اوس حکمت کی تکمیل سے اوس کے اعمال قاصر رہے تو اوس کے عمل کے لحاظ سے اوس کو سزا تجویز کی جاتی' قانون عدل کے عین مطابق ہوئی۔ اسی طرح جن اصحاب نے اپنی استعداد سے ٹھیک طور پر کام کیا اور حکمت آفرینش کی تکمیل اپنے عمل سے کی وہ اچھی جزا کے مستحق بھی اسی قانون کی رو سے ہوئے۔ یہاں تک تو قانون عدل کے حدود تھے۔ اس سے آگے فضل الٰہی کا سلسلہ ہے جو کسی حد پر ختم نہیں ہوسکتا اب مولیٰ تعالیٰ کی جو بھی مرضی ہو۔ وہ چاہے تو ایک مجرم کو اپنے فضل سے بخش دے۔ مجرم بھی وہ جس نے (شرک کے سوا) کسی بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہو یا کسی کے چھوٹے گناہ پر مواخذہ فرمائے۔ اور چاہے تو ایک نیکوکار کو اوس کے استحقاق سے زیادہ سرفراز فرمائے۔ یہ زیادتی دہ گونہ ہو یا ہفت صدگونہ بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ اس بے نہایت فضل سے متمتع و لطف اندوز ہونے والے کون ہیں اون کا بیان آگے آرہا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۗ 53-32

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۗ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ (بہترین جزا اون کے لیئے ہے) جو بڑے

ع

له الاِثم ۔ والاٰثام اسم للافعال المبطئة عن الثواب وجمعه

آثام (مفردات) یعنی لفظ اِثم و آثام ایسے افعال کا نام ہے جو ثواب سے پیچھے

ہٹا دینے والے ہیں ۔ اس کی جمع آثام آتی ہے ۔ والكبيرة متعارفة فی کل

ذنب تعظم عقوبته والجمع الكبائر قال الذين يجتنبون كبائر الاثم

والفواحش الا اللمم ۔ قيل اريد به الشرك لقوله ان الشرك

لظلم عظيم وقيل هى الشرك وسائر المعاصى الموبقة كالزنا وقتل

النفس المحرمة .... ويستعمل الكبيرة فيما يشق ويصعب

(مفردات) اور کبیرہ عرف عام میں ہر اوس گناہ کو کہتے ہیں جس کی سزا سنگین ہو ۔

کبائر اس کی جمع ہے ۔ اس آیہ کریمہ میں جو کبائر الاثم آیا ہے اس کی نسبت کوئی کہتے

ہیں کہ اس سے شرک مراد ہے کیوں کہ اللہ سبحانہ نے شرک کو گناہ عظیم فرمایا ہے ۔ اور

کوئی کہتے ہیں کہ اس سے شرک اور جملہ مہلک معصیتیں سب مراد ہیں ۔ جیسے زنا اور خون ناحق

اور کبیرہ کا استعمال اون کاموں میں بھی ہوتا ہے جن کا کرنا نفس پر شاق اور دشوار ہو ۔"

گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں مگر کسی چھوٹے

(حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

۲؎ الفواحش۔ الفحش والفحشآء والفاحشۃ ماعظم قبحہ من الافعال والاقوال (مفردات)۔ فحش، فحشآء اور فاحشہ سے وہ کام اور وہ بات مراد ہے جس کی قباحت بھاری ہو۔ فاحشہ کی جمع فواحش ہے" (الفاحشۃ الزنا وما یشتد قبحہ من الذنوب) والمعاصی (وکل ما نھی اللہ عزوجل عنہ) فاحشۃ وقیل کل خصلۃ قبیحۃ فھی فاحشۃ من الاقوال والافعال وقیل کل امر لایکون موافقا للحق والقدر فھو فاحش ...... (والکثیر الغالب) فاحشہ سے زنا مراد ہے۔ اور گناہ و نافرمانی جس کی قباحت شدید ہو۔ اور ہر وہ چیز جس سے خدائے عزوجل نے منع فرمایا ہو وہ فاحشہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر خصلت قبیحہ فاحشہ ہے۔ خواہ وہ اقوال سے ہو یا افعال سے۔ بعض کہتے ہیں جو امر حق کے موافق نہ ہو اور حد سے بڑھ جائے وہ فاحش ہے۔ نیز وہ جو بہت زیادہ ہو" (تاج العروس)

۳؎ اللَّمَمَ۔ جنون خفیف او طرف من الجنون یلم الانسان یقال بہ لمم۔ ومقاربۃ الذنب من غیر مواقعۃ او ھو الصغائر او فعل الصغیرۃ ثم لا یعاودہ (محیط المحیط) ہلکے سے جنون یا اس کے کچھ حصہ کو "لمم"

گناہ (یا آلودگی یا اوس کی قربت) سے (نہیں بچ سکتے)۔" بے شک

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

کہتے ہیں یہ لمم اوس وقت کہتے ہیں جب کہ انسان کو کچھ جنون سا ہو جائے۔ نیز گناہ سے قریب ہونے کو بھی لمم کہتے ہیں جب کہ وہ فعل صادر نہ ہو۔ یا صغائر (چھوٹے گناہ) مراد ہیں یا کسی صغیرہ کا ایک دفعہ ارتکاب کرنا پھر اوس کو نہ کرنا۔" واللمم محرکۃ الجنون او طرف منہ یلم بالانسان و یعتریہ ومنہ الحدیث فشکت الیہ لمما بابنتہا فوصف لہا الشونیز وقال سینفع من کل شیئ الا السام وانشد ابن بری :۔

بنو حنیفۃ حی حین تبغضہم کانہم جنۃ اومسہم لمم

وبہ فسر قولہ تعالی الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم۔ لمم بتحریك العین جنون یا اوس کے کچھ حصہ کو کہتے ہیں جو انسان کو لاحق و عارض ہو۔ اسی سے وہ حدیث ہے جس میں ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ اوس کی لڑکی کو لمم یعنی جنون سا ہو گیا ہے آپ نے اوس کے لئے کلونجی تجویز کی اور فرمایا کہ یہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے مفید ہے ابن بری کا ایک شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بنو حنیفہ ایسا قبیلہ ہے کہ کبھی تم اون پر

آپ کے پروردگار کی بخشش میں بڑی گنجائش ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

غصے ہو جاؤ تو وہ ایسے بدحواس ہو جاتے ہیں کہ گویا ان کو جنون ہو گیا ہے یا وہ کسی آسیب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔" آیہ کریمہ الذین یجتنبون میں لمم کی یہی تفسیر کی گئی ہے (تاج العروس)۔

۴ انشأ۔ الانشاء ایجاد الشیئ وتربیته واکثر ما یقال ذلك فی الحیوان قال وهو الذی انشأكم وجعل لكم السمع والابصار والافئدة۔ وقال هو اعلم بكم اذ انشأكم من الارض۔ فهذه كلها فی الایجاد المختص بالله۔ (مفردات) کسی شئے کے ایجاد کرنے اور اس کی تربیت کرنے کو انشاء کہتے ہیں۔ اور عموماً جاندار چیزوں کے ایجاد کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: — وہی ہے جس نے (اے لوگو!) تم کو ابتداءً ایجاد کیا اور تمہارے سننے، دیکھنے اور سمجھنے کے لئے) کان، آنکھ، دل بنایا اور یہ بھی ارشاد ہے: — وہی تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب کہ تم کو زمین سے ایجاد کیا تھا۔" بہرحال انشاء کا لفظ ان آیات کریمہ میں اس ایجاد کے لئے آیا ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات سے مختص ہے۔"

جب پیدا کیا تم کو زمین سے اور جب تم بچے تھے اپنی ماں کے پیٹ میں

(حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

ﻫ اجنّة ۔ اصل الجنّ ستر الشیئ عن الحاسة ..... والجنین الولد مادام فی بطن امّہ وجمعہ اجنّة قال تعالٰی واذ انتم اجنّة فی بطون امّھاتکم وذلك فعیل فی معنی مفعول والجنین القبر وذلك فعیل فی معنی فاعل ۔ (مفردات) جنّ کے اصل معنی کسی شئی کو حاسۂ بشری سے چھپانے کے ہیں ۔ اور بچہ جب تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہے اوس کو جنین کہتے ہیں اس کی جمع اَجِنَّةٌ ہے ۔ اللہ سبحانہ تعالٰی نے فرمایا :۔ (وہ تم کو خوب جانتا ہے) اوس وقت جب کہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے ۔ اور یہ لفظ فعیل کے وزن پر ہے جو بمعنی مفعول ہو ۔ اور قبر بھی جنین ہے اور یہ فعیل بمعنی فاعل ہے ؛ (وکلّ مستور جنین حتّی انّھم لیقولون حقد جنین ...... وجنّ الجنین فی الرحم یجنّ جنّا استتر واجنّتہ الحامل سترتہ ۔ (تاج العروس) اور ہر چھپی ہوئی چیز جنین ہے ۔ عرب کہتے ہیں حِقدٌ جَنِینٌ ۔ کینہ چھپا ہوا ہے بچہ پیٹ میں چھپا ہوا ہو تو جنّ الجنین فی الرحم کہتے ہیں ۔ اور حاملہ عورت بچے کو چھپا لیتی ہے تو کہتے ہیں اجنّتہ الحامل ۔ یہاں معنی اول مراد ہیں واللہ اعلم ۔

سو تم اپنی تعریف آپ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے اوس کو جو پرہیزگار ہے۔

(حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

۶ء لا تزکوا۔ تزکیۃ الانسان نفسہ ضربان احدھما بالفعل وھو محمود والیہ قصد بقولہ قد افلح من زکاھا والثانی بالقول کتزکیۃ العدل غیرہ وذلک مذموم ان یفعل الانسان بنفسہ وقد نھی اللہ تعالی عنہ فقال لا تزکوا انفسکم ونھیہ عن ذلک تادیب لقبح مدح الانسان نفسہ عقلا وشرعا ولھذا قیل لحکیم ما الذی لا یحسن وان کان حقا فقال مدح الرجل نفسہ۔ (مفردات)۔ انسان کا اپنے نفس کو پاک بتانا دو طرح سے ہے۔ ایک تو اپنے فعل (اور عمل کے ذریعہ رذائل سے) دور رکھنا ہے۔ یہ صفت محمود ہے اور ارشاد باری تعالی قد افلح من زکاھا سے یہی مراد ہے یعنی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا وہ کامیاب اور بامراد ہوا۔" دوسرا قول کے ذریعہ جیسے کسی عادل اور ثقہ کا کسی شخص غیر کی تعریف کرنا (یہ بھی برا نہیں کیوں کہ قاضی کے پاس جو شہود پیش ہوتے ہیں اون کی نسبت دار القضا خفیہ طور پر دریافت حال کرتی ہے کہ ان شہود کا کیا حال ہے۔ اگر اون کی تعریف کی جائے اور کوئی نقص اون میں نہ پایا جائے تو اون کی شہادت معتبر قرار دی جاتی ہے۔ اور قاضی کو اس طرح دریافت حال

جاننا چاہیئے کہ اس آیۂ کریمہ میں تین امور قابل اجتناب بتلائے

(بقیہ حاشیہ ۶ صفحہ گذشتہ)

کرنا پڑتا ہے اگر ایسا نہ کرے تو حقوق متاثر ہوں گے)۔ لیکن ایک صورت اور ہے کہ انسان اپنے قول کے ذریعہ خود کو پاک ظاہر کرے۔ یہ صفت مذموم ہے اور حق سبحانہٗ تعالٰی نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا لا تزکوا انفسکم۔ اپنے آپ کو پاک نہ ظاہر کیا کرو"۔ اس کی ممانعت تادیباً ہوئی ہے کیوں کہ انسان کی خودستائی عقلاً و شرعاً قبیح ہے۔ چنانچہ ایک **فیلسوف** سے دریافت کیا گیا کہ وہ کونسی چیز ہے جو اگرچہ صحیح اور حق ہو لیکن مستحسن نہیں۔ اوس نے کہا۔ انسان کا اپنی آپ تعریف کرنا"

۷۔ اتّقی ۔ وقاہ یقیہ وقیا بالفتح ووقایۃ بالکسر وواقیۃ علی فاعلۃ صانہ وسترہ عن الاذی وحماہ وحفظہ فھو واق۔ والاسم التقوی واصلہ تقیا التاء بدل من الواو والواو بدل من الیاء وفی الصحاح التقوی والتقی واحد والواو مبدّلۃ من الیاء قلبوہ للفرق بین الاسم والصفۃ ۔ واتّقیت الشیئ وتقیتہ اتقیہ واتقیہ تقی کھدی وتقیۃ کغنیۃ وتقاء ککساء حذرتہ ۔ (تاج العروس)

وقاہ کے معنی ہیں اوس کی صیانت کی اور اوس کو تکلیف سے چھپائے رکھا۔ اوس کی

گئے ہیں۔ ایک کبائر الاثم (بڑے گناہ) دوسرے فواحش (بے حیائی کے کام)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

حمایت کی اور اوس کو نگاہ رکھا۔ اس کا اسم فاعل واقی ہے۔ اور اسم تقویٰ ہے جو اصل میں نقیا تھا۔ تقویٰ کی تاء واؤ سے بدلی ہوئی ہے اور اوس کا واؤ یاء سے بدلا ہے۔ اور صحاح جوہری میں ہے تقویٰ اور تقیٰ ایک ہی ہیں اس کا واؤ بدلا ہوا ہے اصل میں یاء تھا۔ اسم اور صفت مشبہ میں فرق و امتیاز کے لئے اہل لسان نے اس کو بدل دیا ہے اور اتقیت الشیٔ کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اوس کو بچائے رکھا۔ اس موقع پر تقیتہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مصدر تقیً بروزن ھُدیً اور تقیۃ بروزن غنیۃ اور تقاء بروزن کساء آتا ہے۔

التقوی جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف ھذا تحقیقہ ثم یسمی الخوف تارۃ تقوی والتقوی خوفا حسب تسمیۃ مقتضی الشیٔ بمقتضیہ والمقتضی بمقتضاہ وصار التقوی فی تعارف الشرع حفظ النفس عما یؤثم وذلک بترک المحظور ویتم ذلک بترک بعض المباحات لما روی الحلال بیّن والحرام بیّن ومن رتع حول الحمی فحقیق ان یقع فیہ۔ (مفردات) نفس کو ان امور سے جن کا خوف لگا ہوا ہے

تیسرے لمم (چھوٹے گناہ یعنی کچھ آلودگی) ۔ یا گناہ کے قریب جانا

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

حفاظت میں رکھنے کا نام تقویٰ ہے ۔ یہی اس کی تحقیق ہے ۔ پھر کبھی خوف و اندیشہ کا نام تقویٰ اور کبھی تقوی کا نام خوف جو رکھ دیا جاتا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ سبب سے مسبب اور مسبب سے سبب مراد لیا کرتے ہیں (گویا یہ اطلاق مجازی ہے) اور شرع شریف کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنیٰ یہ ہیں کہ نفس کی اون چیزوں سے حفاظت کرنا جو گناہ میں ڈالنے والی ہیں ۔ اور یہ جبھی حاصل ہوتا ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہو اوس کو ترک کر دیا جائے ۔ اور اوس کی تکمیل اوس وقت ہوتی ہے جب کہ بعض مباحات کو بھی ترک کیا جائے (جس کی شریعت نے اجازت دی ہے کیوں کہ یہی صورت احتیاط کی ہے ۔) چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حلال ظاہر اور کھلی ہوئی چیز ہے اور حرام بھی صاف ظاہر ہے (مگر ان دونوں کے درمیان ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں ۔ نہ اون کو صاف طور پر حلال قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ کھلے طور پر حرام بتایا جا سکتا ۔ اگر ایسی مشتبہ چیزوں میں قدم رکھا جائے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کھیت کی باڑھ کے پاس جانوروں کو چرنے چھوڑنا ۔ اور چرواہے کو ہر وقت اندیشہ لگا ہوا ہے کہ باڑھ کے اطراف چرنے والا کھیت میں اب گرتا ہے یا جب)

لیکن گناہ کا ارتکاب نہ کرتا۔ یا گناہ پر اصرار نہ کرتا فوراً توبہ کرلیتا۔

تفسیر کبیرہ و فاحشہ از ابن عباسؓ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:۔ الکبائر ماسمّی اللہ فیہ النار۔ والفواحش ماکان فیہ حدّ فی الدنیا۔ (ابن مردویہ) کبائر وہ گناہ ہیں جس میں اللہ سبحانہ نے آگ کا عذاب بتلایا ہے۔ (مثلاً شرک اور خون ناحق وغیرہ) اور فواحش وہ ہیں جن کی حد (سزا) دنیا میں مقرر کی گئی ہے (مثلاً زنا کہ اس کی سزا اَن بیاہے کے لئے ایک سو تازیانے اور شادی شدہ کے لئے رجم (سنگسار) اور قذف محصنہ (یعنی عفیفہ عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے اور چوری کی سزا قطع ید (ہاتھ کاٹ ڈالنا) اور شراب خواری کی سزا چالیس درّے)۔ اور لَمَم کی تفسیر میں فرمایا:۔

(بقیہ حاشیہ ص صفحہ گذشتہ)

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہی حالت نفس انسانی کی ہے کہ اگر اس کو مشتبہات سے نہ روکا جائے تو معلوم نہیں کہ وہ محرمات میں کب مبتلا ہوگا۔ کیوں کہ ہر وقت اس کا اندیشہ ہے۔

تفسیر لمم از ابن عباسؓ

مارایت شیئاً اشبہ باللمم مما قال ابوھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرك ذلك لامحالۃ فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تمنّی وتشتھی والفرج یصدّق ذلك او یکذّبہ۔ (عبدالرزاق سعید بن منصور، امام احمدؒ، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی عن ابن عباسؓ) میں نے لمم کی ٹھیک تفسیر ابوہریرہؓ کے قول سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھی جس کی روایت اونھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ زنا کا جو حصہ لکھ دیا ہے اوس کو وہ بالضرور پاکر رہے گا۔ لہٰذا آنکھ کا زنا، دیکھنا ہے اور زبان کا زنا اوس کی باتیں کرنی، اور نفس اوس کا آرزومند و مشتاق اور شرمگاہ اوس کی تصدیق کرتی ہوگی یا تکذیب کرے گی۔"

تفسیر ابن عباسؓ کی تائید

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

زنا العینین النظر و زنا الشفتین التقبیل و زنا الیدین البطش و زنا الرجلین المشی و یصدق ذلک الفرج او یکذبہ فان تقدم بفرجہ کان زانیا والا فھو اللمم۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ اور بیہقی) آنکھوں کا زنا، دیکھنا۔ اور ہونٹوں کا زنا، بوسہ لینا۔ اور ہاتھوں کا زنا، پکڑنا، اور پاؤں کا زنا، اوس کی طرف چل کر جانا ہے اور شرمگاہ اوس کی تصدیق کرتی ہوگی یا اوس کی تکذیب کردے گی، اگر اپنی شرمگاہ سے اوس کا اقدام کیا تو وہ زانی کہلائے گا ورنہ وہ لمم ہے۔ جس کے مغفرت کی قوی امید کی جا سکتی ہے۔

مطلب یہ کہ شرمگاہ کے استعمال سے پیشتر جس قدر اعضاء و جوارح اس سلسلہ میں کام کرتے ہیں وہ سب مقدمات زنا (زنا کا پیش خیمہ اوس کے وسائل و ذرائع) ہوں گے۔ اس کے بعد اگر شرمگاہ اپنا کام کرے تو اس فعل قبیح کا ارتکاب سمجھا جائے گا۔ اور دیگر اعضاء کے افعال بھی جرم اور مستوجب سزا قرار پائیں گے۔ اور اگر اصلی جرم (زنا) ہی صادر نہ ہو تو افعال مذکورہ قابل عفو و درگزر متصور ہو سکیں گے

اسی وجہ سے اللہ پاک نے اس کے بعد فرمایا ہے :۔ ان ربك واسع المغفرة " یقیناً آپ کے پروردگار کی مغفرت میں بڑی وسعت و گنجایش ہے " یہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے ۔ اور فقیر کے نزدیک یہی تفسیر اولیٰ وانسب اور اقرب الی الصواب ہے ۔

دیگر تفاسیر

کبائرُ الاثم اور فواحش و لمم کے متعلق اور اقوال بھی ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ فائدے سے خالی نہ ہوگا ۔ لہٰذا ہم اون کو بھی مختصراً عرض کر دیتے ہیں وباللہ التوفیق ۔

ہر گناہ کبیرہ ہے

استاذ ابو اسحاق اسفرائنی، قاضی ابوبکر باقلانی امام الحرمین، علامہ سبکی اور ابن قشیری، فرماتے ہیں :۔ معاصی اللہ تعالیٰ کلھا عندنا کبائر و انما یقال لبعضھا صغیرۃ وکبیرۃ بالاضافۃ ۔ ایسے جملہ امور جن میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے وہ سب ہمارے نزدیک کبائر ہیں ۔ ان میں سے کسی کو صغیرہ یا کبیرہ جو کہا جاتا ہے یہ صرف اضافی قول ہے یعنی ایک معصیت دوسری کے مقابل صغیرہ

اور تیسری معصیت کے مقابلے میں کبیرہ ہے۔ (مثلاً زنا کہ شرک کے مقابلے میں صغیرہ ہے اور چوری کے مقابلے میں کبیرہ ہے۔ اور دوسری تیسری معصیت سے مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ اوس معصیت کو فی نفسہا دیکھا جائے تو شرک، زنا، چوری سب کے سب اپنی جگہ کبیرہ ہیں۔ اس کی تائید طبرانی کی ان روایات سے ہوتی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہ سندِ منقطع مروی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے:۔ کلّ ما نهى الله تعالیٰ فهو كبيرة " ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ کبیرہ ہے " دوسری روایت یہ ہے:۔ كلّ شيئٍ عُصِيَ الله تعالى فيه فهو كبيرة " ہر وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے وہ کبیرہ ہے "

گناہ کو صغیرہ کہنا بھی کبیرہ ہے

ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے اور اوس کو صغیرہ بھی کہا جائے یہ بڑی جراٴت ہے۔ خداوند تعالیٰ شانہ کی عظمت و جلال کا اقتضا یہ ہے کہ انسان ہر معصیت کو بڑا گناہ تصور کرے۔ نہ یہ کہ گناہ کرکے کہے کہ میں نے صرف چھوٹا گناہ کیا ہے۔

بلکہ ایسا قول ہی بجائے خود بڑا گناہ ہے۔ اور ایسا خیال و تصور ہی کبیرہ ہے۔ مجرم کو ایسا کہنے یا تصور کرنے کا کوئی حق نہیں۔

تفسیر جمہور جمہور اس کے قائل ہیں کہ گناہ کے اقسام ہیں۔ خود حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صریح اور صحیح روایات آئی ہیں۔ صحیحین میں ہے:۔ اجتنبوا السبع الموبقات۔ الاشراک باللہ تعالیٰ، والسحر، وقتل النفس التی حرم اللہ تعالیٰ الا بالحق واکل مال الیتیم واکل الربا والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات' سات مہلک گناہوں سے بچتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، ناحق خون کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق پر (مثلاً کسی کو قصاص میں مار ڈالنا حرام نہیں ہے) یتیم کا مال ناحق کھانا، سود خواری، جہاد سے منہ پھیر لینا یا جہاد سے بھاگ جانا، عفیفہ بے خبر مومنات پر تہمت لگانا" اسی طرح دوسری حدیثوں میں زنا کرنا، چوری کرنا بھی کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ اور پڑوسی کی بی بی سے زنا کو اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ بہرحال جب صاف و صریح طور پر بعض گناہوں کو "کبیرہ" قرار دیا گیا ہے اور بعض کی تعبیر سیئات (برائیوں) اور

لمم سے کی گئی ہے تو گناہوں کے اقسام کبیرہ وصغیرہ قرار دینا صحیح ہوگا جیسا کہ سورۂ نساء میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ " ان تجتنبوا کبائرما تنھون عنہ نکفر عنکم سیّئاتکم " بڑے گناہوں جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم اُن سے بچتے رہو تو تمھارے سیئات (دوسری برائیوں) کا ہم کفارہ کردیں گے " اسی طرح اس آیہ کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے :۔ الّذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الّا اللّمم انّ ربّك واسع المغفرۃ ۔ (جنت پانے والے وہ لوگ ہیں) جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کام سے بچتے رہتے ہیں مگر چھوٹے گناہ کبھی ہوجاتے ہیں یا بڑے گناہ کا قصد کبھی ہو جاتا ہے مگر وہ وقوع میں نہیں آنے پاتا تو تمھارا پروردگار وسیع مغفرت والا ہے " ایسے چھوٹے گناہوں کو یا بڑے گناہ کے قصد کو جو قصد ہی تھا بخش دے گا۔

یجتنبون میں ایک نکتہ

یہاں "یجتنبون" صیغہ فعل مضارع ارشاد فرمانے میں جو دوام و استمرار کے معنی دیتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ " وہ بچتے رہتے ہیں " یہ نکتہ ہے کہ یہ اجتناب ہمیشہ مدۃ العمر جاری رہے یہ نہیں کہ ایک وقت اجتناب کرے

اور دوسرے وقت ارتکاب کرے۔ قابل ترک امور سے ہمیشہ کے لئے دوری ضروری ہے۔ ورنہ جو وعدہ دیا گیا ہے اوس کا ایفاء لازم نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کسی نفل کام کے کرنے پر کوئی وعدہ دیا گیا اور اوس کا کوئی اجر سنایا گیا تو اوس کام کو ایک دفعہ کر لینے پر بھی وہ اجر مل سکے گا۔ بہرحال کبائر و فواحش سے ہمیشہ اجتناب ضروری ہے ورنہ یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی

کبیرہ کی تعریف میں دیگر اقوال

۲۔ هي ما لحق صاحبها عليها بخصوصها وعيد شديد بنص كتاب او سنة کبیرہ وہ ہے جس کے مرتکب کو اوس گناہ خاص کے ارتکاب سے سخت وعید لاحق ہو تو نص قرآن کریم یا حدیث سے ثابت ہو۔

۳۔ هي كل ما نص الكتاب على تحريمه او وجب في جنسه حد و ترك فريضة تجب فوراً کبیرہ ہر وہ گناہ ہے کہ جس کی حرمت صاف طور پر کتاب اللہ میں وارد ہو۔ یا اوس جنس کے گناہ کی حد (سزا) مقرر ہو۔ یا کسی فرض کو ترک کرنا جس کی ادائی فوری طور پر واجب تھی۔

۴۔ كل قول مخالف الاجماع العام۔ کبیرہ ہر وہ بات جو عامۂ صحابہ رض کرام کے قول کے مخالف ہو۔

۵ ۔ کلّ جریمة توذن بقلّة اکتراث مرتکبها بالدین۔ کبیرہ ہر وہ جرم ہے جس سے اوس کے مرتکب کی دینی بے پروائی کا پتہ چلتا ہو۔"

۶ ۔ ھی ما اوجب الحدّ وتوجّه الیه الوعید۔ کبیرہ وہ ہے جس سے حد واجب آئے اور اوس سے آخرت کی وعید متعلق ہو۔"

۷ ۔ کلّ محرّم لعینه منهیّ عنه لمعنی فی نفسه ۔ ہر وہ امر جو بنفسہ حرام ہو اوس سے روکا گیا ہو اوس سبب کے ساتھ جو خود اوس کی ذات میں موجود ہو۔"

۸ ۔ سعید بن جبیر تابعیؒ فرماتے ہیں :۔ ھی ما لا یستغفر منه۔ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی اوس سے معافی نہ چاہی گئی ہو۔ کیوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ لا کبیرة مع استغفار ولا صغیرة مع اصرار۔ مغفرت کی درخواست کے بعد کوئی کبیرہ، کبیرہ نہیں رہ سکتا اور نہ صغیرہ پر اصرار کرنے کے بعد وہ صغیرہ رہ سکتا ہے۔

کبائر عام اور فواحش خاص ہیں یہ تو کبیرہ کی تعریفات ہوئیں۔ اور

فواحش سے مراد بے حیائی کے کام، یا مذکورہ کبائر ہیں، ترقی و زیادتی اس اعتبار سے کبائر عام ہیں اور فواحش خاص۔ جس کی اہمیت عام کبائر سے بھی زیادہ ہے۔ مثلاً جھوٹ بولنا کبیرہ ہے اور جھوٹی گواہی دینا جس سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے یا مسجد میں بیٹھ کر جھوٹ کہنا۔ یہ فاحشہ ہے وقس علیٰ ھذا۔

کبائر کی فہرست طویل ہے

رہی کبائر کی تعداد۔ حدیث شریف جو اوپر لکھی گئی اگرچہ اوس میں سات کی تعداد وارد ہوئی ہے لیکن کبائر ان میں منحصر نہیں۔ دیگر احادیث شریفہ میں اس سے زیادہ تعداد بھی آئی ہے اصل یہ ہے کہ مخاطب کے حالات کے لحاظ سے آپؐ کلام فرماتے تھے کسی سے سات کی تعداد بیان فرمائی اور کسی سے اس سے زاید۔ پھر گناہوں کی تعیین و تصریح بھی ہر روایت میں جداگانہ ہے لہٰذا جملہ روایات کو یک جا جمع کرنے سے تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور ہر حدیث شریف بجائے خود درست ہے۔ چنانچہ کسی روایت میں دس، کسی میں چودہ، کسی میں پندرہ اور تیس کی صراحت ہے۔ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ کبائر کیا سات ہی ہیں؟

تو آپ نے فرمایا:۔ ھی الی سبعمائۃ اقرب منھا الی سبع غیر انہ لا کبیرۃ مع الاستغفار ولا صغیرۃ مع الاصرار۔ وہ (کبائر) سات تو کیا، سات سو کے قریب ہیں۔ مگر استغفار کے بعد وہ کبیرہ نہیں۔ اور اگر گناہ صغیرہ ہو اور اوس پر اصرار کیا جائے یعنی اوس کو بار بار کیا جائے تو وہ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔"

کبائر کے بیان میں علمائے کرام نے مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن کے منجملہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" قابل دید ہے جس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے

نیز امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب احیاء علوم الدین میں مہلکات کا بیان پڑھنے کے قابل ہے۔

کبائر کی مختصر فہرست

افادۂ عوام کی خاطر چند کبائر کی صراحت ذیل میں کر دی گئی ہے:۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (نعوذ باللہ منہ) اگرچہ وہ بت پرستی نہ کرتا ہو۔ خون ناحق، یعنی کسی کو مار ڈالے یا اپنے آپ کو ہلاک کر لے۔ کسی پاک دامن مسلمان بہن کو زنا کی تہمت لگانا۔ جادو کرنا۔

(امام وقت کو اختیار ہے کہ ساحر کو قتل کردے جو سحر کے ذریعہ دوسروں کی
ہلاکت کا باعث ہو) یتیم کا مال ناحق کھا جانا۔ ماں باپ کی نافرمانی
رہزنی، سود خواری۔ چوری۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ جھوٹی قسم
کھانا۔ اللہ سبحانہ سے بدگمانی۔ حب دنیا۔ والدین کو گالی دینا یا ان کو
گالی کھلانا۔ (یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی کے والدین کو خود گالی دے اور
وہ اوس کے جواب میں اس کے والدین کو گالی دے) اہلبیت اطہار،
صحابۂ کرام یا شیخین کی شان گرامی میں گستاخی، علماء کرام کو برا کہنا۔
(اگرچہ مزاح و خوش طبعی سے ہو) گانا، بجانا، ناچ رنگ وغیرہ (جس سے
شیطانی جذبات کی تحریک ہوتی ہو۔ صوفیہ کرامؒ کا سماع اس میں داخل
نہیں کیوں کہ اس کی شان ہی اور ہے) ظلم، غیبت، تجسس (عیب جوئی)
ناپ تول میں کمی، وعدہ خلافی، خلاف عہد، فضول خرچی، خیانت، فرض
عبادات کا ترک کرنا، قرآن کریم پڑھکر بھول جانا، حق پوشی، حق قرابت کو
ادا نہ کرنا، لوگوں کو لڑا دینا، غیر اللہ کی قسم کھانا، غیر اللہ کو سجدہ کرنا،
جمعہ اور جماعات کو چھوڑ بیٹھنا، کسی مسلمان کو کافر کہنا، ظالم کی ہاں میں ہاں
ملانا، کسی کو عیب لگانا، بیویوں میں عدل نہ کرنا، حالت ایام میں مجامعت

گرانی سے خوش ہونا' اجنبی عورت سے تخلیہ کرنا' خبر کاہن کی تصدیق' لہویات و لغویات اور لایعنی کام میں مشغول رہنا (گنجفہ' شطرنج' چوسر پچیسی وغیرہ) قمار بازی' نوحہ کرنا' منافقت' نظر بازی' ناشائستہ صحبتیں' امر بالمعروف یا نہی المنکر کو ترک کرنا' مسخرہ پن' ظالموں کے ہدایا و تحائف کو قبول کرنا' (البتہ حاجتمند نادار اصحاب' حکومت یا بادشاہ کے عطایا لے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ مال حرام سے نہ ہوں) ریاکاری فاسق کا اپنے کو نیک ظاہر کرنا۔ (روح البیان) ؎

نیک باشی و بدت گوید خلق　　بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

فی زماننا عورتوں کا بے پردہ باہر جانا' سینما' تماشہ گاہوں کا لزوم' ڈاڑھی منڈھانے پر اصرار کرنا' مکانوں کو تصویروں سے سجانا' غیر مسلم اقوام کا لباس اختیار کرنا (ہیٹ پہننا' ٹائی لگانا' خصوصاً قشقہ لگانا) دین سے بے پرواہی اور غفلت (العیاذ باللہ)۔

فواحش کا اثر ایمان پر اور اس کے نتائج

فواحش کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے مثلاً زنا لواطت وغیرہ جس میں کبیرہ کے ارتکاب کے علاوہ بے حیائی بھی ہے۔

حدیث شریف ہے :۔ الحیاء شعبۃ من الایمان۔ حیاء شرم شعبۂ ایمان کی ایک شاخ ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے :۔ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ جب تم حیا ہی کو چھوڑ بیٹھو تو پھر جو چاہو کرو"۔ ایسے اشخاص کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے :۔ اِنَّ اللہَ حَیِیٌّ سِتِّیْرٌ۔ بے شک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ بڑی حیا اور ستر والا ہے"۔ یعنی وہ حیا اور ستر ہی کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول

حضرت علیؒ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فرمایا کرتے تھے :۔

لوگ ایک زمانے تک آپس میں تقویٰ کی زندگی بسر کرتے رہے۔ تقویٰ اٹھ گیا تو باہم مروّت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مروت نہ رہی تو باہم حیا کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ جب حیا بھی اٹھ گئی تو پردہ چاک ہو گیا"۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)۔

موجودہ حالات پر ایک سرسری نظر

بحالات موجودہ عورتوں کی

یہ بے حجابی، بچوں کی یہ شوخی، چھوٹوں کی یہ زبان درازی اور بڑوں کی یہ فحش کلامی، پڑھے لکھوں کی یہ اخباری ظرافت یا گندگی، غور کیجئے کہ مسلمان کیا تھے اور کیا ہو گئے کہاں جاتا ہے اور کہاں پہنچنا چاہتے ہیں۔ الم یأنِ للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یادِ الٰہی سے اون کے قلوب کانپ اوٹھتے اور جو کلام حق نازل ہوا ہے اوس کے آگے ان کے دل جھک جاتے ؟ ؎

کوس رحلت بکوفت دستِ اجل ۔۔۔ اے دو چشم وداع سر بکنید
اے کف دست و ساعد و بازو ۔۔۔ ہمہ تودیع یک دگر بکنید
روزگارم بشد بنادانی ۔۔۔ من نہ کردم شما حذر بکنید

لَمَم کی تفسیر دیگر روایات سے یہ بیان فواحش کا تھا۔ لَمَم کی مزید تفسیر حسب ذیل روایات سے ہوتی ہے :—

۱۔ ابن عباسؓ نے لَمَم کی تفسیر میں فرمایا : ۔ ھو الرجل یلمّ بالفاحشۃ ثم یتوب منھا۔ انسان کسی بے حیائی کے کام کا

قصد کرتا ہے پھر اوس سے رک کر توبہ کرلیتا ہے"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان تغفر اللّٰھم تغفر جمّاً ؛ و ایّ عبد لك لا المّا (سعید بن منصور، ترمذی بروایت صحیحہ، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی)۔ الٰہی! اگر آپ بخشش فرمانا چاہیں تو سب کچھ بخش دیں۔ اور آپ کا وہ کونسا بندہ ہے جس نے گناہ کا قصد بھی نہ کیا ہو"۔ یہ تو لَمَم کی تفسیر ہوئی اور حضور انور کی شان رفیع اور تواضع و انکسار کے لحاظ سے بالکل بجا ارشاد ہے ورنہ عام حالات میں قصد گناہ رہا ایک طرف، گناہوں سے بجز معصومین کے کون بچا ہوا ہے؟ ؎

ناکردہ گنہ در جہاں کیست بگو وانکس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

۲۔ ابن عباسؓ سے دوسرا قول یہ منقول ہے:۔ الّا اللّمم یقول الّا ما قد سلف (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) الّا اللّمم کے معنی یہ ہیں:۔ "مگر جو کچھ گزر چکا"۔ اس کی توضیح زید بن اسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ نے کہا:۔ ترکوا

ذلك حين دخلوا فی الاسلام وغفر اللّٰہ لھم ما کانوا
المّوا بہ واصابوا من ذلك قبل الاسلام (ابن جریر)۔ لوگ
جب دین اسلام میں داخل ہوئے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اون کو بخش
دیا اور معافی دے دی اون امور سے جن کا اونھوں نے قبل اسلام
قصداً یا ارتکاب کیا تھا۔" چنانچہ ابن زید فرماتے ہیں:۔ قال
المشرکون انما کانوا بالامس یعملون معنا فانزل اللّٰہ الا
اللمم ما کان منھم فی الجاھلیۃ قبل الاسلام وغفرھا
لھم حین اسلموا۔ (ابن جریر) مشرکین کہنے لگے کہ کل یہ لوگ ہمارے
ساتھ مل کر یہ سب امور کرتے تھے تو اللہ پاک نے الا اللمم والی آیۃ کریمہ
اُتاری کہ ان مسلمانوں نے قبل اسلام بزمانہ جاہلیت جو کچھ کیا تھا اون کے
مسلمان ہو جانے کے بعد سب کچھ بخش دیا۔"

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔
اللّمم ما بین الحدّین۔ (ابن ابی حاتم) دو سزاؤں کے درمیان
جو کچھ ہے وہی لَمَم ہے۔" اس کی وضاحت قتادہ کی اس روایت
سے ہوتی ہے آپ نے کہا:۔ اللّمم ما بین الحدّین ما لم یبلغ

حدّ الدنیا ولاحدّ الآخرۃ موجبۃ قد اوجب اللہ لاھلھا النار او فاحشۃ یقام علیہ الحدّ فی الدنیا (عبد بن حمید ابن جریر)

ما بین الحدّین سے مراد یہ ہے کہ اوس جرم کی سزا نہ دنیوی سزا کی حد تک پہنچتی ہو اور نہ آخرت کی سزا کی حد تک پہنچے۔ یعنی وہ کام ایسا نہ ہو جس کے لئے اللہ سبحانہ نے عذاب النار مقرر فرمایا ہو اور نہ ایسا برا کام جس کی بنا پر دنیا میں سزائے شرعی دیجاتی ہو۔" حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے (عبد بن حمید ابن جریر)۔

۴۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔ اتدرون ما اللمم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ھو الذی یلمّ بالخطرۃ من الزنا ثم لا یعود ویلمّ بالخطرۃ من شرب الخمر ثم لا یعود ویلمّ بالسرقۃ ثم لا یعود۔ (ابن مردویہ) کیا تم جانتے ہو کہ لَمَم کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اوس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں تو فرمایا:۔ یہی کہ انسان کو زنا کا خطرہ (دل میں) پیدا ہو پھر وہ اس کام کو نہ کرے۔ یا شراب خواری کا خیال دل میں گزرے پھر اوس کو چھوڑ دے اسی طرح چوری کا ارادہ کرے پھر یہ کام نہ کرے۔"

۵۔ عطاء کا قول ہے:۔ ھو مادون الجماع (ابن المنذر)۔
جماع حرام کے سوا جو کچھ ہے (بوس و کنار وغیرہ) وہ لَمَم ہے۔"

۶۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ اللمم مادون الشرك (ابن جریر)
شرک کو چھوڑ کر جو کچھ ہے وہ لَمَم ہے۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ تفسیر حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پر مبنی ہے یعنی اللہ سبحانہ اپنے فضل و کرم سے اگر کسی کو بخش دینا چاہے تو شرک کے سوا جس معصیت کو چاہے بخش دے خواہ وہ کسی نوعیت کی حامل ہو۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان الکبائر فی الغفران کاللمم" مغفرت کے مقام میں بڑے بڑے گناہ بھی لَمَم کی طرح ہیں۔" رہا شرک، اوس کی نسبت باری تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے:۔ ان اللہ لا یغفران یشرك به۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اوس کے ساتھ شرک کرنے کو کبھی نہیں بخشے گا۔" اس سے تو یہ ضروری ہے۔ توبہ، توبہ، توبہ۔

یہ چند اقوال ہیں جو کبائر، فواحش اور لمم کی تفسیر میں ہیں۔
بہترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو امام المفسرین، حبر الامۃ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جس کو ہم نے سب سے پیشتر نقل کیا ہے ۔ الاوّل فالاوّل ۔

صغائر کی کچھ مثالیں اوپر تفسیر کے ضمن میں گزر چکی ہیں ۔ مزید وضاحت کے لئے امثلۂ ذیل کافی ہوں گی :۔

صغائر کا بیان

ایسی جھوٹ جس کی کوئی سزا مقرر نہیں اور نہ اوس میں کسی کا ضرر منصور ہو ۔ لوگوں کے گھروں میں جھانکنا، تین دن سے زیادہ مدت تک کسی سے بات چیت ترک کر دینا، نماز میں ہنسنا، اکڑ کر چلنا، مسجد میں چھوٹے بچوں کو لانا، دیوانوں کو مسجد میں آنے دینا، مسجد میں نجاست کو لانا، (بچے اور مجانین مسجد میں آئیں تو اندیشہ ہے کہ وہ پیشاب کر دیں، روئیں، چیخیں چلائیں مصلیوں کے روبرو سے گزریں اور نماز میں انتشار پیدا کریں، دیوانے کسی کو مار دیں) بے ضرورت بدن یا کپڑوں کو نجاست سے آلودہ کرنا، کسی نامحرم کو دیکھنا، وغیرہ وقس علیٰ ہذا (جمل علی الجلالین)

صغائر کا کفارہ

بہرحال لَمَم ایسے گناہ ہیں کہ دوسرے نیک کام کرنے سے بخش دئے جاتے ہیں اگرچہ

اون سے توبہ نہ کی گئی ہو۔ اسی لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا:۔ ان ربّك واسع المغفرة۔ یقیناً آپؐ کے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے " کبھی تو حسنات کے ذریعہ سیئات کو دور کردیتا ہے۔ انّ الحسنات یذھبن السیّئات۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے:۔ "اتبع السیّئة الحسنة تمحھا" کوئی برائی سرزد ہو تو اوس کے بعد کوئی نیک کام کرلیا کرو۔ یہ نیکی اوس برائی کو مٹا دیگی " یہ اوس صورت میں ہے جب کہ اوس برائی کا تعلق اپنی ذات سے ہو۔ اور اگر کسی اور کو تکلیف پہنچائی جائے تو اوس کے ساتھ کچھ حسن سلوک سے کام لے جس سے وہ خوش ہوجائے۔

ایک صحابی جہاد میں شریک ہونے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیاکہ یارسول اللہ! میں شوق جہاد میں اس طرح نکل آیا کہ اپنے والدین کی بھی پرواہ نہ کی اون کو روتے ہوئے چھوڑکر آگیا۔ ارشاد مبارک ہوا کہ اپنے والدین کی خدمت میں واپس جاؤ اور جس طرح اپنی روانگی سے اون کو رلایا ہے اپنی واپسی سے اسی وقت اون کو ہنساؤ" خوش کرو"

نیز حدیث شریف میں ہے :۔ دو نمازوں کے درمیان جو برائیاں انسان سے سرزد ہوتی ہیں اوس دوسری نماز سے اون کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ دو جمعوں کے درمیان جو خطائیں ہوجاتی ہیں دوسرا جمعہ اوس کا کفارہ کردیتا ہے۔ دو رمضانوں کے درمیان جو گناہ ہوجاتے ہیں دوسرے رمضان سے اوس کا کفارہ ہوجاتا ہے۔"

یہ سب کچھ ہے مگر انسان کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اپنی ناواقفیت نادانی' غفلت' بے باکی کے باعث' یا کسی بے محل تاویل کی بنا پر سب کچھ کرتے ہوئے بھی خود کو بے گناہ' پارسا تصور کرنا اور دوسروں پر اپنی فضیلت و برتری جتانا چاہتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (لو آج جب کہ تم نے ہوش سنبھالا' کچھ علم و اقتدار حاصل کرکے اپنی شان بڑھا رہے ہو) وہ تمھیں خوب جانتا ہے اس وقت سے جب کہ تم کو مشتِ خاک سے پیدا کیا تھا اور جب کہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں چھپے ہوئے تھے۔"

ناواقف لوگوں میں اپنی پارسائی' یا برتری جتانی مفید نہیں۔ فیما بینکم و بین اللہ جو معاملہ ہے وہ حقیقت ہے لہذا اپنی حقیقت کو فراموش نہ کریں

اسی پر ہر قسم کی سزا و جزا کا انحصار ہے۔ اگر انسان اور اوس کے خالق مختار کے درمیان معاملہ صاف ہے تو قابل مبارک باد ہے ورنہ وہ جانے اور مالک مختار سبحانہ و تعالیٰ۔ ؎

زورت ار پیش میرود با ما | با خدا و تد غیب داں نرود
زورمندی مکن براہل زمیں | تا دعائے برآسماں نرود

خود ستائی کی ممانعت

نیز ارشاد ہے :۔ فَلَا تُزَكُّوٓا۟ أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰٓ ۔ لہذا تم اپنے نفس کو مزکّٰی و مصفّٰی نہ بتایا کرو۔ تم میں کون متقی و پرہیزگار ہے اوس کو وہی خوب جانتا ہے۔"

ثابت بن حارث انصاریؓ کہتے ہیں :۔ کانت الیھود اذا ھلک لھم صبی صغیر قالوا ھذا صدیق فبلغ ذلک النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال کذبت یھود ما من نسمۃ یخلقھا اللہ فی بطن امھا الا انہ شقی او سعید۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابونعیم، ابن مردویہ، واحدی) یہودیوں کا کوئی چھوٹا بچہ مرجاتا تو وہ کہا کرتے کہ یہ صدیق تھا۔ یا یہ کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو صدیق ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ

حال معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا: یہ جھوٹ کہتے ہیں (واقعہ یہ ہے کہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرتا ہے تو اوسی وقت یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ شقی (بدبخت کافر) ہے یا سعید (نیک بخت مومن)۔" مطلب یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے کہ وہ کیسا تھا یا آئندہ کیا ہوتا؟ مگر یہ کیا جانیں۔ بلا تحقیق اس طرح کہہ دینا غلطی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: علم اللہ من کل نفس ماھی عاملة وماھی صانعة وماھی الیہ صائرة (ابن ابی شیبہ) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون شخص کیا کام کرتا اور کس تیاری میں رہتا اور (آخرکار) کہاں اپنا ٹھکانہ بناتا ہے۔"

ابوسلمہ کی لڑکی کا نام "برّہ" تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ نیک کام کرنے والی۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاتزکّوا انفسکم اللہ اعلم باھل البرّ منکم سمّوھا زینب۔ اپنے آپ کو مزکّی ظاہر نہ کرو نیکو کار کون ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس کا نام زینب رکھو۔" چنانچہ اون کا یہی نام رکھا گیا۔ (ابن سعد، احمد، مسلم، ابوداؤد، ابن مردویہ عن زینب بنت ابی سلمہ)۔

عبداللہ بن مصعب کہتے ہیں :۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیس بن عاصم سے فرمائش کی کہ وہ اپنا وصف بیان کریں۔ قیس نے جواب دیا:۔ ان اللہ یقول فلا تزکوا انفسکم فلست اُمّابزک نفسی وقد نہانی اللہ عنہ۔ (زبیر بن بکار) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنی آپ تعریف نہ کیا کرو۔ لہٰذا میں خود کی تعریف نہیں کرسکتا۔ درحالیکہ اللہ سبحانہ نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے۔" حضرت صدیق اکبرؓ کو ان کا یہ جواب بہت پسند آیا۔" حضرت سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلاۃ السلام کا یہ واقعہ قرآن کریم میں ہے :۔ وما اُبرئ نفسی انّ النفس لامّارۃ بالسوء الا من رحم ربّی۔ "میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں کہہ سکتا۔ بیشک نفس برائی کا حکم دیتا ہی مگر اون کو جن پر میرے پروردگار نے رحم فرمایا۔"

حضرت سعدیؒ اپنے پیرو مرشد امام سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی یہ دو نصیحتیں لکھتے ہیں :۔

مرا پیر دانائے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خودبیں مباش دوم آنکہ بر غیر بدبیں مباش

حقیقتِ انسانی پر ایک نظر

انسان خود کو مزکّی و مصفّٰی کس طرح ظاہر کرسکتا ہے جب کہ اوس کی

نشأت مشت خاک سے ہوئی ۔ خاک بھی گلی سڑی ہوئی ۔ اسی وجہ سے انسان کا میلان طبع فطرۃً دنیا کی گندگی کی طرف رہتا ہے ۔ پھر اوس کو ایک عرصہ تک رحم مادر میں رہنا پڑا ۔ اس کی غذا دم حیض کے سوا وہاں اور کچھ نہ تھی جس کی اصل یہ ہو اوس کو یہ کیوں کر زیب دے سکتا ہے کہ خود کو پاکیزہ اور صاف ستھرا ظاہر کرے ۔ ہاں اگر اوس کو اللہ سبحانہ پاک ظاہر کرنا چاہے جیسا کہ ارشاد باری ہے :۔ یرید لیطھرکم ۔ وہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے ۔" تو اس کے بتائے ہوئے دین پر قائم رہ کر اوس کے بتائے ہوئے طریق پر چلنا ہو گا تب کہیں یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اوس کی تطہیر و تزکیہ ہو ۔ پیغمبروں کی بعثت اسی مقصد کے لیے ہوئی ۔" لیعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم " تاکہ اون کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیں اور اون کا تزکیہ کریں ۔" اب لوگ اس طریقے پر چل کر اپنا تزکیہ کر سکتے ہیں ۔ مگر اس کے بعد بھی کسی کو یہ دعوی نہیں ہو سکتا کہ اوس نے اپنا تزکیہ نفس کر لیا ہے ۔ اللہ ہی بہتر جانے کہ کس کا تزکیہ کس حد تک ہوا ؟ اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا :۔ " بل اللہ یزکی من یشاء " بلکہ اللہ سبحانہ جس کے نفس کا تزکیہ چاہے وہ کر سکتا ہے ۔" نیز جس طرح اپنی صفائی اور خود ستائی ممنوع ہے یا ہم

ایک دوسرے کی ایسی ستایش بھی کراہت سے خالی نہیں۔

عثمان بن مظعون رض کی وفات کا واقعہ

چنانچہ ام العلاء بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:- اقتسم المهاجرون قرعة فطار لنا عثمان بن مظعون فانزلناه فی ابیاتنا فوجع وجعه الذی توفی فیه فلما توفی وغسل وکفن فی اثوابه دخل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت رحمة اللہ علیك ابا السائب فشهادتی علیك لقد اکرمك اللہ فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم وما یدریك ان اللہ اکرمه فقلت بابی انت یا رسول اللہ فمن یکرمه اللہ فقال اما هو فقد جاءه الیقین واللہ انی لارجوله الخیر واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل به قالت فواللہ لا ازکی احدا بعده ابدا۔ (بخاری شریف) مہاجرین کی تقسیم (انصار میں) قرعہ اندازی کے ذریعہ ہوئی تو عثمان بن مظعون ہمارے حصے میں آئے۔ ہم نے اون کو اپنے گھر میں اتارا۔ کچھ دنوں بعد وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ جب اون کی وفات ہوئی اور اونکو غسل وکفن دیا گیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے کہا: ۔ اے ابوالسائب! (یہ عثمان بن
مظعونؓ کی کنیت تھی) میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک اللہ نے تم کو بزرگی
دی" اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم
ہوا کہ اللہ نے ان کو بزرگی دی ہے! میں نے عرض کی یا رسول اللہ!
آپ پر میرے باپ فدا ہوں۔ اللہ کس کو بزرگی دیتا ہے؟ تو آپ نے
فرمایا۔ یہ تو وہ ہیں جن کو موت آن پہنچی۔ بخدا میں ان کے لئے خیر کی امید
رکھتا ہوں لیکن قسمیہ کہتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود
نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ ام علاء کہتی ہیں خدا کی
قسم اس کے بعد سے میں کسی کو پاک صاف نہیں قرار دیتی" دوسری
روایت میں ہے کہ ان کی بی بی نے ان کو جنتی کہہ دیا تو آں حضرت
اون پر بھی خفا ہوئے مطلب یہ کہ اس طرح قطعیت کے ساتھ کسی کی
نسبت اظہار خیال کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اور صافت نہی اسی کی مقصود
ہے۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سابق الاسلام جلیل القدر بدری
صحابی تھے[1] یا ایں ہمہ قطعی طور پر کوئی رائے قائم کرنے سے منع فرمایا۔

---

[1] عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ چودھویں صحابی ہیں جو (۱۳) آدمیوں کے بعد

خلاصہ یہ کہ خود ستائی مفید نہیں خواہ اپنی تعریف آپ کی جائے یا چند افراد باہم اتفاق کر کے ع من ترا حاجی بگویم تو مرا ملّا بگو کا مصداق نہیں حقیقت حال چھپ نہ سکیگی۔ اور خدائے قوی وقدیر، علیم وخبیر، سمیع وبصیر کے آگے ایک نہ چلے گی۔

بہر حال دو راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی زندگی بسر کی جائے جو ایک مطیع و فرماں بردار فدائی وجاں نثار بندہ احکم الحاکمین ارحم الراحمین کی خوشنودی و رضا جوئی میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتا ہے اور ایسا کسی خوش نصیب و سعادت مند بندے سے ہی ہوسکتا ہے دوسری یہ کہ غفلت و بے پرواہی سے کام لے اور اسی عصیان بےکاری میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مشرف باسلام ہوئے۔ حبشہ اور مدینہ کو ہجرت کی اسی وجہ سے صاحب الہجرتین کہلاتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک رہے۔ ان کی وفات ہوئی تو حضور انور کو بہت ملال ہوا۔ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنے بوسہ دیا۔ یہ پہلے مہاجر ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے، حضور نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بہت روئے۔ ان کو سلف صالح فرمایا۔ انھوں نے جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی (استیعاب)۔

اپنی عمر عزیز ضائع کردے۔ آخرت کی نجات کا جو سامان' اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ازراہ فیض وفضل فرمایا گیا ہے اور حصول سعادات کا جو موقع دیا گیا ہے اپنی کوتاہ فہمی سے اوس کو کھودے۔ یہ طریقہ (العیاذ باللہ) کسی بے نصیب ہی کا ہوسکتا ہے مگر یاد رہے کہ یہ وتیرہ مومن کا نہیں ہوسکتا۔

طاعت وعصیاں کے نتائج' دار آخرت میں جو کچھ ہوں گے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اون کی تفصیلات موجود ہیں جو بہ ضمن تفسیر اپنے اپنے موقع پر ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں اس کے ثمرات و نتائج جو دار دنیا میں درپیش ہوتے ہیں قرآن و حدیث ہی کی روشنی میں اون کو مختصراً عرض کیا جاتا ہے تاکہ برادران دین اوس سے مستفید ہوسکیں۔

طاعت کے ثمراتِ دنیوی :۔ علم وعرفان میں ترقی' رزق وروزی کی افزائش' مال وتجارت میں برکت' عزت وآبرو کے ساتھ مراتب کی بلندی' قوت قلب' صبر و استقلال' ہمت وجرأت' ثبات و استقامت اولوالعزمی' قیام وقار' تسکین وراحت قلب' نیک اولاد' تکلیف رنج وغم کی دوری' بلا ومصیبت' بیماری دکھ درد سے حفاظت' اگر کبھی کوئی نقصان وغیرہ پہنچ جائے تو دوسرے طریقے سے اوس کی تلافی' فاقہ

افلاس سے دوری۔ فرشتوں کی طرف سے دلجوئی اور حکم الٰہی سے مفید اسباب کی فراہمی فرشتوں کی دعائیں، قبولیت دعا۔ عنداللہ و عندالناس مقبولیت، نیکیوں کی وجہ سے عمر میں برکت، الطاف و کرم الٰہی، حسن خاتمہ کی بشارت۔

گناہوں کے نتائج :۔ عوارض جسمانی، تلخ زندگی، بے لطفی، لاعلاج اور خطرناک امراض میں مبتلا رہنا، علم سے محرومی، روزی کی کمی، ذکر الٰہی سے وحشت، نیک کاموں سے نفرت، دل کی روشنی کا فور، نصیحت سے متاثر نہ ہونا، توبہ کی توفیق کا نہ ہونا، عقل و حواس میں فتور، رسوائی، بے عزتی، فرشتوں کی بد دعا، اولاد کی عیاشی و فضول خرچی (جس سے سارا اندوختہ چشم زدن میں ختم ہو جائے) محتاجی و افلاس، دل کی کمزوری، گناہوں کے باعث عمر میں گھٹاؤ، پستی، خباثت، مسلسل نقصان و تباہی، سوء خاتمہ کا ڈر (العیاذ باللہ)۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ ہم کو اور تمام برادران اسلام کو نیک توفیق دے اور اپنی رضا و خوشنودی نصیب فرمائے اور ہر برائی سے محفوظ رکھے آمین آمین بجاہ سید المرسلین و آلہ الطاہرین و اصحابہ الاکرمین صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بہرحال کسی بندۂ مومن کو یہ زیبا نہیں کہ وہ غفلت و بے باکی کے ساتھ گزارے اور نہ خود ستائی میں گرفتار رہے ۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی حقیقت کو پیش نظر رکھے اور اپنے احوال پر جس کا علم بہ نسبت دوسروں کے خود کو زیادہ حاصل ہے پشیماں رہے اور اصلاح حال کی کوشش کیا کرے ۔ رہے وہ جو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اون کی نسبت ارشاد ہے :—

53-33 أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ۝ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ[1] ۝
53-34
53-35 أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ[2] فَهُوَ يَرَىٰ ۝ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ[3] بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ[4] ۝
53-36
53-37 وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ[5] ۝ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ[6] ۝
53-38
53-39
53-40 وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ[7] ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝

[1] اکدیٰ ۔ ماخوذ من الکدیۃ وھی ارض صلبۃ کالصخرۃ تمنع حافر البئر اذا وصل الیھا من الحفر (جلالین) یہ لفظ "کُدْیَۃٌ" سے ماخوذ ہے جو پتھر کی طرح سخت زمین کو کہتے ہیں کیوں کہ وہ کنواں کھودنے والے کو آئندہ کھدائی جاری

کیا آپ نے اوس کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا اور تھوڑا سا دیا

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

رکھنے سے روک دیتی ہے" واستعیر ذلك للطالب المخفق والمعطی المقل (مفردات)۔ اور مجازاً پست ہمت طالب اور تہیدستی کے اندیشے سے رک جانے والے "معطی" کو بھی کہتے ہیں"

لہ الغیب ۔ ما استتر عن العین واستعمل فی کل غائب عن الحاسة وعما یغیب عن عین الانسان وما لا یقع تحت الحواس ولا تقتضیه بدایة العقول وانما یعلم بخبر الانبیاء علیهم السلام ۔ ویقال للشیٔ غیب وغائب باعتبارہ بالناس لا باللہ تعالی فانه لا یغیب عنه شیٔ ۔ (مفردات) جو آنکھ سے مستور ہو وہ "غیب" ہے نیز ہر وہ شی جو حاسہ بشری سے چھپی ہوئی ہو۔ نہ انسانی آنکھ سے دکھائی دے نہ دیگر حواس کے تحت آسکے اور نہ بداہت عقل اوس کی مقتضی ہو۔ اوس کا علم صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے خبر دینے سے ہوسکے" (جن کے ہاں وحی آتی ہے۔) نیز کسی شی کو غیب اور غائب جو کہا جاتا ہے وہ لوگوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ اللہ تعالی کے اعتبار سے کیوں کہ اللہ تعالی سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں"

پھر روک لیا، کیا اوس کے پاس غیب کا علم ہے جس کو وہ دیکھتا ہے!

(بقیہ حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

ـــه ـ ینبأ النبأ خبر ذو فائدۃ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ ظنّ ولا یقال للخبر نبأ فی الاصل حتّی یتضمّن ھذہ الاشیاء الثلاثۃ و حقّ الخبر الذی یقال فیہ نبأ ان یتعرّی عن الکذب کالتواتر وخبر اللہ تعالی وخبر النبی علیہ السلام ولتضمن النبأ معنی الخبر یقال انبأتہ بکذا کقولک اخبرتہ بکذا ولتضمنہ معنی العلم قیل انبأتہ کذا کقولک اعلمتہ کذا۔۔۔۔۔۔۔۔

ونبّأتہ ابلغ من انبأتہ (مفردات) نبأ اوس خبر کو کہتے ہیں جس میں عظیم الشان فائدہ ہو، نیز اوس سے یقین یا ظن غالب حاصل ہو۔ از روئے لغت کسی خبر کو "نبأ" نہیں کہا جاتا جب تک کہ اوس کے ضمن میں یہ تین چیزیں نہ حاصل ہوں۔ اور ایسی خبر جس کو نبأ کہا جاتا ہے وہ ایسی ہونی چاہئے کہ جھوٹ سے خالی ہو جیسے خبر متواتر (جس سے یقین حاصل ہوتا ہے) اور اللہ سبحانہ تعالی کی دی ہوئی خبر، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دی ہوئی خبر۔ پھر چوں کہ نبأ میں خبر کے معنی ہوتے ہیں اس لئے انبأتہ بکذا (صلۂ باء کے ساتھ) کہا جاتا ہے جیسا کہ

کیا اوس کو خبر نہیں اوس کی جو صحیفوں میں ہے موسی کے اور ابراہیم کے

(بقیہ حاشیہ ۳ے صفحہ گذشتہ)

اخبرته بکذا (بصلۂ باء) کہا جاتا ہے۔ اور چوں کہ نبأ میں علم (یقین) کے معنی ہوتے ہیں اس لئے انبأته کذا (بدوں صلۂ باء کے) کہا جاتا ہے جیسا کہ اعلمته کذا (بدوں صلۂ باء) کہا جاتا ہے۔ اور نبّأته بہ نسبت انبأته کے زیادہ بلیغ ہے"

ﷺ صحف۔ الصحیفة المبسوط من الشیٔ کصحیفة الوجه والصحیفة التی یکتب فیھا وجمعھا صحائف وصحف (مفردات)۔ "کسی پھیلی ہوئی چیز کو "صحیفہ" کہتے ہیں مثلاً صحیفة الوجہ۔ نیز صحیفہ وہ ہے جس میں لکھا ہوا ہو۔ اس کی جمع صحائف اور صحف (دونوں) آتے ہیں"

ﷺ وفّی۔ توفیة الشیٔ بذله وافیا (مفردات) توفیة سے وفّی بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کو پوری طرح پیش کر دینا"

ﷺ وزر۔ الوزر الثقل تشبیھا بوزر الجبل ویعبّر بذلك عن الاثم کما یعبّر عنه بالثقل قال لیحملوا اوزارھم کاملة۔ وکقوله ولیحملنّ اثقالھم واثقالا مع اثقالھم وحمل وزر الغیر

جس نے قول پورا کیا، کہ نہیں اُٹھاتا کوئی اُٹھانے والا بوجھ دوسرے کا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

فی الحقیقۃ ھو علی نحو ما اشار الیہ صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ من سنّ سنّۃ سیئۃ کان لہ وزرھا و وزر من عمل بھا ای مثل وزر من عمل بھا و قولہ ولا تزر وازرۃ وزر اخری ای لا یحمل وزرہ من حیث یتعرّی المحمول عنہ۔ (مفردات) " وزر " بوجھ کو کہتے ہیں جیسے پہاڑ کے ساتھ بوجھ کی تشبیہ دی جاتی ہے اوس سے گناہ مراد ہے جیسے گناہ کی تعبیر بوجھ سے کی جاتی ہے آیہ کریمہ لیحملوا اوزارھم کاملۃً میں اوزار سے گناہاں مراد ہیں۔ اور آیہ کریمہ لیحملن اثقالھم میں بھی اثقال سے گناہ ہی مراد ہیں۔ دوسرے کا بوجھ اوٹھانے کا اصل مطلب وہ ہے جس کی جانب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو کوئی بُرا طریقہ ایجاد کرتا ہے تو اوس کو اوس ایجاد کا اور اوس پر جو لوگ عمل کرتے ہیں اون کے عملیات کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے یعنی عامل کی طرح موجد پر بھی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے یہ مراد نہیں کہ عامل کو چھوڑ کر فقط موجد ہی کو ذمہ دار گردانا جاتا ہے۔ لا تزر وازرۃ سے بھی یہی مراد ہے "

ے سعی ۔ السعی المشی السریع وھو دون العدو ویستعمل للجد

اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کے لئے مگر وہی جو اوس نے کمایا اور یہ کہ اوس کو اوس کی کمائی ضرور دکھادی جائے گی ۔"

شان نزول مجاہد اور ابن زید کہتے ہیں کہ ان آیات کریمہ کا شان نزول یہ ہے :۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مجلس مبارک میں ولید بن مغیرہ بھی تھا جو آپ کی قرأت اور وعظ سے متاثر ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی توقع تھی کہ یہ مشرف بہ اسلام ہوجائے گا ۔ وہ برخاست کے بعد چلا تو اوس کے تاثر کو دیکھ کر ایک مشرک نے کہا : کیا اپنے آبائی دین کو چھوڑتا ہے اگر تو نے کچھ گناہ کئے ہیں تو مجھے اس قدر مال دیدے ۔ تیرے تمام گناہ میں اپنے سر لے لوں گا ۔ ولید اس پر راضی ہوگیا اور کچھ رقم اوس کو دی ۔ مگر ما بقی کے دینے میں بخل کیا ۔ تو اس رکوع کی آیات کریمہ نازل ہوئیں ۔ یہاں اور اقوال بھی ہیں مگر ترجیح اسی کو ہے کہ ولید کے بات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فی الامر خیرا کان او شرا (مفردات) تیز روی کو "سعی" کہتے ہیں ۔ جو دوڑنے بھاگنے کے مقابلہ میں کم ہو ۔ کسی امر میں دوڑ دھوپ کرنا مراد ہے خواہ وہ امر خیر ہو یا شر ۔

نازل ہوئیں۔ (روح المعانی)

افرأیت الذی تولّٰی کی تفسیر

ارشاد ہو رہا ہے:۔ اَفَرَأَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی۔ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی (اے نبی کریم!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا اور آپ کو اسکی خبر بھی ہے جو حق معلوم ہو جانے کے بعد اوس کا اتباع نہ کیا اور نہ اپنے ارادہ پر قائم رہ سکا کچھ دیا اور مابقی سے بخل کیا؟ بلکہ ایک مغوی کے اغواء میں آگیا۔ راہ حق سے بھٹکانے کے لئے بہت سے شیاطین جن وانس سے موجود ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ حق و باطل کی تمیز کرے اور جب حق واضح ہو جائے تو اوسی کا اتباع کرے اور اوس کے مقابل جس قدر صورتیں ہوں اون کو ایک وسوسہ شیطانی تصور کر کے اوس باز آئے۔ ورنہ وہ اس آیہ کریمہ کے تحت داخل ہو گا۔ اب وسوسہ شیطانی میں پھنس کر جو کچھ خرچ کرے گا وہ اوس کے کام نہ آئے گا۔ نیز حق و باطل کی تمیز اوس کو حاصل ہو چکی تو باطل کے لئے خرچ کرنے پر اوس کا دل کیونکر مائل ہو گا۔ بظاہر یہی سبب تھا کہ ولید اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ وہ حق پر قائم رہ سکا اور نہ اپنا عہد ہی پورا کیا۔ نہ خدا ہی ملا

نہ وصال صنم کا پورا پورا مصداق ٹھہرا۔ دین و دنیا دونوں جگہ روسیہ ہوا۔

ولید بن مغیرہ کی مذمت

ولید کی مذمت، محض بخل کی وجہ سے وارد نہیں ہوئی۔ کیوں کہ امر مذموم میں بخل نامحمود نہیں قرار پا سکتا۔ بلکہ اس کی مذمت ان وجوہ سے ہے کہ ولید نے اولاً راہ حق سے روگردانی کی۔ ثانیاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں اوس نے ایک جاہل مشرک کی بات کو ترجیح دی۔ اوس کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ ایک جاہل مشرک اوس کو عذاب آخرت سے بچالے گا۔ اور ولید کی ساری ذمہ داریاں آخرت میں وہ اپنے سر لے لیگا۔ ثالثاً یہ مزید حماقت کی کہ چند درم دے کر عذاب آخرت سے چھوٹ جانے کو باور کر لیا۔ رابعاً یہ کہ اوس پر بھی اپنے بخل کی وجہ سے قائم نہ رہ سکا۔ اب وہ خود ہی فیصلہ کر لے کہ آخرت میں نجات کی اس کے لئے کونسی صورت رہ گئی ہے؟

قوم سے خطاب

یہی حال بعض نادان ابنائے زماں کا ہے کہ ارشادات خدا و رسولؐ اور اتباع احکام سے تو اون کو کچھ سروکار نہیں۔ بلکہ نادان و ناخدا ترس لوگوں سے اون کو نشاہی یقینی

اور بزعم خود یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ فردائے قیامت یہی اون کی بگڑی بنائینگے اوران کی پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگائیں گے۔ ایک جاہل نے اپنے جہل سے کوئی خود ساختہ بات کہہ دی اور دوسرے نادانوں نے اپنی خام خیالی سے اوس کو صحیح باور کر لیا۔ اوس کے پیچھے چلے اور کچھ خرچ بھی کیا۔ مگر کوئی صورت نجات کی نظر نہ آئی تو ہاتھ روک لیا اور خود بھی رک گئے۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔ مولٰنا رومؒ فرماتے ہیں :؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

ایسے افراد کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند سوالات فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے :—

اعندہ علم الغیب فھو یری کی تفسیر

اعندہ علم الغیب فھو یری۔ کیا اوس کے ہاں غیب کا علم ہے جس کو وہ دیکھ رہا ہے یا اوس علم کی بنا پر اپنی یہ رائے قائم کر رہا ہے؟ یری کا ماخذ رویت ہے۔ رویت عینی بھی ہو سکتی ہے اور قلبی بھی۔ رویت عینی مراد لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ کیا اوس کو اون چیزوں کا علم ہے جو دوسروں کی نظروں سے چھپی ہوئی ہیں جیسے

دار آخرت کا علم کہ اوس عالم میں کس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آنے والا ہے اوس کو کون کیا جانے۔ مگر یہ جاہل و مشرک بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ولید سے یہ کہہ رہا ہے کہ جو عذاب تجھ کو ہونے والا ہے اوس کو میں برداشت کرلوں گا تو سوال یہ ہے کہ عالم آخرت کی یہ افتاد جو اوروں کی نظر سے اوجھل ہے کیا اوس کو یہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ اس کو ایسی آنکھ یا عینک کہاں سے مل گئی! اور اگر رویت قلبی مراد لی جائے تو معنی یوں ہوں گے کہ اوس عالم غیب کا انکشاف اس پر کس طرح اور کس ذریعہ سے ہوگیا جس کی بنا پر وہ اپنی یہ رائے قائم کر رہا ہے؟ بہرحال رویت عینی یا قلبی جو بھی مراد لیجئے معنی درست ہوسکتے ہیں مگر اکثر مفسرین کرام نے رویت قلبی لکھی ہے گویا مرجح یہی ہے۔

علم غیب پر ایک سرسری نظر

غیب کا علم حقیقی تو علام الغیوب کو ہے۔ "لا یعلم الغیب الا اللہ" غیب (چھپی ہوئی باتوں) کو اللہ ہی جانتا ہے اوس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" اللہ ہی کے پاس (خزانۂ) غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اوس کے سوا کوئی نہیں جانتا" ہاں اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ

چاہے تو اوس کا علم کرایا جا سکتا ہے۔ جس کی چند صورتیں ہیں :۔

(۱) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کسی کتاب یا صحیفے میں لکھا ہو۔

(۲) اللہ کے رسول نے فرمایا ہو کیونکہ رسولوں کو اس کا علم کرایا جاتا ہے اور درحقیقت انبیا و رسل علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام غیب کی باتیں سنانے کے لیے ہی تشریف لاتے ہیں۔ ایسی باتیں جن کا علم و ادراک انسانی طاقت سے بالاتر او رعقل انسانی اوس کی دریافت سے قاصر ہو۔ اور اون چیزوں کا علم حاصل ہونا انسان کے لئے ضروری ہو۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فلا یظھر علی غیبہ احداً الّا من ارتضی من رسول "اللہ سبحانہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر ایسی ہستیوں کو جن کو رسولوں میں سے چن لیا ہو" چنانچہ اللہ کے تمام پیغمبراں حشر و نشر، جنت و دوزخ، حساب و کتاب وغیرہ تمام امور کی اپنی امتوں کو تعلیم دیتے رہے اور حضور انور محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفداء کی نبوت و رسالت، قیامت تک کے لئے تھی اس لئے آپ کو علم اولین و آخرین سب کچھ مرحمت فرما کر آپ کی فضیلت علمی کو بھی سب سے ممتاز و مفتخر فرمایا۔

کشف و الہام اور خواب حجت نہیں

(۳) کشف و الہام کے ذریعہ

خواہ وہ بواسطۂ ملک ہو یا بلا واسطہ۔ یہ قسم صلحائے اُمت کے لئے ہے۔

(۴) رویائے صالحہ کے ذریعہ۔ اس میں عوام کو بھی حصہ مل سکتا ہے۔ مگر آخری دو قسموں میں قطعیت نہیں ہے۔ اس لئے یہ آخری دو صورتیں حجت نہیں قرار پاسکتیں۔ رہی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات، ان پر ولید جیسے کفار کو ایمان ہی نہیں اور نہ اون کی تعلیمات میں ایسی کوئی تصریح موجود ہے۔ رہ گئی آسمانی کتابیں اون کا بیان آگے آرہا ہے۔ اب آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ ولید بن مغیرہ یا اوس کی گفتگو جس مشرک جاہل سے تھی اوس کو غیب کا علم کہاں سے ہوا جس کی بنا پر وہ کہتا ہے کہ ولید پر جو عذاب آنے والا ہے وہ اوس پر نہ آسکے گا بلکہ اوس عذاب کو یہ مشرک جاہل اپنے دوش پر اوٹھا لیگا۔ اور خود ولید نے یہ کس طرح باور کر لیا کہ اوس کی ساری ذمہ داری دوسرا شخص لے لیگا جو وہ بھی ایک جاہل مطلق ہے، جس کی خاطر ولید نے اپنا مال و دولت دیدی۔ ع۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

اَم لَم یُنَبَّأ بِمَا فِی صُحُفِ مُوسٰی کی تفسیر

"اَم لَم یُنَبَّأ بِمَا فِی صُحُفِ مُوسٰی"، کیا اوس کو خبر نہیں دی گئی اوس کی جو موسی (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے؟

مشرکین عرب اگرچہ حضرت موسی علیہ السلام کو مانتے نہ تھے لیکن ان کی آمدورفت یہودیوں کے پاس تھی۔ اون سے ملتے تو توریت شریف کے مضامین اکثر سنتے رہتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی ہدایات میں مشرکین قریش کو کوئی تامل رہتا تو یہ لوگ یہود و نصاریٰ کے پاس جاکر اپنی تشفی کرتے اور کبھی کچھ باتیں اُن سے سیکھ کر امتحان کے طور پر آپؐ سے پوچھا کرتے۔ چوں کہ قریش کی یہ عادت تھی اس لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ پچھلی ملاقاتوں میں کیا ولید وغیرہ کو یہود سے یہ معلوم نہ ہوا کہ ایک کی ذمہ داری آخرت میں دوسرا شخص اُٹھا سکتا ہے یا نہیں اوس کا حال اس کو معلوم ہوا یا نہیں کیوں کہ توریت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اگر معلوم ہے تو اوس کے خلاف اس نے ایک جاہل کی بات کس طرح مان لی؟ اور اگر ناواقف ہے تو اب جاکر یہود سے کیوں نہیں پوچھ لیتا؟ اور کچھ صحف موسی پر ہی موقوف و منحصر نہیں ان سے پیشتر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر جو صحائف نازل ہوئے تھے اون میں بھی اس کا صاف صریح بیان موجود تھا۔ چنانچہ ارشاد ہورہا ہے:

وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی کی تفسیر

وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی ؕ" اور کیا اس کو خبر نہیں پہنچی اون چیزوں کی جو صحف ابراہیم میں ہیں جنھوں نے اللہ سبحانہ کے احکام وعہود کی پوری پوری تکمیل کی اور خود کو اللہ کا ایک کامل وفادار بندہ ثابت کیا۔"

تمام انبیا علیہم السلام میں سے خصوصی طور پر حضرت موسیٰ وابراہیم علیہما السلام کے اسمائے گرامی اس بنا پر لئے گئے کہ ان سے پیشتر جو انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اون کے عہد میں دستور یوں تھا کہ ایک مجرم کی پاداش میں اوس کے کسی عزیز قریب مثلاً باپ، بیٹے، بھائی، چچا، برادرزادہ یا ابن عم کو گرفتار کر لیا جاتا اور اوسی سے انتقام لیا جاتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ آپ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے بھی ملۃ ابراہیمی کی اتباع اور احکام توریت کی تعمیل میں سابقہ طریقے کو نہایت شد ومد سے منع فرما دیا۔ قریش بھی خود کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تصور کرتے تھے اور فی الحقیقت یہ اولاد ابراہیم تھے۔ نیز خود کو ملۃ ابراہیم کا متبع بتلاتے تھے مگر حقیقت یہ تھی کہ ملت ابراہیمی کی چند ہی باتیں قریش میں باقی رہ گئی تھیں اور

اور وہ بھی مسخ شدہ صورت میں برائے نام تھیں۔ جو بھی ہو ادعا کی بنا پر ان سے یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ صحف ابراہیم میں کیوں نہیں پڑھتے اور اور اگر پڑھنا نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ ان صحائف میں دوسرے کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی بابتہ کیا ہدایت درج ہے؟ اگر پڑھتے یا دریافت کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔

تقدیم ذکر موسوی کی توجیہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عہد ابراہیمی کے بعد ہونے کے باوجود صحف موسیٰ کا ذکر یہاں اس لئے مقدم لایا گیا ہے کہ عہد موسوی نزول قرآن کریم سے قریب تر ہے اور امتحان و دریافت کا طریقہ یہی ہے کہ اولاً گردوپیش اور قریب کی چیزوں کا سوال کیا جاتا ہے۔ دُور کی باتوں کا سوال ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ حضرت ابراہیمؑ نے تو صرف ممانعت فرمائی تھی مگر حضرت موسیٰؑ نے بڑے شدومد سے منع فرمایا آپؑ کی تعلیمات میں متعدد طریقوں سے اس کی صراحت ہوئی تھی۔ اب آگے بیان آرہا ہے کہ اس باب میں صحف موسیٰؑ اور صحف ابراہیمؑ کی تصریحات کیا تھیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں

ارشاد ہوا ہے "الذی وفّی" جنھوں نے پوری طرح تکمیل کی۔ اس مختصر جملے میں جو بلاغت ہے اس کو اہل علم ہی جانتے ہیں اسکی تفصیل ان شاء اللہ المستعان آیہ کریمہ واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت کی تفسیر میں آئے گی۔ یہاں مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے :—

حضرت ابراہیمؑ کے امتحانات
پہلا امتحان

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا چند بار امتحان فرمایا۔ یہ امتحان ایک سے ایک بڑھا چڑھا تھا۔ سب سے پیشتر آپ کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا۔ یہ آپ کی ذات سے متعلق تھا اور اپنی جان کا معاملہ تھا۔ جس وقت آپ کو جھولے یا منجنیق (گوپھن) کے ذریعہ آگ میں جھونکا جا رہا تھا جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا۔ الك حاجۃ۔ کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ ایسی نازک حالت میں حضرت ابراہیم نے فرمایا :— امّا الیك فلا۔ تمہارے پاس اے جبرئیل! میری کوئی حاجت نہیں "

دوسرا امتحان

دوسرا امتحان بابل سے شام کی طرف ہجرت تھی نارِ نمرود سے نجات ملی تو ماں باپ عزیز و اقارب

دوست احباب، گھر بار، مال و دولت، اسباب معیشت، وطن اور سارے تعلقات کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم ہوا۔ یہ امتحان تو سابق کے امتحان سے بھی کٹھن تھا۔ وہ صرف اپنی جان کا معاملہ تھا۔ یہاں اپنے ساتھی بی سارہ بھی ہیں۔ یہ سفر جیسا کچھ صبر آزما رہا اوس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

تیسرا امتحان تیسرا امتحان حضرت ہاجرہ و حضرت اسمٰعیل علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آنے کا حکم تھا۔ جہاں آب و گیاہ تک نام کو نہیں۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں اولاد ہوئی پھر اس نومولود کو شام سے اتنی دور مسافت پر لے جا کر چھوڑ دینے کی فرمایش جیسی دشوار گزار رہے اوس پر ہر ذی ہوش کو غور کرنا چاہیئے۔ یہ مقام مکہ معظمہ کا تھا۔ جب حضرت ابراہیم نومولود اسمٰعیلؑ اور اون کی والدہ کو یہاں چھوڑ کر واپس ہو رہے تھے تو حضرت ہاجرہؑ نے دریافت کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں یہاں کس لئے چھوڑا ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ سب کچھ حکم الٰہی کی بنا پر ہے۔ اس جواب سے حضرت ہاجرہ مطمئن ہو گئیں اور فرمایا فلا یضیّعنا اذن جب

حق تعالیٰ نے ہم کو یہاں رہنے کا حکم فرمایا ہے تو آپ شوق سے تشریف لے جائیں اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع ہونے نہ دے گا" وہ ضرور خبر گیری کرے گا اور بہترین سامان فرمائے گا۔

چوتھا امتحان چوتھا امتحان وہ تھا جو حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰہ والسلام کو ذبح کرنے سے متعلق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب دکھایا گیا تھا۔ جب کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر آٹھ دس سال کی تھی۔ یہ امتحان سب امتحانات سے زیادہ سخت تھا۔ کیوں کہ عمر بھر آپ کے اولاد نہ ہوئی عین پیرانہ سالی میں ہوئی۔ اولاد ہوتے ہی فرزند اور بی بی کو اپنے سے ایک مہینے کی راہ پر وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آنے کا حکم ہوا۔ اور اب جب کہ صاحبزادے کی عمر باپ کے ساتھ چلنے دوڑنے کے قابل ہوئی تو فرمان آیا کہ صاحبزادہ کو ذبح کیا جائے۔ ہر واقعہ کی صراحت اپنی اپنی جگہ آئے گی یہاں یہ تبلانا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس امتحان میں بھی پورے اترے۔ چنانچہ آپ ذبح ولد پر پورے مائل اور صاحبزادے کا یہ عالم کہ ذبح ہونے کے لئے ہر طرح تیار ہو گئے۔ زمین پر پچھاڑ دیا گیا اور چھری چلا دی گئی مگر خدا کی قدرت کہ بجائے اسمٰعیل کے جنت کا دنبہ قربان ہوا اور اس قربانی کی

رسم قیامت تک کے لئے قائم ہوگئی۔ مگر غور کیجئے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے والے، وفادار بندے ایسے ہوتے ہیں کہ راہ خدا میں جوع و خوف برداشت کرنے اور نفس، اموال، اولاد و ثمرات سب کچھ قربان کرنے کے لئے اس طرح ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی پابندیاں

یہ چند منتخب امتحانات ہیں جن کا احوال مختصراً درج کیا گیا ورنہ حضرت ابراہیمؑ کی ساری زندگی مبارک امتحانات سے مملو تھی۔ اسی بنا پر آپ کا ذکر شریف یہاں اس یادگار طریقہ پر فرمایا گیا "وابراھیم الذی وَفّٰی"۔ کیا ان لوگوں کو صحف ابراہیم میں جو کچھ لکھا ہے اوس کی خبر نہیں۔ وہ ابراہیم جنہوں نے اللہ سبحانہ کے ہر امتحان کو خوبی کے ساتھ ختم کیا اور ہر موقع پر وفادار بندے ثابت ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کی نماز چاشت

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اتدرون ما قوله وابراهيم الذی وفّٰی قالوا الله ورسوله اعلم قال وفّٰی عمل یومه باربع رکعات کان یصلّیهن من اول النهار

وزعم انھا صلاۃ الضحی ۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید ابن جریر ابن ابی حاتم ابن مردویہ الشیرازی دیلمی) تم کو معلوم ہے کہ وابراھیم الذی وفی سے کیا مراد ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اوس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے یومیہ اعمال کی تکمیل چار رکعت نماز سے فرمایا کرتے۔ یہ رکعتیں آپ دن کی ابتدائی ساعتوں میں ادا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ نماز چاشت مراد ہے۔"

حضرت ابراہیم کی تسبیح وتحمید

ایک روایت یہ ہے:۔ الا اخبرکم لم سمی اللہ خلیلہ الذی وفّی کان یقول اذا اصبح وامسی فسبحان اللہ حین تمسون الی حین تظھرون ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم کو نہ بتلاؤں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے خلیل کا وصف الذی وفّی سے کس بنا پر فرمایا؟ (صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! ضرور ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا) ابراہیم خلیل اللہ صبح وشام یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے:۔ فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا وحین تظھرون ۔ اللہ سبحانی

پاکی بیان کرتا ہوں اور بیان کی جانی چاہئے جب کہ تم شام کو سونے لگو اور صبح اُٹھتے رہو اور سب تعریف آسمانوں اور زمین میں اوسی کے لئے ہے۔ نیز رات کے وقت، اور ظہر کے وقت"

حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی

الذی وفّی اتمّ ما امر به من ذلك تبليغ الرسالة واستقلاله باعباء النبوة وقيامه باضيافه وخدمته اياهم بنفسه وانّه كان يخرج كلّ يوم فيمشى فرسخا يرتاد ضيفا ان وافقه اكرمه والّا نوى الصوم۔ (خطیب) ارشاد باری تعالیٰ الذی وفّی سے مراد یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کا جو حکم آپؑ کو ملا تھا اوسے پوری طرح اتمام کو پہنچایا اور مستقل مزاجی کے ساتھ نبوت کا بار اُٹھاتے رہے۔ نیز اپنے مہمانوں کی خدمت بہ نفس نفیس کیا کرتے۔ عادت شریف یہ تھی کہ روزانہ ایک فرسنگ (۳ میل) مہمان کی تلاش میں جاتے اگر کوئی مل جاتا تو اوس کو ہم طعام بناتے اور اُس کی خدمت انجام دیتے۔ اور اگر کسی دن کوئی مہمان نہ ملتا تو آپ روزہ کی نیت فرما لیتے"

حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت

مطلب یہ کہ اللہ سبحانہ نے

جس ذات گرامی کو اپنا خلیل بنایا تھا اور جن کو ابوالانبیاء و امام الناس کا منصب ملنے والا تھا اون میں کچھ ایسی خصوصیات جمع فرمادی گئی تھیں کہ اوس سے آپ کی بزرگی اور تقدس ظاہر ہو۔ استقلال و استقامت تو کچھ اس درجہ تھی کہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے لے کر عزائم امور تک بے نظیر پابندی و مداومت یکساں طور پر نمایاں تھی۔ نماز چاشت کی رکعتیں ہوں یا صبح و شام کی تسبیح و تحمید، مہمان کی تلاش ہو یا تبلیغ رسالت، سرمو کسی قسم کا فرق نہ آسکا۔ اللہ جل شانہ نے اپنی رضا و خوشنودی کی سند یادگار طور پر قیامت تک کے لئے لکھ دی کہ وابراھیم الذی وفّٰی۔

الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کی تفسیر

رہی یہ بات کہ صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ میں کیا لکھا تھا اوس کا بیان یہ آرہا ہے: — الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کہ کوئی بوجھ اوٹھانے والا، دوسرے کا بوجھ نہیں اوٹھا سکتا؛ یعنی ہر کام کی ذمہ داری اوس کے کرنے والے پر ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ کار بد ایک شخص کرے اور اوس کا خمیازہ اوس کے کرنے والے کو چھوڑ کر دوسرے کو بھگتنا پڑے جاہلیت اولیٰ میں اگر ایسا دستور تھا بھی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس کو منع فرمادیا

اور آپ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔" اور یہی مضمون صحف موسیٰؑ میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ عمرو بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔ کان الرجل لیوخذ بذنب غیرہ حتّی جآء ابراھیم فقال اللہ وابراھیم الذی وفّی قال بلّغ وادّی ان لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ (امام شافعی، سعید بن منصور، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) ایک شخص دوسرے کے گناہ کے بدلے میں ماخوذ ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے (تو یہ طریقہ مسدود ہوا) چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ وابراھیم الذی وفّی یعنی ابراہیم نے یہ تبلیغ کی اور امانت الٰہی اس طرح پہنچائی کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائیگا۔"

196

لا تزر سے من النذر تک صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کا اقتباس ہے

ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ لما نزلت "والنجم فبلغ وابراھیم الذی وفّی قال وفی ان لا تزر وازرۃ وزر اخری الی قولہ من النذر الاولی (عبد بن حمید، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) جب سورۃ والنجم

نازل ہوئی تو ابن عباسؓ اوس کو پڑھتے پڑھتے وابراھیم الذی
وفی کی آیت تک پہنچتے تو فرماتے ابراہیمؑ نے تکمیل یہ کی کہ لا تزر
وازرۃ وزر اخری سے من النذر الاولی تک کی آیات لوگوں کو
سنائیں۔ اور اون کے مندرجہ احکام پہنچائے۔" چنانچہ صحف ابراہیمؑ اور
توریت کا یہ حکم قرآن کریم کے ذریعہ اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ
تاقیامت جاری رہے گا۔

قرآن کریم کی جامعیت و فضیلت کتب سابقہ پر

مطلب یہ کہ لا تزر وازرۃ سے من النذر الاولی تک جس قدر آیات کریمہ قرآن مجید میں نازل
ہوئی ہیں یہ سب صحف ابراہیم اور صحف موسی علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام
میں بھی موجود تھیں۔ اونھیں کتب سابقہ سے اون کو قرآن کریم میں جگہ دی گئی
ہے۔ یعنی قرآن کریم کی ایک فضیلت و برتری، کتب سابقہ پر یہ ہے کہ
یہ کتاب عزیز سابقہ تمام کتابوں کی جامع ہے۔ جس قدر مفید باتیں
اون میں موجود تھیں وہ سب قرآن کریم میں درج کردی گئیں اور مزید
مضامین قرآن کریم میں ایسے اضافہ ہوئے جو کتب سابقہ میں موجود نہ تھے

اس طرح قرآن کریم ایک کامل مکمل کتاب ہے جس میں تکمیل انسانیت اور تکمیل دین کے جملہ مضامین شامل ہیں۔

صحف سابقہ کا دوسرا حکم

دوسرا حکم صحف موسیٰ و ابراہیم علی نبینا و علیہما الصلاۃ والسلام میں یہ تھا:۔

وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری ثمّ یجزاہ الجزاء الاوفیٰ۔ انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہی جسکی سعی (کمائی) خود اس انسان نے کی ہو اور اوس کی کمائی عنقریب دکھائی جائے گی۔ پھر اوس کو اپنی کمائی کی پوری پوری جزا ملے گی"۔ مطلب یہ کہ جس طرح ایک کا بوجھ دوسرا اوٹھا نہیں سکتا۔ اسی طرح ایک کی کمائی سے دوسرا منتفع بھی نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار و جواب دہ ہے دوسرے کو اس سے تعلق نہیں۔ اسی طرح ایک شخص کے کارہائے خیر کا صلہ اور اون سے متمتع ہونے کا موقع بھی خود اوس انسان کو حاصل ہوگا۔ دوسرے کو اس سے کوئی حق تمتع و انتفاع نہیں دیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ صراحت وارد ہوئی ہے:۔ من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا۔ کسی نے اچھا کام کیا ہے تو

اوس کا صلہ اوس کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور جس نے برا کیا اوس کا
وبال بھی اوسی پر ہے"۔ بہرحال فعل کا اثر فاعل کی ذات تک محدود ہے
خواہ وہ فعل خیر ہو یا شر۔ اعمال خیر و شر میں کوئی فرق نہیں کہ عامل ہی تک
اون کا اثر محدود ہے۔

ایصال ثواب کے لئے ایمان شرط ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہاں "سعی"
سے مراد "ایمان" ہے جو تمام
اعمال صالحہ کی جان ہے یا سلامتی ایمان کی سعی ہے جس میں مومن کو
مدۃ العمر لگے رہنے کی ضرورت ہے کیوں کہ اگر ایمان سلامت ہے تو
اعمال صالحہ کا اثر دنیا و آخرت تک وسیع ہے عامل کو اپنے عمل کا ثمرہ
دنیا و آخرت دونوں میں ملے گا، اور اگر ایمان نہیں تو اعمال صالحہ کا
اثر حیات دنیا تک ہی محدود ہوگا آخرت میں اوس کا کچھ بھی حصہ نہ ہوگا
جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے :۔ من کان یرید العاجلۃ
عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلٰھا مذموما
مدحورا و من اراد الاٰخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا وھو مؤمن
فاولئک کان سعیھم مشکورا" جو کوئی چاہتا ہو جلدی کی جگہ

(دارِ دنیا) ہم جلد دے دیں گے اوس کو اوسی میں' جتنا چاہیں' جس کو چاہیں پھر ٹھہرا دیا ہے ہم نے اوس کے لئے دوزخ' جس میں وہ داخل ہوگا برائی (سُن کر) ڈھکیلا جاکر' اور جس نے چاہا (دارِ) آخرت اور اوس کی سعی کی جو اوس کے لئے مقرر ہے اور وہ ایمان پر ہے تو ایسے لوگوں کی سعی کارآمد ہے"۔ عـــہ خود اس سورت میں بھی لم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا کی تصریح گزر چکی ہے کہ کافر کا مطمح نظر دنیا کے سوا اور کچھ نہیں۔ اوس کو نہ تو آخرت پر ایمان ہے اور نہ آخرت سے اوس کو کچھ سروکار۔ لہٰذا لیس للانسان الا ما سعیٰ کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لئے صرف ایمان ہی آخرت میں کارآمد ہے یا وہ اعمال صالحہ جو ایمان کی سلامتی کے لئے وہ کرتا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی سعی ہر انسان کو اپنے اپنے واسطے کرنی چاہئے۔ دوسرے شخص کی ایسی سعی اپنے لئے کارآمد نہیں ہوسکتی جس کی تائید میں بے شمار آیات و احادیث ہیں۔

معتزلہ ایصال ثواب کے قایل نہیں

معتزلہ کو اللہ سبحانہٗ

عـــہ ان ہر دو آیات کریمہ کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۲ میں فرمائی ہے جو قابل دید ہے

ہدایت دے کہ اونھوں نے اس آیۃ کریمہ کی بنا پر ایصال ثواب کا انکار کیا اور اپنا مذہب یہ قرار دیا کہ ایصال ثواب کوئی چیز نہیں کیوں کہ وہ غیر کی سعی اور غیر کا عمل ہے روح البیان میں ہے :۔ وعند المعتزلة لیس للانسان جعل ثواب عمله مطلقا لغیره ولا یصل الیه ولا ینفعه لقوله تعالی وان لیس للانسان الا ما سعی ولان الثواب الجنة ولیس فی قدرة العبد ان یجعلها لنفسه فضلا عن غیره ۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب، کسی صورت میں دوسرے کے لئے مختص نہیں کرسکتا۔ اور نہ وہ ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے اور نہ دوسرے کو اوس سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے وہی ہے جو خود اوس نے کیا۔ و نیز اس لئے کہ ثواب سے جنت مراد ہے اور وہ خود اپنے قابو میں نہیں چہ جائیکہ دوسرے کو بخش دی جائے ۔" العجب ثم العجب۔ آیہ کریمہ لیس للانسان الا ما سعی کو معتزلہ نے ظاہر پر محمول کیا ہے سطور بالا میں اس کی تفسیر گزر چکی اس کو ایصال ثواب سے تعلق نہیں مگر معتزلہ نے اس کو ایصال ثواب سے متعلق کر ہی دیا ہے جو اہل السنۃ والجماعت کے

مذہب حق اور صریح آیات واحادیث اور اجماع امت کے خلاف ہے تو نفس مسئلہ ایصال ثواب کی صراحت ضروری ہوئی جس کو با لاختصار لکھا جاتا ہے۔

ایصال ثواب اہل سنت وجماعت کے نزدیک حق ہے

علامہ زیلعیؒ نے شرح کنز باب الحج عن الغیر میں لکھا ہے :۔ الاصل فی ھٰذا الباب انّ الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ عند اھل السنّة والجماعة صلاة کان اوصوما اوحجًا اوصدقة او قراءة قرآن اوالاذکار الی غیر ذلك من جمیع ابواب البرّ ویصل ذلك الی المیت وینفعه۔ اصل اس باب میں یہ ہے کہ انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش دے یہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے۔ وہ عمل نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا خیرات، قراءت قرآن ہو یا اذکار وغیرہ غرض جملہ ابواب خیر اس میں داخل ہیں اور یہ ثواب میت کو پہنچتا اور اسکو نفع دیتا ہے" اسی طرح ہدایہ میں بھی ہے جو فقہ حنفیہ کی نہایت معتبر کتاب ہے۔ حنابلہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ

۱۵۹

خیرات، اور عبادات مالیہ اور حج (جو عبادت بدنی و مالی ہے) کا ثواب پہنچتا ہے لیکن نماز و روزہ، قراءت قرآن وغیرہ اذکار جو خالص عبادات بدنیہ ہیں ان کا اجر صرف عامل کو ملتا ہے۔ دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف، تفصیل میں ہے نفس ایصال ثواب میں کوئی اختلاف نہیں۔

ایصال ثواب احادیث شریفہ کی روشنی میں

مذہب حنفیہ و حنابلہ کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے:— ۱ انّ رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان لی ابوان ابرّھما حال حیاتھما فکیف لی برّھما بعد موتھما فقال لہ علیہ الصلاۃ والسلام انّ من البرّ بعد البرّ ان تصلّی لھما مع صلاتک وان تصوم لھما مع صیامک (دارقطنی)

ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والدین تھے جن کی حیات میں میں اون کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ اون کی وفات کے بعد میرے لئے کیا چارہ کار ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ زندگی کے حسن سلوک کے بعد اب حسن سلوک کی

صورت یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اون کے لئے بھی نماز پڑھا کرو اور اپنے روزوں کے ساتھ اون کے لئے بھی روزہ رکھا کرو۔"

۲۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔

انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مرّ علی المقابر و قرأ قل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ ثمّ وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ (دارقطنی) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کسی کا قبرستان پر سے گزر ہو اور وہ (۱۱) بار قل ھو اللہ احد پڑھ کر اوس کا ثواب اون اہل قبور کو بخشے تو (اس کا ثواب اون کو ملتا ہے نیز اس پڑھنے والے کو) اون اہل قبور کی تعداد کے موافق اجر ملے گا۔"

۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰسٓ خفّف عنھم یومئذ وکان لہ بعدد من فیھا حسنات۔ (ابوحفص عکبری) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی قبرستان میں جائے اور سورۂ یٰسٓ پڑھے اہل قبور کے حق میں اوس دن تخفیف ہوگی اور اوسکو بھی

اہل قبور کی تعداد کے مطابق حسنات ملیں گے۔"

ان روایات سے ثابت ہے کہ نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور اذکار جو خالص عبادات بدنیہ ہیں اموات کو ان کا ثواب پہنچتا ہے۔

۴۔ حضرت انسؓ سے دوسری روایت ہے:۔ انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله انا نتصدق عن موتانا و نحج عنهم وندعو لهم فهل یصل ذلك الیهم قال نعم انه لیصل ویفرحون به کما یفرح احدکم بالطبق اذا اهدی الیه۔ (عکبری)

انسؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے اموات کی طرف سے خیرات کرتے ہیں۔ اون کی طرف سے حج کرتے ہیں۔ اون کے لئے دعا کرتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں اون تک پہنچتی ہیں؟ فرمایا ہاں بے شک پہنچتی ہیں اور وہ اوس سے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جیسا تم میں سے کسی کو خوشی ہوتی ہے جب کہ کوئی خوان اوس کے پاس ہدیۃً آئے۔"

۵۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اقرأوا علی موتاکم سورة یٰس (ابوداؤد) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

تم اپنے مُردوں پر سورۂ یٰس پڑھا کرو"۔ حالت احتضار (بوقت نزع دمِ واپسیں) میں پڑھنا مراد ہے۔ یہاں حکم ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ حُکم بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس پر عام طور پر عمل درآمد بھی ہے الحمدللہ

۶۔ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :۔ انّہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یضحی یشتری کبشین عظیمین سمینین اقرنین املحین موجوئین فذبح احدھما عن امّتہ ممن شہد للّٰہ بالتوحید وشہد لہ بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وآل محمد (ابن ماجہ وحاکم وطبرانی عن ابی ہریرہ) آنحضرت ارواحنا لہ الفداء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو دنبے بڑے بڑے چکنے فربہ سینگ پھرے ہوئے۔ سیاہ وسفید بال والے، خصی کیے ہوئے خرید فرماتے۔ پھر اون میں سے ایک کو اپنی امتہ کی طرف سے ذبح فرماتے جو خدا کی وحدانیت، اور آپ کی تبلیغ کی گواہی دیتی ہو اور دوسرے کو ذات اقدس اور اپنے آل اطہار کی طرف سے"۔

اسی مضمون کی روایات ابونعیمؒ، حاکمؒ، ابن ابی شیبہؒ، ابن اسحاقؒ،

ابو یعلیٰ، امام احمدؒ اسحاق، طبرانی، بزار، دارقطنی، کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جو حضرت ابوہریرہؓ، جابرؓ، ابورافع، حذیفہ، ابوطلحہ، انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

امام ابن ہمامؒ کی تحقیق

فقد روی ھٰذا عن عدۃ من الصحابۃ وانتشرت مخرّجوہ فلا یبعد ان یکون القدر المشترک وھو انّہ ضحّی عن امّتہ مشھوراً یجوز تقیید الکتاب بہ مالم یجھلہ صاحبہ (فتح القدیر) یہ روایت متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جس کی تشریح کرنے والے اقطار عالم میں پھیلے ہوئے ہیں لہٰذا اس سب کا خلاصہ اور قدر مشترک یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی امۃ مرحومہ کی طرف سے قربانی ادا فرمائی۔ اور یہ حدیث (بالمعنی) حدیث مشہور قرار پاتی ہے جس سے کتاب اللہ کی تقیید جائز ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اس اصول ہی سے ناواقف ہو۔"

خالص عبادت مالیہ، یا ان سے مرکب عبادات سے متعلق قربانی کی حدیث تو گزر چکی دیگر روایات ملاحظہ طلب ہیں: —

۷ ۔ انّ امرأۃ من خثعم قالت یا رسول اللّٰہ انّ فریضۃ اللّٰہ فی الحج علی عبادہ ادرکت ابی شیخا کبیرا لا یثبت علی الراحلۃ افأحجّ عنہ قال نعم (بخاری و مسلم) قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا کہ : ۔ یا رسول اللہ ! حج کے بارہ میں اللہ کا فریضہ جو بندوں پر عاید ہوا ہے میرے باپ کو ایسی حالت میں پہنچا ہے کہ وہ سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتے ۔ تو کیا اون کی طرف سے میں حج ادا کروں ؟ تو فرمایا ۔ ہاں ۔"

۸ ۔ و قال علیہ الصلاۃ والسلام لرجل حجّ عن ابیك واعتمر (ابوداؤد ، نسائی ، ترمذی) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ ادا کر لو ۔"

۹ ۔ انّ امرأۃ رفعت صبیّا لھا من محفّۃ وقالت یا رسول اللّٰہ الھذا حجّ قال نعم ولك اجر ۔ ایک عورت نے اونٹ میں سے اپنے بچے کو بلند کر کے دکھایا اور پوچھنے لگی کہ یا رسول اللہ ! کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے ؟ آپ نے فرمایا ہاں (ہو سکتا ہے) اور تجھے اجر ملے گا ۔"

۱۰ ۔ قال سعد للنّبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم انّ امّی توفّیت أفأتصدّق عنھا قال نعم قال فایّ الصدقۃ افضل قال سقی الماء

فحفر بئرا وجعلها فی سبیل اللہ ۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
عرض کیا کہ میری والدہ کی وفات ہوچکی ہے کیا میں اون کی طرف سے
خیرات کروں ؟ تو آپ نے فرمایا ضرور ۔ عرض کیا کہ کونسی خیرات
سب سے بڑھکر ہے ؟ فرمایا پانی پلانا ۔ چنانچہ اونھوں نے ایک کنواں
خریدا اور فی سبیل اللہ اوس کو وقف کر دیا۔"

۱۱۔ انّ عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا اعتکفت عن اخیہا
عبد الرحمن رضی اللہ تعالی عنہ بعد موتہ واعتقت عنہ ۔
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی
عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات کے بعد اونکی
طرف سے اعتکاف کیا اور اون کی طرف سے غلام آزاد کیا۔" یہاں
دونوں قسم کی عبادتیں جمع ہیں ۔ اعتکاف عبادت بدنیہ ہے اور غلام
آزاد کرنا عبادت مالیہ ہے ۔

۱۲۔ قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انّ امّی افتلتت
نفسہا واظنّہا لو تکلّمت تصدّقت فہل لہا اجران تصدّقت عنہا

قال نعم (بخاری مسلم، ابو داؤد، نسائی عن عائشہؓ) ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ نے اچانک انتقال کیا اور میرا گمان غالب ہے کہ اگر وہ بات کر سکتیں تو ضرور خیرات کرتیں۔ تو کیا اون کو ثواب ملے گا اگر میں اون کی طرف سے خیرات کروں؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ (ضرور ثواب ملے گا)۔"

۱۳۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔ اتی رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انّ اختی نذرت لان تحجّ وانّھا ماتت فقال النبی علیہ الصلاۃ والسلام لو کان علیھا دین اکنت قاضیہ قال نعم قال فحقّ اللہ احقّ بالقضاء (بخاری مسلم نسائی) ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کو جائینگی۔ اب اون کا انتقال ہو چکا ہے اس پر حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا فرض کرو اگر تمہاری بہن پر کوئی دین ہوتا تو کیا تم اوس کو ادا کرتے؟ اوس نے عرض کیا کہ ہاں (ضرور ادا کرتا) آپ نے فرمایا بس اللہ کا حق بھی ادا کئے جانے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے۔"

۱۴۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ یموت الرّجل ویدع ولدا فیرفع لہ درجۃ فیقول ما ھذا یارب فیقول سبحانہ وتعالیٰ استغفار ولدك۔ انسان مرجاتا ہے اور اولاد چھوڑجاتا ہے تو اوس کا ایک درجہ بلند کردیاجاتا ہے۔ وہ (فرطِ خوشی سے) عرض کرتا ہے پروردگار! اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تیری اولاد کا استغفار ہے"۔ مثلاً بچہ نماز پڑھتا ہے اور نماز میں کہتا ہے اللھمّ اغفرلی ولوالدیّ۔ الٰہی مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش"۔ تو ایسی اولاد کے ماں باپ کے مدارج اس طرح بلند ہوتے رہتے ہیں۔ جبھی تو اللہ سبحانہ نے حکم فرمایا۔ وقل ربّ ارحمھما کما ربّیانی صغیرا۔ اور یوں کہتے رہو کہ پروردگار! میرے ماں باپ پر اسی طرح رحم فرما جیسا کہ اونھوں نے لڑکپن میں میری تربیت کی"۔

ایصال ثواب قرآن کریم کی روشنی میں

سورۂ احزاب میں ہے۔ ھوالذی یصلّی علیکم وملائکۃ لیخرجکم من الظلمت الی النور وکان

بالمؤمنین رحیما۔ وہی ہے جو تم پر ہمیشہ رحمت بھیجتا رہتا ہے اور اوس کے فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائیں اہل ایمان پر وہ بہت مہربان ہے۔"

یہ بھی ارشاد ہے :۔ والملائکۃ یسبّحون بحمد ربّھم و یستغفرون لمن فی الارض۔ اور فرشتے اپنے پروردگار کے حمد کی تسبیح کہتے رہتے ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں اون کے لئے مغفرت کی درخواست کرتے رہتے ہیں۔"

۲۔ یہ بھی ہے :۔ الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبّحون بحمد ربّھم و یستغفرون للذین آمنوا ربّنا وسعت کلّ شیئ رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتّبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم وقھم السیّئات۔ جو فرشتے حاملان عرش ہیں اور اون کے اطراف والے یہ سب اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے اور ایمان والوں کے لئے یوں دعائے مغفرت کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہر چیز آپ کے احاطۂ رحمت وعلم میں ہے لہٰذا اون کو بخش دیجئے جنھوں نے توبہ کی اور آپ کی (بتائی ہوئی)

راہ پر چلتے رہے اور اون کو دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھے۔
نیز اون کو برائیوں سے دور رکھے"

۳۔ یہ بھی ارشاد ہے :۔ والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شیئ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اون کی ذریت نے بھی ایمان کے ساتھ اون کا اتباع کیا تو اون کی ذریت کو بھی ہم اون کے (آباو اجداد) کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ اور اون کے عمل میں سے اوس کے ثواب میں اون کے لئے کچھ بھی کمی نہیں کریں گے" یعنی آباو اجداد صالحین کے ساتھ اون کی مومن اولاد شامل کردی جائے تو آباو اجداد کے ذاتی عمل میں سے اون آباو اجداد کے حق میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور نہ اولاد کے ذاتی اعمال میں سے کچھ کمی ہوگی ہر فریق کو اپنے اعمال صالحہ کی جزا علیحدہ ملے گی۔

یہ چند احادیث شریفہ اور آیات کریمہ ہیں جن سے مسئلہ ایصال ثواب پر روشنی پڑتی ہے، معتزلہ کا جواب حسب ذیل ہے۔

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا :۔ وصل علیھم ان صلوتك سکن لھم۔ آپ اون کے (جنازوں) پر نماز

پڑھتے رہیں۔ آپ کی نماز، اون کی تسکین کا سبب ہے۔"

۵۔ حضرت موسیٰ و خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ارشاد ہے:۔ واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لهما کان ابوهما صالحا فاراد ربك ان یبلغا اشدهما ویستخرجا کنزهما رحمۃ من ربك وما فعلته عن امری۔ (حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا ہم نے) دیوار اس لئے بنا دی کہ وہ دو یتیم بچوں کی تھی جو شہر میں رہتے ہیں۔ اس کے نیچے اون کا خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک تھا آپ کے پروردگار نے چاہا کہ یہ بچے پختہ عمر کو پہنچیں تو وہ اپنا خزانہ (دیوار کے نیچے سے) نکال لیں یہ سب آپ کے پروردگار کی مہربانی ہے۔ یہ کام میں نے اپنی خودی سے نہیں کیا۔" مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ وہ مرد صالح اون یتیموں کا حقیقی باپ نہ تھا بلکہ جد اعلیٰ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مرد صالح کی بدولت، اوس کی کئی پشتوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دنیا کے بادشاہ بھی تو نسلاً بعد نسل جاگیرات دیتے ہیں کیا اللہ کی عطا ان سے بھی کم ہوگی؟

آیہ کریمہ لیس للانسان الا ما سعی سے حضور اکرمؐ کا تاثر | حضرت ابن عباسؓ سے

مروی ہے :۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ اذا قرأ وان لیس للانسان الّاماسعی وانّ سعیہ سوف یُری ثمّ یجزاہ الجزاء الاوفی استرجع واستکان (ابن مردویہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آیات کریمہ لیس للانسان الّاماسعیٰ کی تلاوت فرماتے تو انا للہ پڑھتے اور زاری فرماتے"۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا میں ایک کے بعض اعمال دوسرے کے لئے مفید ہیں۔ چنانچہ ہبہ، صدقہ، تحفہ، صلہ رحم، اعتاق، عفو، رحم وکرم، مہمانی، شفقت، خدمت، معاونت و تبادلہ اشیاء وغیرہ کے علاوہ جو تمدنی زندگی کے لئے لازمی وضروری ہیں کفالت، وکالت، نیابت، وراثت، قائم مقامی، شفاعت (سفارش) وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان سے دنیا میں اشخاص، جماعتوں اور اقوام کے کام نکلتے ہیں اور جملہ امور مذکورہ ایک ایک کے اعمال ہیں، جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور دار آخرت کی بنیاد، دار دنیا کے نقشہ پر قائم کی گئی ہے لہذا بجز چند مختصہ ابواب کے جو دنیا یا آخرت کے ساتھ خاص ہیں اکثر امور دنیا و آخرت کے ملتے جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں دنیا کے ساتھ آخرت کا اور آخرت

کے ساتھ دنیا کا ذکر کیا جاتا ہے اور جنت کو جس کا تعلق دار آخرت سے ہے دنیوی اعمال کا ثمرہ تبلایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ "وتلك الجنّة التی اورثتموها بما کنتم تعملون" یہ وہی جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اون تمام اعمال کے بدلہ میں جو تم (دنیا میں) کرتے رہے" لہذا دنیا میں تو ایک کا عمل دوسرے کے کام آتا ہے اگر یہ صورت آخرت کی نہ ہو تو آخرت کا نقشہ ہی سرے سے دگرگوں ہونا لازم آئے گا اور لیس للانسان الّا ما سعی سے بظاہر ایسا ہی سمجھ میں آتا تھا' اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تلاوت کے بعد انا للہ پڑھتے اور زاری فرماتے تھے۔

۱۵۹

امۃ مرحومہ کے حق میں تخفیف

پھر ان ہی ابن عباسؓ سے دوسری روایت یوں آئی ہے

جس میں آپ نے فرمایا:۔ فانزل اللہ بعد ذالك والذین آمنوا واتّبعتهم ذرّیّتهم بایمان الحقنا بهم ذرّیّتهم فادخل اللہ الابناء الجنّة بصلاح الآباء۔ (ابوداؤد' نحاس' ابن جریر' ابن المنذر' ابن مردویہ) پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل فرمائی

(جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ جو لوگ ایمان لائے اور اون کی ذریت و اولاد بھی ایمان کے ساتھ اون کی متابعت کرتی رہی تو ہم نے اون کی ذریت کو اون کے ساتھ ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح آبا و اجداد کے صالح ہونے کی بنا پر اون کی (ایمان دار) ذریت کو بھی اون کے ساتھ جنت میں داخل فرما دیا۔ (گو ذریت کی صالحیت، اون کے آبا و اجداد کی طرح نہ تھی ہاں ذریت دولت ایمان ضرور رکھتی تھی)"۔

ایصال ثواب بقول ابن عباسؓ

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے :—

عدم اثابة الانسان بسعی غیرہ و فعله وهذا منسوخ الحکم فی هٰذه الشریعة بقوله تعالى الحقنا بهم ذرّیّتهم فیدخل الابناء الجنّة بصلاح الآباء ویجعل الولد الطفل یوم القیامة فی میزان ابیه ویشفع الله الآباء فی الابناء والابناء فی الآباء یدلّ علی ذلك قوله تعالیٰ آباؤكم وابناؤكم لا تدرون ایّهم اقرب لکم نفعا۔ (روح البیان) دوسرے کی سعی اور عمل سے انسان کا ثواب نہ پانا اس شریعت میں منسوخ ہے (گو شرائع سابقہ میں ایسا نہ ہو) کیوں کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اون کی ذریت کو اون کے ساتھ (جنت میں) ملا دیں گے۔" لہذا آبا و اجداد کے صالح ہونے سے اون کے فرزندوں کو جنت میں اون کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔ اور چھوٹے بچوں کو (جن کی وفات بچپن میں ہو چکی) قیامت کے دن اون کے باپ کی ترازو میں رکھ دیا جائے گا۔ باپ، بیٹوں کی شفاعت کریں گے اور بیٹے باپ کے شفیع ہوں گے۔ اس مضمون پر ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) تمھارے آبا و اجداد اور اولاد و احفاد میں سے تم کو نفع پہنچانے میں کون قریب تر ہے؟ اوس کو تم نہیں جانتے۔" مطلب یہ ہے کہ نفع تو ایک سے دوسرے کو ضرور ہوتا ہے مگر نفع کس کا زیادہ ہے اوس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ایصال ثواب بقول عکرمہ

قال عکرمۃ کان ذلک لقوم ابراھیم وموسی واما ھذا الامۃ فلھم ما سعوا وسعی لھم غیرھم (روح البیان) عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے بس اپنی ہی سعی کار آمد اور مفید ہونا حضرت ابراہیم اور موسیٰ علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے احکام

رہی یہ امۃ (مرحومہ) ان کے لئے خود اپنی سعی بھی مفید ہے۔ اور دوسروں کی سعی جو ان کے لئے ہو وہ بھی سود مند ہے" مطلب یہ کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہ اوٹھانا یہ تو عہد ابراہیمی سے لے کر قیامت تک جاری ہے لیکن ایک کی سعی سے دوسرے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے جب کہ سعی کرنے والے اپنی سعی اوس دوسرے کے لئے کی ہو۔ شریعت ابراہیمی و موسوی میں سعی کی تخصیص ساعی کی ذات تک محدود تھی وہ باقی نہیں رہی بلکہ اوس سے دوسرا بھی متمتع ہو سکتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امۃ مرحومہ کی خصوصیت ہے جو آپؐ کی بدولت امتہ مرحومہ کو نصیب ہوئی والحمد للہ علی ذلک۔

ایصال ثواب کا انکار کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف ہے

علامہ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ حنبلی فرماتے ہیں من اعتقد ان الانسان لا ینتفع الا بعملہ فقد خرق الاجماع وذلك باطل من وجوہ کثیرۃ۔ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ انسان صرف اپنے عمل سے فائدہ اوٹھاتا ہے اور دوسرے کے عمل سے اوس کو کوئی نفع نہیں پہنچتا ایسا عقیدہ

اجماع امت کے خلاف ہے اور ایسا خیال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ انّ الانسان ینتفع بدعاء غیرہ وھوا نتفاع بعمل الغیر "انسان دوسرے کی دعا سے فائدہ اوٹھاتا ہے اور یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ اوٹھانا ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ نماز جنازہ اسی لئے مشروع ہوئی۔ ارشاد ہوا:۔ وصلّ علیھم انّ صلوٰتك سكن لھم۔ "اے نبی کریم آپ ان مسلمانوں کی میت پر نماز جنازہ پڑھا کریں۔ آپ کی نماز ان کی تسکین کا موجب ہے۔"

۲۔ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشفع لاھل الموقف فی الحساب ثم لاھل الجنّة فی دخولھا۔ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قیامت کے دن) جملہ اہل موقف کے لئے حساب کے موقع پر شفاعت فرمائیں گے پھر تمام اہل جنت کے شفیع ہوں گے اوس میں جانے کے لئے۔"

۳۔ لاھل الکبائر فی الخروج من النار وھذا انتفاع بسعی الغیر۔ "بڑے گناہ والوں کی شفاعت دوزخ سے نکالنے کے بابت میں حضورؐ فرمائیں گے۔ یہ شفاعت بھی مشفوع کا اپنا عمل نہیں ہے۔" جیسا کہ

آپ نے فرمایا: — شفاعتی لاھل الکبائر من امتی - میں اپنی امت کے اون لوگوں کی بھی شفاعت کروں گا جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔"

۴ - ان اللہ تعالیٰ یخرج من النار من لم یعمل خیرا قط بمحض رحمتہ وھذا انتفاع بغیر عملھم۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ محض اپنی رحمت کاملہ سے ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جنھوں نے کوئی عمل خیر کبھی نہیں کیا۔ یہ بھی اپنے عمل کے بغیر نفع اوٹھاتا ہے۔"

۵ - ان الملائکۃ یدعون ویستغفرون لمن فی الارض وذلک منفعۃ بعمل الغیر۔ ملائکہ کرام اہل زمین کے لئے دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی غیر کے عمل سے منفعت حاصل کرنا ہے۔"

۶ - ان اولاد المؤمنین یدخلون الجنۃ بعمل آبائھم وذلک انتفاع بمحض عمل الغیر۔ اہل ایمان کی اولاد اپنے آبا واجداد کے عمل کی بدولت جنت میں جائے گی یہ بھی محض غیر کے عمل سے منتفع ہونے کی صورت ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ اولاد اگر سن بلوغ کو پہنچ چکی تھی تو اوس کا بیان آیہ کریمہ الحقنا بھم ذریتھم میں آچکا اور اگر نابالغ تھی تو حدیث شریف میں آیا ہے: — الولد یتبع

خیرالابوین دینًا۔ اولاد اپنے ماں باپ کے تابع ہوتی ہے جو دین کے اعتبار سے بہتر ہوں۔" یعنی اگر ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو ظاہر ہے کہ اون کی اولاد بھی مسلمان شمار کی جائے گی۔ اور اگر ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم ہو تو جو مسلمان ہے اولاد اوسی کی تابع سمجھی جائے گی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دوسروں کے ایمان سے ان بچوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ کیوں کہ اولاد الگ ہے اور ماں باپ جدا۔

۷۔ قال تعالیٰ فی قصۃ الغلامین یتیمین وکان ابوھما صالحا فانتفعا بصلاح ابیھما ولیس من سعیھما۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ وخضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کی ملاقات کے سلسلہ میں) دو یتیم بچوں کے واقعہ میں فرمایا کہ ان کا باپ صالح تھا اور محض باپ کی صلاحیت کی بناپر ان یتیم بچوں کا کام بنا دیا گیا۔ اس میں بچوں کے عمل کا کچھ بھی دخل نہ تھا۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے سورۂ کہف کی تفسیر میں گزر چکا ہے جو قابل دید ہے۔

۸۔ ان المیّت ینتفع بالصدقۃ عنہ وبالعتق بنص السنّہ

والاجماع وھو من عمل الغیر۔ میت کی طرف سے خیرات اور غلام آزاد کرنے سے میت کو نفع پہنچتا ہے جس کی صراحت احادیث صحیحہ میں آئی ہے اور اس پر تمام ائمہ اور امت مرحومہ کا اجماع ہے۔ یہ بھی عمل غیر ہے۔"

۹۔ انّ الحجّ المفروض یسقط عن المیّت بحجّ ولیّہ بنص السنّۃ وھو انتفاع بعمل الغیر۔ فریضۂ حج میت کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے جب کہ اوس کا ولی اوس کی طرف سے حج بدل ادا کرتا ہے۔ صریح حدیثیں اس باب میں موجود ہیں۔ یہ بھی غیر کے عمل سے منتفع ہوتا ہے۔"

۱۰۔ انّ الحج المنذور والصوم المنذور یسقط عن المیّت بعمل غیرہ بنصّ السنّۃ وھو انتفاع بعمل الغیر۔ منت مانی تھی (کہ فلاں کام نکلے گا تو) حج کریگا یا روزہ رکھیگا (مگر ایفائے نذر سے پہلے مرگیا) دوسرے نے اوس کی طرف سے اس کی تکمیل کی اور حج اور روزہ کا وجوب میت کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اس میں بھی حدیثیں آئی ہیں۔ یہ بھی غیر کے عمل سے نفع اوٹھانا ہے۔"

۱۱۔ المدین قد امتنع صلی اللہ علیہ وسلم من الصلاۃ

علیہ حتی قضی دینہ ابو قتادۃ وقضی دین الآخر علیؓ بن ابی
طالب رضی اللہ تعالی عنہما وانتفعا بعمل الغیر بصلاۃ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وھو من عمل الغیر۔ ایک مدیون کا جنازہ نماز کیلئے
لایا گیا۔ آں حضرتؐ نے بلا ادائے دین نماز پڑھانے میں توقف فرمایا
تو ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ نے وہ قرضہ ادا کر دیا اور
ایسے ہی دوسرے کا قرض حضرت سیدنا علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ تعالی
عنہ نے ادا فرمایا جس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
نماز جنازہ پڑھائی۔ ان ہر دو مدیونین کو دوسروں کے عمل سے آں حضرتؐ
کی نماز کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ بھی عمل غیر تھا۔

۱۲۔ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لمن صلّی وحدہ
الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقد حصل لہ فضل
الجماعۃ بفعل الغیر۔ (نماز ختم ہونے کے بعد ایک صحابی آئے اور
تنہا نماز شروع کی تو) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس
شخص کی خاطر فرمایا کیا کوئی نہیں کہ اس کو اپنی خیرات سے مستفید کرے
اور اس کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھے (چنانچہ اس بنا پر حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ چکے تھے اوس کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے جس سے) اس شخص کو فضیلتِ جماعت مل سکی یہ بھی غیر کا عمل تھا۔"

۱۳۔ انّ الانسان تبرأ ذمّتہ من دیون الخلق اذا قضاھا قاض عنہ وذلك انتفاع بعمل الغیر۔ انسان اپنے ذمہ کے دیون سے عام طور پر بری الذمہ ہو جاتا ہے جب کہ کوئی شخص اوس کی طرف سے وہ دَین ادا کر دیتا ہے۔ یہ بھی دوسرے کے عمل سے نفع اوٹھاتا ہے۔"

۱۴۔ انّ من علیہ تبعات ومظالم اذا حلّ منھا سقطت عنہ وھذا انتفاع بعمل الغیر۔ جس کے ذمہ مطالبات ہوں یا کسی پر مظالم ڈھائے ہوں جب اوس کو معافی دی گئی تو دارو گیر اور مطالبات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غیر کے عمل سے نفع اُٹھاتا ہے۔"

۱۵۔ انّ الجار الصالح ینفع فی المحیا والممات کما جاء فی الاثر وھذا انتفاع بعمل الغیر۔ نیک پڑوسی جیتے جی اور بعد موت، ہر دو صورتوں میں کارآمد ہوتا ہے جس کی صراحت

احادیث شریفہ میں آئی ہے۔ یہ بھی غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔"

۱۶۔ ان جلیس الذاکرین یرحم بھم وھو لم یکن منھم ولم یجلس لذلك بل لحاجة عرضت له والاعمال بالنیات فقد انتفع بعمل غیرہ۔ حلقۂ ذکر منعقد ہے۔ ذاکرین ذکر کر رہے ہیں۔ ایک شخص ذکر کے لئے نہیں بلکہ اپنی کسی حاجت کی وجہ سے وہاں آگیا اور اون کے ساتھ بیٹھ گیا۔ باوصفیکہ یہ شخص اون میں شامل نہیں۔ اس کی نیت بھی ذکر کی نہیں مگر ذاکرین پر جو رحمت نازل ہو رہی ہے یہ بھی اوس سے مستفید ہو رہا ہے۔ اس نے بھی غیر کے عمل سے استفادہ کیا۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ بزرگوں کی مجالس کا یہی حال ہے :۔ اولئك لا یشقی جلیسھم۔ یہ وہ بزرگوار ہیں کہ ان کے ساتھ صرف بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔" چہ جائے کہ اون کی خدمت میں حاضر رہے اور خدمت کرے اون سے فیضان حاصل کرے اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوا لے۔ بھائیو! ہمیں چاہیے کہ بزرگوں کی صحبت کو غنیمت جانیں وقت کی قدر کریں اور کم از کم چلتے پھرتے ہی کچھ حاصل کرلیں ؎

جلوہ مفت است دیدنی دارد بدل و جان خریدنی دارد

۶۱۹

۱۷۔ الصلاۃ علی المیّت والدعاء له فی الصلاۃ انتفاع للمیّت بصلاۃ الحیّ علیه وھو عمل غیرہ ۔میت کی نماز جنازہ پڑھنا اور نماز میں اوس کے لئے دعا کرنا۔ زندوں کی نماز سے مردہ کو نفع پہنچ رہا ہے۔ یہ بھی غیر کا عمل ہے۔"

۱۸۔ انّ الجمعۃ تحصل باجتماع العدد وکذلك الجماعۃ بکثرۃ العدد وھو انتفاع للبعض بالبعض ۔ایک عدد معین کے جمع ہونے سے جمعہ ادا ہوتا ہے اور جماعت بھی عدد کثیر سے قائم ہوتی ہے ۔اس میں بھی ایک کے عمل سے دوسرے کو نفع پہنچ رہا ہے۔"

۱۹۔ انّ اللہ تعالی قال لنبیّه صلی اللہ علیه وسلم وما کان اللہ لیعذّبھم وانت فیھم وقال تعالی ولولا رجال مومنون ونساء مؤمنات وقال تعالی ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض وقد رفع اللہ تعالی العذاب عن بعض الناس بسبب بعض وذلك انتفاع بعمل الغیر۔ اللہ سبحانہ تعالی نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اللہ ان لوگوں کو عذاب نہ دے گا درحالیکہ آپؐ اون میں تشریف فرما ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا

اگر ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں نہ ہوتیں۔ (یہ فتح مکہ کے موقع پر ہے اور سورۂ فتح میں اس کی تفسیر فقیر نے عرض کر دی ہے) اور تیسری جگہ فرمایا اگر لوگوں کی مدافعت کا انتظام اللہ سبحانہ کی طرف سے نہ ہوتا (اس کی تفسیر بھی حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے سورۂ حج میں فرما دی ہے) غرض ان تمام صورتوں میں اللہ پاک نے بعض کی وجہ سے بعض لوگوں پر سے عذاب اٹھا دیا۔ یہ بھی غیر کے عمل سے استفادہ ہے۔"

۲۰ ـ انّ صدقۃ الفطر تجب علی الصغیر وغیرہ ممّن یمونہ الرجل فانّہ ینتفع بذلك من یخرج عنہ ولا سعی لہ فیھا۔ نابالغ یا زیر پرورش افراد پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔ اور پرورش کنندہ اون کا صدقہ فطر ادا کرتا ہے تو اون کو اس سے نفع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں ان زیر پرورش افراد کی کسی سعی کو دخل نہیں۔"

۲۱ ـ انّ الزکوٰۃ تجب فی مال الصبی والمجنون ویثاب علی ذلك ولا سعی لہ۔ نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائی سے اوس کو اجر ملتا ہے (ادائی تو ولی کرے گا یہ فعل ولی کا ہے) نابالغ اور مجنون کی سعی کو اس میں دخل نہیں۔"

(تنبیہ) صدقہ فطر اور زکاۃ کا وجوب، نابالغ اور مجنون پر مذہب حنبلی میں ہے۔ عندالاحناف ان کے مال میں زکاۃ واجب نہیں۔ اور صدقہ فطر بھی بقول مفتیٰ یہ واجب نہیں کیوں کہ شرعاً یہ دونوں مکلف نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق کا خلاصہ

علامہ تقی الدین ابوالعباس ابن تیمیہ اس تحقیق کے بعد لکھتے ہیں:۔

ومن تأمّل العلم وجد من انتفاع الانسان بما لم یعمله ما لا یکاد یحصی فکیف یجوز ان نتأوّل الآیة الکریمة علی خلاف صریح الکتاب والسنّة واجماع الامّة۔ جو کوئی اپنے علم میں (جو کتاب وسنت سے اوس کو حاصل ہے) غور کرے تو اوس کو بے شمار مثالیں ایسی مل سکتی ہیں کہ انسان کو اوس کے عمل کے بغیر بھی نفع ہوتا ہے لہٰذا یہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم اس آیۂ کریمہ کی تاویل اس طرح کریں جو کتاب وسنت اور اجماع امت کے صریحاً خلاف ہو۔''

امام ابن ہمامؒ کی تحقیق کا ماحصل

نیز امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:۔

فھذہ الآثار وما قبلھا وما فی السنّة ایضا من نحوھا من کثیر ترکناہ لحال الطول یبلغ

القدر المشترك بين الكل وهو ان من جعل شيئا من الصالحات لغيره نفعه الله به مبلغ التواتر وكذا اما في الكتاب۔ یہ چند آثار صحابہ اور احادیث شریفہ و آیات کریمہ ہم نے پیش کیں اور بہت سارے آثار و احادیث و آیات کو بخوف طوالت نظر انداز کر دیا ان سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہے کہ جو کوئی شخص اپنے بعض اعمال صالحہ غیر کو دیدے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ ان اعمال سے اوس کو نفع دیتا ہے۔ اور اس کا ثبوت حد تواتر کو پہنچتا ہے۔" جو ناقابل انکار حقیقت ہے۔

اجلۂ محققین کی تحقیق

وقال بعض اجلة المحققين انه ورد في الكتاب والسنة ما هو قطعي في حصول الانتفاع بعمل الغير وهو ينافي ظاهر الآية فتقيد بما لا يهبه العامل۔ (روح المعانی) بعض جلیل القدر محققین نے فرمایا کہ کتاب و سنت میں ایسی تصریحات ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ دوسرے کے عمل سے کسی کو نفع پہنچ سکتا ہے اور یہ امر آیۂ کریمہ (لیس للانسان الا ما سعیٰ) کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے۔ لہٰذا ہم کو آیۂ کریمہ کی تفسیر میں یہ قید اضافہ کرنی ہوگی کہ آیۂ کریمہ کا حکم کہ انسان کو

۵۱۹

اپنی سعی کے سوا اور کچھ نہیں مل سکتا" اوس صورت میں ہے جب کہ عمل کرنے والے نے اپنے عمل کا ثواب، کسی کو ہبہ نہ کیا ہو" اور اگر وہ ہبہ کردے تو اوس کا ثواب دوسروں کو مل سکتا ہے۔

تحقیق طریق عدل و طریق فضل

دیگر مفسرین کے یہاں اور بھی اقوال ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ انسان کی سعی اور عمل کا ثواب حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بطریق عدل و مجازات، کہ اللہ سبحانہ عادل ہے۔ ہر عمل کی جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے انسان کو اوس کے ہر ہر عمل کی جزا ضرور ملے گی خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا۔" ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جس نے ذرہ برابر بھی کوئی عمل خیر کیا ہے تو اوس کی جزا جو اللہ سبحانہ کے پاس مقرر ہے وہ اوس کو دیکھ لے گا! اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہے تو اوس کو بھی وہ دیکھ لیگا" چوں کہ جزائے اعمال کی اس طرح خبر دی گئی ہے اور وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا تو طریق عدل و مجازات کے لحاظ سے بندہ اس کا متوقع ہو سکتا ہے کہ اوس کو اپنے ہر ہر عمل کی جزا ضرور ملے گی۔ خصوصاً کارہائے خیر کی

جزا کہ اوس میں خلف نہ ہوگا۔ گویا بندہ اپنے عمل خیر کی جزا کا عند اللہ مستحق سمجھا جاتا ہے۔ آیۂ کریمہ "لیس للانسان الا ما سعی" میں بھی اسی کی طرف ایما فرمایا گیا ہے۔

دوسری صورت کرم و فضل کی ہے کہ انسان کو اوس کے ذاتی اعمال صالحہ کی جزا کے علاوہ، دوسروں کے ہبہ کئے ہوئے اعمال صالحہ کی جزا سے بھی مستفید کیا جائے۔ یہ اللہ سبحانہ کا فضل و کرم ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔ اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے۔ لیکن یہ صورت ایسی نہیں ہے کہ انسان خود کو اوس کا مستحق تصور کرے کیوں کہ یہ غیر کا عمل ہے خود اپنا نہیں۔ اگر تحقیق بالا پر غور کیا جائے تو ایصال ثواب، یا غیر کے عمل سے ع ١٥
مستفید ہونے کی جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں سب اسی کے تحت آتی ہیں جو بجائے خود درست ہیں۔ اس کو آیہ کریمہ لیس للانسان الا ما سعیٰ سے تعلق نہیں مگر معتزلہ نے ان دو جداگانہ صورتوں کو مخلوط کر دیا جس کی صراحت ضروری ہوئی۔

آیہ لیس للانسان منسوخ نہیں ہے

"لیس للانسان الا ما سعیٰ" میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ

انسان کو دوسروں پر تکیہ نہ کر لینا چاہیے۔ کیا معلوم کہ اون کا سلوک اس کے ساتھ کیسا ہوگا۔ خود کو اپنی نجات کی فکر کرنی چاہیے اور وہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ فوز و فلاح آخرت نصیب ہو۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے :۔ "ولتنظر نفس ما قدمت لغد" ہر ہر نفس کو دیکھنا چاہیے کہ آئندہ زندگی کے لئے اوس نے کیا سامان تیار کیا ہے؟" وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا و اعظم اجرا" جو جو کارہائے خیر تم اپنی ذات کے لئے کرو گے اون کو اللہ سبحانہ کے ہاں بہترین حالت میں اور عظیم الشان اجر کی صورت میں پاؤ گے " اس اعتبار سے آیہ کریمہ لیس للانسان منسوخ نہیں جیسا کہ روایت ابن عباسؓ ہے بلکہ محکم ہے اور اوس کا حکم جاری ہے۔

عبادات میں نیابت کے احکام

یہاں اور ایک امر قابل یادداشت ہے کہ نائب کا عمل کن صورتوں میں شرعاً نیب کا عمل متصور ہوگا اور کن صورتوں میں نیب کا عمل متصور نہ ہوگا صرف نیب کو ثواب پہنچے گا؟ علامہ زیلعی فرماتے ہیں :— ثم العبادۃ انواع مالیۃ محضۃ کالزکاۃ والعشور والکفارۃ

وبدنية محضة كالصلاة والصوم والاعتكاف وقراءة القرآن والاذكار ومركبة منهما كالحج فانّه ماليّ من حيث اشتراط الاستطاعة ووجوب الاجزية بارتكاب محظوراته وبدني من حيث الوقوف والطواف والسعي۔ (شرح کنز باب الحج عن الغیر)

پھر عبادت کے اقسام ہیں۔ بعض تو محض عبادات مالیہ ہیں۔ (بدن کی تکلیف کو مطلقاً دخل نہیں) جیسے زکاۃ، پیداوار کا عشر، اور کفارات (جو بذریعہ مال ادا ہوتے ہیں جیسے غلام آزاد کرنا یا مساکین کو کھانا کھلانا یا لباس تیار کرا دینا) بعض خالص عبادات بدنیہ ہیں (جس میں مال کا مطلقاً دخل نہیں صرف اعضائے بدن کی تکلیف ہے) جیسے نماز، روزہ، اعتکاف، قرآن خوانی، اذکار وغیرہ۔ اور کوئی عبادت ان دونوں سے مرکب ہے۔ (اس میں مال کی بھی ضرورت ہے اور بدنی تکلیف بھی اُٹھانی پڑتی ہے) جیسے حج کہ یہ عبادت مالیہ ہے اس حیثیت سے کہ اس میں (مصارف سفر اور زادِ راہ کی) استطاعت شرط ہے نیز ممنوعاتِ احرام وغیرہ کے ارتکاب کی صورت میں اوس کی جزا (صدقہ، کفارہ وغیرہ) واجب ہے (جس کی ادائی مال کے بغیر ممکن نہیں ہے) نیز حج عبادت بدنیہ بھی ہے

اس جہت سے کہ حاجی کو (عرفات، منیٰ و مزدلفہ میں) ٹھہرنا لازم ہے اور اوس کو (خانہ کعبہ کا) طواف، اور (صفا و مروہ کے درمیان) سعی کرنی پڑتی ہے (یہ بدنی اعمال ہیں اس طرح فریضہ حج، عبادت مالیہ اور بدنیہ کا مجموعہ قرار پایا۔)

عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے

اُن کے احکام حسب ذیل ہیں:- (النیابۃ تجزی فی العبادۃ المالیۃ عند العجز والقدرۃ۔ ولم تجز فی البدنیۃ بحال۔ و فی المرکب منہما تجزی عند العجز فقط) خالص عبادت مالیہ میں انسان اوس کی ادائی سے عاجز ہو یا اوس پر قادر ہو ہر دو صورتوں میں شرعاً نیابت جائز رکھی گئی ہے۔ مثلاً زید پر زکاۃ واجب ہے۔ اب زید کو اختیار ہے کہ وہ خود ادا کرے یا اپنے کسی نائب و قائم مقام کے ذریعہ ادا کرائے خواہ وہ بذات خود ادا کرنے پر قادر ہو یا قادر نہ ہو۔ اور خالص عبادت بدنیہ میں نیابت کسی حال جائز نہ سمجھی جائے گی۔ مثلاً زید پر نماز فرض ہے اور زید چاہتا ہے کہ اوس کی طرف سے عمرو نماز پڑھ لے۔ خواہ زید ادائے نماز پر قادر ہو یا نہ ہو کسی حال میں زید کا فریضہ نماز، عمرو کے نماز پڑھ لینے

ساقط نہ ہوگا۔ (یہ اور بات ہے کہ عمرو اگر نماز پڑھ کر اوس کا ثواب زید کو
بخش دے تو یہ ثواب زید کو پہنچ سکیگا مگر زید کا فریضہ اوس کے دوش پر بدستور
رہے گا۔) اور جو عبادت دونوں سے مرکب ہے (جیسے حج) کہ اس میں صرف
بحالت عجز نیابت جائز ہو سکے گی۔ (اگر زید کو اپنا فریضۂ حج ادا کرنے کی
قدرت حاصل ہے تو نیابت جائز نہ ہوگی۔ بلکہ زید کو اپنی ذات سے حج
ادا کرنا ہوگا)۔ عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچنے کے باب میں حضرت امام مالک
اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہما کا اختلاف بھی بظاہر ازیں قبیل معلوم
ہوتا ہے کہ نفس ایصال ثواب میں اختلاف نہیں بلکہ اس شخص کے ذمہ جو بدنی
عبادات فرض ہیں دوسرے شخص کے ادا کرنے سے وہ فرض اصل شخص کے ۱۲۹
ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہیں

اس تقریر و تشریح سے معلوم ہوا کہ نیابت صرف
عبادات مالیہ میں ہے خواہ وہ خالص عبادت مالیہ ہو یا وہ عبادت مالیہ اور
بدنیہ سے مرکب ہو۔ لیکن خالص عبادت بدنیہ میں نیابت مطلقاً جائز نہیں۔
یہ اوس صورت میں ہے جب کہ نماز کے بدلے میں نماز، اور روزے کے

بدلے میں روزہ رکھا جائے۔ لیکن اگر خالص عبادت بدنیہ کے بدلے میں فدیہ دیا جائے جب کہ وہ شخص جس کے ذمے یہ عبادت فرض ہے وہ اوس کی ادائی سے عاجز ہو۔ جیسے شیخ فانی کہ وہ اپنی عمر کی ایسی منزل میں پہنچ گیا ہے کہ بحالت موجودہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اور نہ آئندہ توقع ہے کہ اوس کو توانائی حاصل ہوگی بلکہ اوس کی عمر جیسی جیسی ترقی کرتی جائے گی اوس کے ضعف و اضمحلال میں مزید اضافہ ہی ہوتا جائے گا ایسی حالت میں شرع شریف کا حکم یہی ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے (کسی اور شخص سے روزہ رکھنے کیلئے نہ کہے بلکہ روزانہ) ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلا دیا کرے

ایصال ثواب ہر عبادت کے ذریعہ جائز ہے

ولیس الکلام فی الفدیة والطعام فانہ بدل وکذا اھداء الثواب سواء کان بعینہ اومثلہ فانہ دعاء قبولہ بفضلہ عزوجل کالصدقة عن الغیر (روح المعانی) فدیہ دینے اور کھانا کھلانے میں کوئی کلام نہیں ہے کیوں کہ (فدیہ اور اطعام طعام عین روزہ نہیں بلکہ روزے کا) بدل ہے۔ (خالص عبادات بدنیہ میں بھی اس طرح بدل جائز ہے) اسی طرح ایصال ثواب خواہ اوسی واجب عمل کی صورت میں ہو (مثلاً نماز کے بدلے میں کوئی نماز پڑھے اور اوس کا ثواب دوسرے کو بخش دے یا اوس کے روزے کے عوض خود روزہ

رکھے اور اوس کا ثواب اوس کو بخش دے) یا عین واجب نہیں بلکہ اوس کا بدل (بصورت فدیہ واطعام طعام) اداکرے اور اس کا ثواب بخشے تو یہ صورت دعا کی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسی دعا قبول ہوکر رہیگی۔ جیساکہ غیر شخص کی طرف سے خیر خیرات کی جاتی ہے تو اوس کا ثواب اوس غیر شخص کو پہنچتا ہے۔" واللہ اعلم۔

معتزلہ کے دوسرے شبہ کا جواب

رہا معتزلہ کا یہ اعتراض کہ "ثواب سے مراد جنت ہے۔ اور وہ انسان کے قابو میں نہیں چہ جائیکہ دوسرے کو بخش دی جائے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ ثواب سے مراد جنت ہی ہو یہ تسلیم نہیں۔ جنت تو نتیجہ ہے ایمان کا۔ جو ہر مومن کو بفضلہ حاصل ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ البتہ عمل میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں جبتک اس سے نجات نہ ملے جنت میں نہ جاسکیگا۔ یہ نجات، خواہ اوس کو اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ ملے یا توبہ و انابت سے یا ایصال ثواب سے، یا شفاعت سے یا اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اور ہر ایک کے باب میں بے شمار آیات واحادیث شریفہ ہیں۔ جن کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اب مولیٰ تعالیٰ کا اختیار ہے کہ

جو صورت چاہے اوس سے کام لے ۔ اعمال پر احتساب فرمائے اور کارہائے بد کی سزا دینی چاہے تو عین عدل ہے ۔ صغیرہ پر دار و گیر فرمائے یا کبائر سے درگزر نہ کرے ۔ اور اگر مابقی صورتوں میں سے کسی ایک پر نظر فرمائے تو محض فضل ۔ مومن اسی خوف و رجا کے درمیان ہے ۔ نہ اتنا خوف کہ قنوطیت (مایوسی) آ جائے اور نہ اس قدر پُر امید کہ ایمن (نڈر و مطمئن) ہو ۔ مومن کی زندگی بین بین ہے ۔ پوری زندگی میں خوف دامنگیر رہے اور وقت آخر رجا غالب رہے اس کے بعد : ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

وان سعیہ سوف یری کی تفسیر

اس کے بعد ارشاد ہے : ۔ وان سعیہ سوف یری ۔ اور یقیناً اوس کی سعی عنقریب دکھائی جائیگی " یعنی انسان کے جملہ اعمال صالحہ اوس کی میزان عمل میں رکھ دئے جائیں گے ۔ " فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ " جس کے اعمال وزنی ہوں گے وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا " ہر مومن کی دلی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اوس کی آئندہ زندگی پُر لطف ہو ۔ اوس کی صورت یہی ہے کہ مومن دنیا میں اپنی زندگی اس طرح بنائے جس میں خدا اور رسولؐ کی

خوشنودی ہو اور جب یہ حاصل ہو تو اللہ سبحانہ کی طرف سے اوس کی خوشنودی کا سامان ہوگا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

بحث وزنِ اعمال

بظاہر یہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ اعمال تو اعراض ہیں یعنی قائم بالغیر۔ جواہر نہیں ہیں یعنی قائم بالذات۔ اور ترازو میں جو چیزیں رکھی اور وزن کی جاتی ہیں اون کا وجود خارجی ہوتا ہے۔ جیسے سونا چاندی کنکر پتھر وغیرہ کہ اون کو ترازو میں رکھا جاتا اور وزن کیا جا سکتا ہے۔ اور اعمال کا یہ حال ہے کہ جو عمل بھی صادر ہوا وہ فنا ہو گیا۔ لہذا اعمال اس قابل نہیں کہ اون کو میزان میں رکھا جائے پھر ان کا وزن کس طرح ہوگا؟

ایسا خیال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان سے جس قدر اعمال صادر ہوتے ہیں دنیا کی حد تک وہ اعراض ہی شمار کئے جائیں گے کیوں کہ دنیا دار العمل ہے یہاں اعمال ہی اعمال ہیں جو اعراض ہیں اون کی جزا یہاں نہیں ملیگی۔ اگر ملتی بھی ہے تو بہت محدود۔ پوری پوری جزا کا مقام اس کے بعد ہے۔ اور میزان عمل دار آخرت میں قائم ہوگی جو دار الجزا ہے ارشاد باری ہے:۔ و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ۔ ہم قیامت کے دن

میزان عدل قائم کریں گے"۔ لہذا دار العمل میں جو اعراض شمار کئے جاتے تھے وہ دار الجزا میں جواہر شمار ہوں گے۔ اون کو مستقل وجود دیا جائے گا۔ وہ اس قابل ہوں گے کہ اون کو پلۂ میزان میں رکھا جائے اور اوس کا وزن کیا جائے۔ جب آخرت میں اعمال وزنی چیزوں کی صورت میں ہوں گے تو اون کو دیکھا بھی جا سکیگا۔ اسی لئے ارشاد ہے: — وانّ سعیہ سوف یریٰ۔ یقیناً اوس کی سعی دیکھی جا سکیگی"۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

ہر خیالے کو کند در دل وطن ‌ ‌ ‌ روز محشر صورتے خواہد شدن

سیرتے کاں در وجودت غالب است ‌ ‌ ‌ ہم براں تصویر حشرت واجب است

انسان کے دل میں جو جو خیالات سما تے اور جائے گیر ہو جاتے ہیں قیامت کے دن اون کی ایک ایک صورت ہوگی۔ اسی طرح کسی انسان پر جو سیرت غالب ہو وہ اوس کی صورت خاص میں محشور ہوگا"۔ آگے ہر ایک سیرت اور اوس کی صورت (جو حشر میں ہوگی) اوسکی تشریح فرماتے ہیں:—

زانکہ حشر حاسداں روز گزند ‌ ‌ ‌ بے گماں بر صورت گرگاں کنند

حشر پر حرص و خس مردار خوار ‌ ‌ ‌ صورت خوکے بود روز شمار

زانیاں را گندہ اندام نہاں ‌ ‌ ‌ خمر خواراں را ہمہ گندہ دہاں

چنانچہ حاسدین جو کسی کی اچھی حالت دیکھ نہیں سکتے۔ اور دوسرے کے زوال کے ساتھ اپنے عروج کے خواب دیکھنے کے عادی ہیں۔ قیامت میں اون کی صورت بھیڑیے کی ہوگی۔ حرص کرنے والوں اور حرام خوارون کو خنزیر کی صورت میں اوٹھایا جائے گا۔ (العیاذ باللہ) زنا کار کا اندام نہانی سڑا ہوا ہوگا جس سے اہل محشر پناہ مانگتے ہوں گے اور شراب خوارون کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہوگی کہ رب اوس سے نفرت کریں گے۔"

عارف رومیؒ نے اگرچہ ان مضامین کو نظم فرمایا ہے لیکن یہ محض شاعری نہیں بلکہ احادیث صحیحہ کی ترجمانی ہے جن کو بخوف طوالت یہاں درج نہ کیا جا سکا۔

۱۹۵
اگلے زمانے میں کیا یہود و نصاریٰ کی صورتیں مسخ نہیں ہوئیں۔ "سمّاعون للکذب اکّالون للسحت جن کی صفت تھی اور جو لوگ جھوٹی باتوں کی اشاعت کرتے اور حرام خواری میں غرق ہو گئے تھے کیا اون کی نسبت "جعل منھم القردۃ والخنازیر" ارشاد نہیں ہوا کہ کسی کو بندر اور کسی کو سور بنا دیا گیا۔" کذب اور حرام خواری اگرچہ اوصاف ہیں جو نظر نہیں آ سکتے لیکن اون کو جن صورتوں میں تبدیل کر دیا گیا کیا وہ بھی نظر

نہیں آسکتیں ؟ عرف عام اور قانون کی کتابوں میں بھی بعض جرائم کو سنگین کہا جاتا ہے ، ان کی سنگینی اگرچہ جرم صادر ہونے وقت نظر نہیں آتی مگر سزا پانی کے موقع پر تو ہر کس وناکس اوس کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ قواعد صحت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس وقت تو کچھ دکھائی نہیں دیتا اور نہ آس پاس کے لوگ اس کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں مگر خطرناک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اون کی سابقہ بے احتیاطی عالم آشکار ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ انسان اس دار العمل دنیا میں جو کچھ کرے گا اوس کی جزا آخرت میں جس کا دوسرا نام دار الجزا ہے صاف صاف دکھائی دیگی۔ یہاں کے اعمال کسی کے چھپائے سے چھپ نہ سکیں گے ۔

وزن اعمال کی تصدیق حکمت جدیدہ سے

حکمت جدیدہ کے ذریعہ جو محیر العقول ایجادات ہو رہی ہیں اس سے قرآن کریم کی صداقت اور نمایاں ہوتی جا رہی ہے ۔ اعراض کے وزن کیے جانے کا مسئلہ ہی لے لیجیے کہ اس کی تصدیق کس طرح نمایاں ہوئی اور ہو رہی ہے ۔ سردی گرمی ، اعراض ہیں مگر یہ کس درجے پر ہیں اوس کو مقیاس الحرارۃ سے معلوم کر لیا جاتا ہے ۔ یہی آلہ

بخار کے کسی مریض کو لگایا گیا اور دیکھ لیا گیا کہ اس کو اتنے درجے بخار چڑھ گیا ہے۔ یا اوس کی حرارت اتنے درجے گھٹ گئی ہے۔ موسم کی شدت و تخفیف بھی اس سے معلوم ہوتی ہے۔ ہوا[2] کا دباؤ ایک عرض ہے۔ بادپیما سے اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ زلزلہ[3] ایک عرض ہے۔ اس کی سمت، بعد، قوت، و امتداد کو زلزلہ نما سے دیکھ لیا جاتا ہے۔ کھانے[4] پینے کی چیزوں کی کیفیات بھی اعراض ہیں یعنی اون کا گرم رہنا یا ٹھنڈا ہونا میوے کی تازگی اور گلنے سڑنے سے حفاظت یہ سب کے سب اعراض ہیں۔ دیکھ لیا جائے کہ ایک معتد بہ عرصہ معینہ تک اوس کو برقرار رکھا جا سکتا ہے ــــ آواز[5] بھی ایک عرض ہے۔ اوس کو محفوظ کیا جا سکتا، گھٹایا اور بڑھایا جا سکتا اور اوس کو دنیا کے اس سرے سے دوسرے سرے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ حکمت جدیدہ کے ان کرشموں کا مشاہدہ کرتے ہوئے "وزن اعمال" کی صداقت و واقعیت میں کونسا استبعاد ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعمال کی جزائے اکمل دار الجزا ہی میں ملیگی

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى۔ 53-41

پھر اوس کو پوری پوری جزا دیدی جائیگی (اتنی اکمل کہ اوس سے کامل تر متصور

نہیں ہوسکتی) ‘‘ یوں تو دار دنیا میں بھی بعض اعمال کی جزا مل جاتی ہے
مگر دار آخرت کے مقابلہ میں بہت مختصر‘ بقدر ضرورت‘ یہ اس لئے کہ
دنیا دار الجزا نہیں بلکہ دار العمل ہے۔ دار الجزا تو دار آخرت ہی کیوں کہ
ہر شخص کی سعی ظاہر ہے کہ مساوی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک ہی شخص کی ہر سعی
یکساں نہیں ہوا کرتی۔ سعی سعی میں فرق ہوتا ہے۔ سعی قوائے ظاہرہ سے بھی
ہوتی ہے اور قوائے باطنہ سے بھی۔ پھر ہر شخص کی استعداد و صلاحیت
جدا ہے۔ اسی طرح اوس صلاحیت سے کام لینا جدا‘ پھر ہر کام کی تکمیل کے
مدارج ہیں۔ اور اوس کی مقبولیت جداگانہ امر ہے۔ اس طرح کسی
کام کی سعی سے لے کر اوس کی جزا مترتب ہونے تک بے شمار مراحل ہیں
جن کا علم‘ خدائے علیم وخبیر کے سوا کسی کو نہیں۔ اگر کچھ علم حاصل بھی ہو تو
اوس کی پوری پوری جزا اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ دار دنیا
میں جو کچھ مل جاتا ہے وہ محض سرسری اور محدود ہی ہوتا ہے۔ حکمت
الٰہیہ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ یہاں بقدر ضرورت دیا جائے کیوں کہ حیات
دنیا بھی محدود و مختصر ہے۔ اگر اللہ سبحانہ اسی دار دنیا میں کسی عمل کی پوری
جزا دیدے تو وہ اتنی زیادہ ہوسکتی ہے کہ ساری عمر کے لئے کافی ہو بلکہ

تمام عمر ختم ہو جانے پر بھی وہ ختم نہ ہو۔ اور انسان جو سہل انگار واقع ہوا ہے اس کے نشہ میں ایسا سرشار ہو جائے کہ دیگر اعمال اور مساعی سے دست کش رہے۔ اس صورت میں نقصان خود انسان کا ہوگا۔

کفار کو اچھے کام کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے

چنانچہ کفار جو آخرت کے قائل نہیں اون کا ہر عمل حیات دنیا ہی کے لئے ہوتا ہے اون کی نسبت ارشاد ہے:۔

"من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوفّ الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولٓئک الذین لیس لھم فی الاخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وبٰطلٌ ما کانوا یعملون"۔ جو کوئی حیات دنیا اور اوس کی آرائش کا خواستگار ہوتا ہے ہم اون کے اعمال کی پوری پوری جزا اسی دار دنیا میں اون کو دیدیتے ہیں اور یہاں اون کی جزا میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی۔ یہ وہی ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں۔ انھوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ (وہیں) اکارت گیا اور جو کچھ اعمال کرتے رہے وہ (آخرت میں) ہیچ ہو کر رہ گئے"

خاصانِ حق دنیا کے خیال میں لگے نہیں رہتے

یہی سبب ہے کہ

خاصانِ حق، دنیا کے عیش و تنعّم کے خیال میں لگے نہیں رہتے بلکہ سادہ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:۔ "اللھم لاعیش الا عیش الآخرۃ۔ (بخاری شریف) خدا گواہ ہے کہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے"۔ رہی دنیا' کیا دنیا اور کیا اوس کا عیش؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:۔ "لیس لابن آدم حق فی سوی ھذہ الخصال بیت یسکنہ وثوب یواری عورتہ وجلف الخبز والماء"۔ ابنِ آدم کا حق ان چند امور کے سوا اور کچھ نہیں۔ گھر اتنا جس میں وہ رہ سکے اور کپڑا اتنا جس سے اوس کا سترِ عورت ہو سکے' روٹی کا ٹکڑا (جس سے اوس کی جان بچ سکے) اور پانی (جس سے روٹی کو فرو ئے حلق کر سکے)۔ مومن جو دارِ آخرت کا خواہاں ہے اس کو دارِ دنیا کے عیش کا طلبگار نہ بننا چاہئے اور نہ مذکورہ حدیث شریف سے زیادہ کی خواہش ہو۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو جیسا کہ فی زمانا صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ بہترے ایسے ہیں کہ نہ اُن کو کھانا میسر ہے نہ لباس و مسکن۔ ان کے لئے تعلیم نبویؐ یہ ہے:۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"من نزلت به فاقة فانزلها بالناس لم تسد فاقته و من نزلت به فاقة فانزلها بالله فيوشك الله له برزق عاجل او آجل"۔ (ترمذی شریف) جس پر احتیاج ڈال دی گئی اور اوس نے یہ احتیاج لوگوں کے سامنے پیش کی تو اوس کی یہ احتیاج ان سے رفع نہ ہوگی اور اس کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور اگر اوس نے اپنی یہ حاجت، اللہ سبحانہ کے آگے رکھ دی تو اللہ سبحانہ اپنے فضل و کرم سے اوس کی کشائش کا سامان 'رزق عاجل یا آجل (جلد یا بہ دیر) فرمادے گا"۔ اللہ سبحانہ کا وعدہ ہے "فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا"۔ کیوں کہ ہر تنگی کے ساتھ ہی ایک سہولت ہے یقیناً اس تنگی کے ساتھ بھی کوئی سہولت ہوگی"۔

دنیا میں جزا مل جانے سے خاصانِ حق اندیشناک رہتے ہیں

خاصانِ حق کا یہ بھی خاصہ ہے کہ اپنے کسی عمل کی جزا یہاں ملنے سے اندیشناک رہتے ہیں اون کا اندیشہ یہ رہتا ہے کہ دار آخرت میں کہیں یہ جواب نہ ملے :- "اذهبتم طيبٰتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها فاليوم تجزون عذاب الهون"۔ تم اپنے اعمالِ صالحہ کی جزا اپنی حیاتِ دنیا ہی میں لے چکے اور اوس سے تمتع کرتے رہے

لہٰذا آج تم کو جزا کے موقع پر ذلت کا عذاب ہی ملیگا" اس اندیشے کے تحت ان مقدس ہستیوں نے دنیوی لذتوں اور اوس کی آرائش و زیبائش کو مدۃ العمر برطرف رکھا۔ اور سادہ زندگی پر اکتفا کی ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

وان الی ربک المنتھیٰ کی تفسیر

اس کے بعد ارشاد ہے: ـــ وَاِنَّ 53-42

42. وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى

پروردگار ہی کی طرف (ہر چیز کی) انتہا ہے" یعنی ہر چیز وہیں پہنچ کر رہ جاتی ہے جس طرح کہ وہ یہاں آئی بھی تھی تو اوسی کے پاس سے آئی تھی۔ اور جائے گی بھی تو اوسی کے ہاں پلٹ کر جائے گی۔

سامانِ شادی و مسرت ہو یا اسباب رنج و غم، موت ہو یا حیات ہر نوع کی آخری حد حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور سب کچھ اوسی کے ہاتھ ہے۔ ان صفات میں کوئی اوس کا شریک و سہیم نہیں اور نہ یہ صفات و افعال الٰہیہ مختلف دیو دیوتاؤں میں تقسیم ہیں جیسا کہ کفار نے اپنی نادانی سے یہ ٹھہرالیا ہے کہ مارنے والا فلاں دیوتا، اور زندہ رکھنے والا فلاں، خالق فلاں رازق فلاں، دولت کی دیوتی فلاں ہے تو قوت کی دیوتی فلاں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان آیات کریمہ میں شرک اور اس کے تمام اسباب و محرکات

جو نادان انسان نے اپنے زعم و تخیل میں غلط طریقہ پر ٹھہرا لیئے ہیں اون سب کا جواب اس مختصر سے جملے میں ہو گیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ الی حساب ربك او الی ثوابه تعالی من الجنة وعقابه من النار الانتهاء۔ ہر چیز کی انتہا (اے انسان!) تیرے رب کے حساب کی طرف ہے (جو ذرہ ذرہ کا ہو گا۔ اوس میں کسی نوع کی غلطی کا امکان نہیں نہ اوس میں کسی کمی زیادتی کا اندیشہ ہے۔ اگر کسی کے اعمال صالحہ ہیں اوس میں کوئی کمی نہ ہو گی اور اگر کسی کی برائیاں ہیں تو اون میں کوئی زیادتی نہ ہو گی) یا یہ کہ اللہ سبحانہ کے ہاں جو ثواب (جنت) ہے یا اوس کا عقاب (دوزخ) ہے پس ہر ایک کی انتہا یہیں تک ہے۔"

خدائے عزوجل ہی منتہائے افکار ہے

یہ بھی تحریر فرمایا ہے:۔ انّه عزّوجلّ منتهی الافکار فلا تزال الافکار تسیر فی بیداء حقائق الاشیاء وماهیاتها والاحاطة بما فیها حتی اذا وجهت الی حرم ذات الله عزوجل وحقائق صفاته سبحانه وقفت وحزنت وانتهی سیرها۔

(روح المعانی) خدائے عزوجل ہی تمام افکار کا منتہیٰ ہے۔ چنانچہ حقائق و ماہیات اشیاء میں افکار کی سیر جاری رہتی ہے اور وہ ان کا احاطہ کرتی جاتی ہے تا آں کہ جب وہ خدائے عزوجل کے حریم ذات وصفات کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو وہ رک جاتی اور خیرہ ہو جاتی اور اوس کی سیر ختم ہو جاتی ہے۔" اس کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے:۔

ذات وصفات باری میں غور وفکر کی ممانعت

۱۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے روایت کرتے ہیں:۔ انّہ قال فی الآیۃ لا فکرۃ فی الربّ (بغوی ابوالشیخ عن سفیان الثوریؒ) آپ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ پروردگار تعالیٰ (کی ذات وصفات) میں کسی فکر (کی رسائی) نہیں ہو سکتی۔"

۲۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔ اذا ذکر الربّ فانتھوا۔ جب پروردگار تعالیٰ کا ذکر آجائے تو رک جایا کرو۔" یعنی ذات وصفات باری میں بحث کرنے سے باز رہو۔ مثلاً سلسلہ کلام کبھی یوں جاری ہوتا ہے کہ یہ ساری کائنات تو اللہ سبحانہ کی بنائی ہوئی ہے پھر اوس کو کس نے بنایا؟ (نعوذ باللہ منہ) اس کا جواب

صاف ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حی قیوم ازلی ابدی ہے اپنی ذات سے قائم ہے لیکن عامۃ الناس ایسے جواب سے قاصر ہیں اور اس کو سمجھانا اور ثابت کرنا بھی اون کے لئے دشوار ہے اس لئے تعلیم نبوی یہ ہے کہ مومن اس نوبت پر رک جائے۔ مزید بحث کا سلسلہ ختم کردے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں

توان در بلاغت بہ سحبان رسید نہ در کنہ بے چون سبحان رسید
چہ شبہا نشستم دریں سیر گم کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

میدان بلاغت میں انسان ترقی کرتا ہوا عرب کے مشہور فصیح و بلیغ شخص سحبان بن وائل کی فصاحت و بلاغت کا کمال پیدا کرسکتا ہے لیکن حق سبحانہ تعالیٰ کی کنہ حقیقت میں کچھ بھی رسائی نہیں پا سکتا۔ چنانچہ میں خود اس دریائے ناپیداکنار کی سیر کے لئے راتوں گم صم بیٹھا رہا بالآخر دہشت کے مارے اٹھ جانا پڑا۔ کیوں کہ اس میں بڑے بڑے جہاز غرقاب ہو چکے ہیں اور تا حال انکا ایک تختہ بھی ساحل مراد پر نہ پہنچ سکا "

مخلوقات الٰہی میں غور و فکر کا حکم	۳۔ مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم علی قوم یتفکّرون فی اللہ

فقال تفکّروا فی الخلق ولا تفکّروا فی الخالق فانّکم لن تقدروہ۔ (ابن ماجہ عن ابن عباسؓ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک قوم پر ہوا جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کر رہی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ سارا غور و فکر مخلوق میں کیا کرو، خالق میں نہ کرو کہ یہ انسانی قدرت سے باہر ہے"

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفکّروا فی خلق اللہ ولا تفکّروا فی اللہ فتھلکوا۔ (ابو الشیخ عن ابی ذرؓ) حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں غور و فکر کیا کرو، اللہ سبحانہ کے بارے میں نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے"

ان تمام احادیث شریفہ کا ماحصل یہ ہے کہ نوبت فکر جب اللہ سبحانہ تک پہنچے تو یہاں رک جانا چاہیے۔ جیسا کہ سلسلۂ استدلال میں قرآنی دلیل کے بعد اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ صدق اللہ وانّ الی ربّک المنتھیٰ۔

ابو السمالؒ کی قراءت

ابو السمالؒ کی قراءت میں وَاِنَّ بالکسر ہے۔ اور آیات مابعد میں بھی اِنَّ مکسورہ ہی پڑھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ان آیات کریمہ کا تعلق " ام لم ینبأ بما فی صحف

موسی و ابراھیم سے نہ ہوگا بلکہ یہاں سے دوسرے مضمون کا آغاز سمجھا جائے گا۔ گویا صحف موسی و ابراہیم علیہما الصلوۃ والسلام کا اقتباس اس سے اوپر کی آیۂ کریمہ ثُمَّ یُجزاہ الجزآء الاوفیٰ پر ختم ہوچکا۔ یعنی یہاں وقف تام ہے۔ اور اگر عام قراءت کے بموجب اس آیۂ کریمہ اور مابعد کی آیات میں اَنَّ بالفتح پڑھا جائے تو یہ آیات بھی صحف مذکورہ کا اقتباس متصور ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ **فقیر** نے عام قراءت ہی کو اختیار کیا ہے۔

53-43 اس کے بعد ارشاد ہے:۔ وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ[۱] وَاَبْکٰیۙ[۲] وَ
53-44 اَنَّہٗ ھُوَ اَمَاتَ[۳] وَاَحْیَاۙ[۴] وَاَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ
53-45 وَالْاُنْثٰیۙ مِنْ نُّطْفَۃٍ[۵] اِذَا تُمْنٰی[۶] ۠ وَاَنَّ عَلَیْہِ النَّشْاَۃَ[۷]
53-46
53-47 الْاُخْرٰیۙ اور (صحف موسیٰ و ابراہیم میں یہ بھی تھا کہ) وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جِلاتا ہے اور یہ کہ اوسی نے نر و مادہ دو جنسوں کو پیدا کیا ہے بوند سے جب کہ وہ ڈالی جاتی ہے۔ اور اوسی کے ذمہ ہے دوبارہ اوٹھانا۔"

[۱] الضحک انبساط الوجہ وتکشّر الاسنان من سرور النفس ویستعمل

وانّہ ھو اضحک وابکیٰ۔ ظاہر ہے کہ سب کام اللہ سبحانہٗ کے	انسان کی پیدائش پر ایک نظر

(بقیہ حاشیہ علٰی صفحہ گذشتہ)

فی السرور المجرد وللتعجب المجرد تارۃ ومن ھذا المعنی قصد من قال الضحک یختص بالانسان ولیس یوجد فی غیرہ من الحیوان ولھذا المعنی قال وانّہ ھو اضحک وابکیٰ۔ چہرے کے انبساط اور جی خوش ہو کر دانت کھل جانے کو "ضحک" (ہنسی) کہتے ہیں۔ کبھی اس کا استعمال خوشی کے موقع پر اور کبھی تعجب کے موقع پر کیا جاتا ہے ہنسنے کی صفت انسان سے مختص ہونا اور دوسرے جانوروں میں نہ ہونا جو مشہور ہے وہ اسی تعجب کی بنا پر ہے اور آیۂ کریمہ وانّہ ھو اضحک وابکیٰ میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔" (مفردات)

عـــ۲ البکاء بالمد سیلان الدمع عن حزن وعویل وبالقصر یقال اذا کان الحزن اغلب یقال فی الحزن واسالۃ الدمع معا ویقال فی کل واحد منھما منفردا عن الاخر وان لم تکن مع الضحک قہقہۃ ولا مع البکاء اسالۃ دمع۔ غم یا بار پڑ جانے سے آنسو رواں ہونے کا نام "بکاء" (رونا) ہے۔ اگر یہ لفظ بکاء بالمد نہ ہو بلکہ بکیٰ بالقصر ہو تو یہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ غم کا غلبہ زیادہ ہو۔ پھر اس کا استعمال کبھی

قبضہ و اقتدار میں ہیں۔ ہنسنا اور رونا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کے

(بقیہ حاشیہ ع۲ صفحہ گذشتہ)

غم اور آنسوؤں کی روانی دونوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے اور کبھی ان میں سے ایک ہو تو بھی کیا جاتا ہے۔ آنسو نہ ہوں اور دل غم زدہ ہو تو بھی کہتے ہیں کہ وہ روتا ہے جیسا کہ کسی کا دل خوش ہو تو کہتے ہیں کہ وہ ہنستا ہے اگرچہ وہ قہقہہ نہ لگا رہا ہو" (مفردات)

ع۳ انواع الموت بحسب انواع الحیاۃ فالاوّل ماھو بازاء القوۃ النامیّۃ الثانی زوال القوۃ الحاسّۃ الثالث زوال القوّۃ العاقلۃ وھی الجھالۃ الرابع الحزن المکدّر للحیاۃ الخامس النوم۔ و قولہ کل نفس ذائقۃ الموت فعبارۃ عن زوال القوّۃ الحیوانیّۃ و ابانۃ الروح عن الجسد (مفردات)

انواع حیات کی طرح، موت کے بھی اقسام ہیں۔ پہلی قسم وہ موت ہے جس میں قوت نامیہ زایل ہو۔ دوسری وہ جس میں قوۃ حاسہ زایل ہو، تیسری وہ جس میں قوت عاقلہ زائل ہو جائے اس سے جہل مراد ہے۔ چوتھی قسم غم ہے جس سے زندگی تلخ ہو جائے۔ پانچویں قسم نیند ہے۔ اور کل نفس ذائقۃ الموت قوت حیوانیہ کا زوال اور جسد سے روح کی علیحدگی مراد ہے" گویا یہ چھٹی قسم ہے۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں معنی عام مراد ہیں جو جملہ انواع موت پر محتوی ہوں۔

ع۴ الحیاۃ تستعمل علی اوجہ الاول للقوۃ النامیۃ الموجودۃ فی النبات

اپنے اختیاری افعال ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اس کے اختیاری نہیں ابتدائے

(بقیہ حاشیہ ع۱ صفحہ گذشتہ)

والحیوان الثانیہ للقوۃ الحساسۃ وبہ سمّی الحیوان حیوانا الثالثۃ للقوۃ العاملۃ العاقلۃ والرابعہ عبارۃ عن ارتفاع الغمّ الخامسۃ الحیاۃ الاخرویۃ الابدیۃ السادسۃ الحیاۃ التی یوصف بھا الباری (مفردات)۔ حیات (زندگی) کے بھی اقسام ہیں۔ پہلی قوت نامیہ جو نباتات وحیوانات میں ہے دوسری قوت حاسہ جو حیوانات میں ہے۔ اسی کی وجہ سے ہر جان دار کا نام حیوان رکھا گیا۔ تیسری قوت عاقلہ کا نام ہے جو انسان کو ہر کام پر ابھارتی ہے۔ چوتھی غم کی برطرفی ہے (یہ حیات شہداء ہے) پانچویں حیات آخرت ہے جو ابدالآباد قائم و برقرار رہیگی۔ چھٹی وہ حیات ہے جو باری تعالیٰ شانہ کی صفت ذاتی ہے۔"

ع۵ النطفۃ الماء الصافی ویعبر بھا عن ماء الرجل (مفردات) قل او کثر اوقلیل ماء یبقی فی دلو او قربۃ ج نِطَافٌ و نُطَفٌ والبحر (قاموس)۔ صاف پانی کو "نُطفہ" کہتے ہیں۔ مرد کے پانی کی تعبیر بھی اس سے کی جاتی ہے۔ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ نیز تھوڑا سا پانی جو کسی ڈول یا مشکیزہ میں رہ جاتا ہے اوس کو بھی "نطفہ" کہتے ہیں۔ اس کی جمع نِطات و نُطَف آتی ہے۔ اور سمندر کو بھی کہتے ہیں۔"

آفرینش پر نظر ڈالو بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ، خویش اقارب، دوست احباب،

(بقیہ حاشیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ)

لے المنیٰ التقدیر والمنی للذی قدر به الحیوانات قال من نطفة اذا تمنٰی ای تقدر بالعزة الالٰهیة ما لم یکن منه ومنه المنیة وهو الاجل المقدر للحیوان وجمعه منایا (مفردات) تقدیر اور اندازہ کو "منیٰ" کہتے ہیں۔ اور منی اوس کو کہتے ہیں جس میں جاندار چیزیں پوشیدہ ہوں۔ اس لحاظ سے ارشاد باری تعالیٰ من نطفة اذا تمنٰی کے معنی یہ ہیں کہ عزت الٰہیہ کے باعث ایسی چیز پوشیدہ رکھی گئی ہو جو اوس کی ذات میں نہ ہو۔ منیّة بھی اسی لفظ سے بنا ہے۔ یہ اوس مدت کو کہتے ہیں جو ہر جاندار کیلئے مقرر ہے یعنی موت۔ اس کی جمع منایا ہے۔"

کے۔ النشئ والنشاۃ احداث الشئ وتربیته قال ولقد علمتم النشاۃ الاولٰی وینشئ النشاۃ الاخرٰی۔ فهذه کلها فی الایجاد المختص بالله تعالیٰ (مفردات) کسی چیز کو بطور جدید وجود میں لانے اور اوس کی تربیت کرتے رہنے کو "نشئ یا نشاۃ" کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ "ولقد علمتم النشاۃ الاولی۔ تم ابتدائی آفرینش کو جان چکے" وینشئ النشاۃ الاخرٰی۔ اور دوبارہ بھی از سر نو وجود بخشے گا" ان تمام آیات کریمہ میں نشاۃ سے وہ ایجاد مراد ہے جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات کیساتھ مخصوص ہے"

اور تمام ہی خواہ خوش ہوتے ہیں۔ ایک مسرت کی لہر ہے کہ دوڑ گئی۔ شادیانے بجنے لگے، مبارک باد کا شور بلند ہوا۔ اب تقاریب منائی جائیں گی۔ مقدور کے مطابق خوشی کا سامان ہوگا لیکن اس کا واحد سبب بچہ کی پیدائش ہے۔ یہ کسی کا اختیاری امر نہیں بجز خالق یکتا، وحدہٗ لاشریک لہٗ کے۔ تو ایمان کی بات یہ ہے کہ وہی ہنساتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہنساتا ہے۔ وہ کسی کو ہنسانا چاہے تو کوئی اوس کو رلا نہیں سکتا۔

اسی کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے کہ عین اسی حالت میں جبکہ سارا کنبہ اور جرگہ مسرت کے مارے پھولوں نہیں سما رہا ہے اوس نومولود کی کیا کیفیت ہے اور اوس غریب پر کیا گزر رہی ہوگی اور کونسا سماں اوس کے پیش نظر ہوگا کہ وہ چیخ چیخ کر زار و قطار رو رہا ہے اور روتا ہوا ہی اس عالم میں قدم رکھا ہے۔ آخر اس نے کیا کیا؟ اور کس نے اس کو کیا کہا کہ وہ زار و نزار ہے۔ یہ مسرت میں ڈوبے ہوئے افراد اور جماعات سے تو توقع نہیں کہ انھوں نے اوس کو رلایا ہو۔ جب یہ لوگ اوس کے رلانے کے باعث بھی نہیں ہوئے تو آپ ہی فرمائیں کہ یہ معصوم کیوں رو رہا ہے اور اُسکو کس نے رُلایا؟

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گذشتہ)
یعنی اوس کے سوا اور کوئی بھی کسی کو پیدا نہیں کر سکتا۔

نومولود کے رونے کا سبب

نومولود کیوں رو رہا ہے اور اس کے رونے کا کیا سبب ہے؟ حافظ شیرازؒ فرماتے ہیں :-

فاش میگویم واز گفتۂ خود دل شادم | بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم
من ملک بودم و فردوسِ برین جایم بود | آدمؑ آورد دریں دیر خراب آبادم
سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور ولب حوض | بہوائے سرِ کوئے تو برفت از یادم
نیست برلوحِ دلم جز الفِ قامتِ یار | چہ کنم حرفِ دگر یاد نہ داد اُستادم
کوکبِ بخت مرا ہیچ منجم نہ شناخت | یارب از مادرِ گیتی بچہ طالع زادم

پاک کن چہرۂ حافظ بسرِ زلف زاشک
ورنہ ایں سیلِ دمادم بکند بنیادم

صاف صاف کہتا ہوں اور اپنے اس کہنے میں مجھے ذرا بھی جھجک نہیں کہ میں بندۂ عشق ہوں اور میں دارِ دنیا اور دارِ آخرت دونوں سے آزاد ہوں مجھے ان میں سے ایک کی بھی حاجت نہیں۔ کیوں کہ ــــــ میں فرشتہ صفت تھا اور فردوس بریں میں رہتا تھا اس خراب آباد (دنیا) میں مجھے حضرتِ آدمؑ لے آئے۔ وہاں تھا تو درختِ جنت یعنی ــــــ طوبیٰ کا سایہ تھا۔ حوریں میری دل جوئی کرتی تھیں۔ حوضِ کوثر کے

کنارے پر رہ کر جمال الٰہی کا مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ تیرے کوچے کی تمنا پیدا ہوتا تھا کہ یہ ساری تمنّیں خواب و خیال ہوگئیں۔ اب ——— میرے لوحِ دل پر قامتِ یار جو الف کی طرح راست ہے اور کچھ نقش ثبت نہیں۔ سارے نقوش محو ہو گئے۔ دوسرا نقش آتا ہی کہاں سے جب کہ میرے استادِ ازل نے ایک الف کے سوا دوسرا کوئی حرف مجھے پڑھایا نہیں۔ ——— میری بخت آوری کا ستارہ کونسا ہے اس کو کوئی منجم اب تک پہچان نہ سکا۔ حیران ہوں کہ پروردگار! میرا طالع کونسا ہے جس سے میری پیدائش کا تعلق ہے؟ (ان حالات میں مجھے رونا ہی رہنا چاہیے) اب آپ ——— اپنی زلفوں سے حافظ کا چہرہ صاف کریں تو خیر ہے ورنہ یہ بارانِ اشک میری عمارتِ جسم کو (جو مٹی ہی سے بنی ہوئی ہے) بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینک دے گا۔"

خُلاصہ یہ کہ معشوقانہ صورت حال اب عاشقانہ انداز میں تبدیل ہوچکی ہے لہذا ہجر و فراق ہی کے صدمے سہنے پڑیں گے۔ جس سے مفر نہیں۔ ففرّوا الی اللہ۔

حضرت آدمؑ و موسیٰؑ کا مکالمہ

یہ شکوہ کچھ حافظ ہی کو نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرما چکے ہیں مگر لاجواب ہوگئے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

احتجّ آدم و موسی فقال یا آدم انت ابونا خیبتنا و اخرجتنا من الجنّة قال له آدم یا موسیٰ اصطفاك الله بکلامه وخطّ لك بیده اتلومنی علی امر قدّره الله علیّ قبل ان یخلقنی باربعین سنة فحجّ آدم موسیٰ ثلاثا۔ (بخاری شریف عن ابی ہریرۃؓ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمؑ و موسیٰؑ کی بحث ہوئی (ہوا یہ کہ موسیٰ نے) کہا۔ حضرت آدم! آپ ہمارے والد بزرگوار ہوتے ہوئے ہمارے خسارے کا باعث بنے کہ ہم کو جنت سے باہر نکال لائے۔ اس پر آدمؑ نے اون سے فرمایا۔ موسیٰ! اللہ سبحانہ نے تم کو ہم کلامی سے مشرف کیا۔ اور الواح اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیں۔ کیا اوس امر پر مجھے ملامت کرنا چاہتے ہو جس کو اللہ سبحانہ نے میرے پیدا ہونے سے بھی چالیس سال پیشتر مجھ پر مقدر فرما دیا تھا؟ اس بیان کے بعد آں حضرتؐ تین تین بار یوں فرمانے لگے کہ آدم نے موسیٰ کو لاجواب بنا دیا۔" صلوات اللہ و سلامہ علی نبینا و علیہما۔

ایک شبہ کا جواب

یہ گفتگو اس عالم میں نہیں ہوئی کیوں کہ عہد آدمؑ کہاں اور عہد موسیٰؑ کہاں۔ عالم بالا کی ہے۔ لہذا اس عالم میں کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہمارا جرم ہمارا جرم نہیں تقدیر ایسی ہی تھی اسلئے

ایسا کیا۔ کام کرنے سے پہلے کسی کو کیا معلوم ہے کہ تقدیر کیا ہے؟ لہذا جو کام بھی صاحب عقل انسان کرتا ہے وہ اپنے ارادہ و کسب و اختیار سے کرتا ہے۔ اوس کو تقدیر پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجایش نہیں۔ بر موقع اس کی وضاحت کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نومولود کو کس نے رلایا

رہا یہ کہ نومولود کو کس نے رلایا؟ آپ کا جواب یہی ہوگا کہ جس نے اون سب کو ہنسایا تھا اوسی نے اس ننھی سی جان کو رلایا۔ قدرت خداوندی کے قربان جانا چاہیئے کہ ایک ہی واقعے میں دو متضاد کیفیتیں ودیعت فرمائیں۔

نومولود کی زاری میں درس ہدایت

یہی نہیں بلکہ اس کے ضمن میں ایک درس ہدایت اور بھی پنہاں ہے جس کی شاعر فطرت نے یوں ترجمانی کی ہے:

ولدتك امك یا ابن آدم باکیاً — والناس حولك یضحكون سرورا

فاجهد لنفسك ان تكون اذا بكوا — فی یوم موتك ضاحكا مسرورا

ابن آدم! والدہ نے تجھے جنا تھا تو اوس وقت تو رو رہا تھا اور تمام لوگ تیرے اطراف سے (کھڑے ہوئے) خوشی کے مارے ہنس رہے تھے۔ اب تیری کوشش یہ

ہونی چاہیئے کہ تیری موت کے دن جب وہ آہ و زاری کرتے ہوں گے تو مسرت کے مارے خوش خوش ہنس رہا ہو۔ اسی مضمون کو دوسرے شاعر نے فارسی میں یوں ادا کیا ہے :

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو   ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مُردنِ تو   ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

ضحک و بکاء کی صورتیں

یہ تفسیر تو "ضحک و بکاء" کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنے کی بنا پر تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضحک سے سرور اور بکاء سے حزن (غم) کے معنی کنایۃً مراد لئے جائیں۔ یعنی وہی خوش کرتا اور وہی غمگین بناتا ہے۔ کیوں کہ خوشی موجب ضحک اور غم باعث زاری ہے معنی یوں ہوں گے کہ دنیا میں وہی اہل نعمت کو ہنساتا اور دردمندوں کو رُلاتا ہے۔ یا آخرت میں اہل جنت کو وہی ہنساتا اور دوزخیوں کو رُلاتا ہے۔ درختوں کو پھولوں سے ہنساتا اور ابر کو برسات سے گویا رُلاتا ہے۔ یا وعدہ سے خوش کرتا اور وعید سے غمگین بناتا ہے۔ مطیع کو اپنی رضا سے مسرور کرتا اور عاصی کو اپنی ناراضی سے ترش رو کرتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ عارفین کے قلوب کو حکمت سمجھا کر خوش کرتا

اور اون کی آنکھوں کو مشتاقِ دید بنا کر رُلاتا ہے یا کبھی تجلی لطف و جمال سے ہنساتا اور کبھی تجلی قہر و جلال سے رُلاتا ہے۔

انّہ ھو اضحك و ابکیٰ کا شانِ نزول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:— مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قوم یضحکون فقال لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیرا و لضحکتم قلیلا فنزل علیہ جبریل علیہ السلام فقال ان اللہ تعالی یقول و انّہ ھو اضحك و ابکیٰ فرجع الیھم فقال ما خطوت اربعین خطوۃ حتی اتانی جبریل فقال ائت ھؤلاء فقل لھم ان اللہ یقول ھو اضحك و ابکیٰ

(ابن مردویہ) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو ہنستے بولتے بیٹھی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو بہت روتے اور کم ہنستے۔ اتنے میں (کچھ ہی دیر بعد) جبرئیل علیہ السلام اُترے اور یہ پیام پہنچایا اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یقیناً وہی (خدا) ہنساتا اور رُلاتا ہے۔ یہ سُن کر آپ دوبارہ اون کے پاس لوٹ آئے اور فرمایا کہ میں یہاں سے چالیس قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ میرے پاس جبرئیل آئے

اور یوں کہا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ آپ دوبارہ اُن لوگوں کے ہاں جائیے
اور فرمائیے کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: — وہی ہنساتا اور وہی رُلاتا ہے"
مطلب یہ ہوا کہ یہاں اللہ سبحانہ جن کو ہنسانا چاہتا ہے وہ لوگ ہیں جو علم
صحیح نہیں رکھتے۔ رہے وہ جن کو علم صحیح دیا گیا ہے اون کا ہنسنا کیسے ہو تقاضائے
علم یہ ہے کہ وہ کم ہنسیں۔

ملائکہ کرام کے احوال

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا:-

مالی لم ار میکائیل ضاحکا قط قال ما ضحک میکائیل منذ خلقت
النار۔ کیا بات ہے کہ میکائیل ؑ کبھی ہنستے ہوئے دکھائی نہیں دیتے؟ جبرئیل نے
کہا جب سے دوزخ پیدا ہوئی میکائیل کبھی نہیں ہنسے" صرف حضرت میکائیل ہی
کیا موقوف ہے؟ امام طاہر مقدسیؒ سے پوچھا گیا:— اتضحک الملائکۃ
فقال ما ضحک من دون العرش منذ خلقت جھنم۔ کیا فرشتے بھی ہنستے
ہیں تو کہا کہ جس قدر فرشتے عرش اعظم سے اس طرف ہیں جب سے دوزخ
پیدا ہوئی کبھی نہیں ہنسے"

صحابۂ کرام کی سیرت

بہر حال ہنسنا رونا علم صحیح کی وسعت کے لحاظ سے

اور یہ علم و عدم علم یا قلت و کثرت علم کا نتیجہ ہے۔ یہ معنی نہیں کہ ہنسنا جائز نہیں انسان ہمیشہ روتا ہی رہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا :۔ ھل کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضحکون قال نعم واللہ والایمان اثبت فی قلوبھم من الجبال الرواسی۔ کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کبھی ہنستے بھی تھے؟ فرمایا ہاں۔ (ہنستے بھی تھے مگر) بخدا ایسی حالت میں کہ ایمان، اون کے قلوب میں جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم تھا۔" مطلب یہ کہ وہ اپنے فرایض سے کبھی غافل نہ تھے اون کا ہنسنا بولنا، اون لوگوں کی طرح نہ تھا جو اپنے فرایض سے غافل ہو کر محض خوش گپیاں کرتے رہتے ہیں۔

عن سماك بن حرب قال قلت لجابر بن سمرة رضی اللہ تعالی عنہ اکنت تجالس النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم وكان اصحابه يجلسون يتناشدون الشعر ويذكرون اشياء من امر الجاهلية فيضحكون فيتبسم معهم اذا ضحكوا۔ سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس مبارک میں بھی ہوتے تھے؟ (مطلب یہ کہ آپؐ کی مجلس مبارک کی

کیا کیفیت ہوتی تھی؟) فرمایا کہ ہاں (شریک رہتا تھا) آپؐ کے اصحاب شریک مجلس رہتے تو کبھی اشعار پڑھتے، کبھی جاہلیت کے تذکرے رہتے ان واقعات کا ذکر کرکے صحابہؓ ہنستے تو آپؐ بھی اون کے ساتھ تبسم فرماتے۔"

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا مکالمہ

لقی یحیی عیسی علیہما الصلاۃ والسلام فتبسم عیسی فی وجہ یحیی فقال مالی اراك لاھیا کانك آمن، فقال مالی اراك عابسا کانك آئس فقالا لانبرح حتی ینزل علینا الوحی، فاوحی اللہ تعالیٰ احبکما الیّ احسنکما ظنّابی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات فرمائی تو حضرت یحییٰؑ کی صورت نظر آتے ہی مسرت سے حضرت عیسیٰؑ متبسم ہوگئے۔ (اس وقت قلب یحییٰؑ پر جن تجلیات کا توارد تھا اون کے مدنظر حضرت یحییٰؑ نے) فرمایا:۔ کیا بات ہے کہ میں آپ کو ایسا پاتا ہوں گویا آپ کو کوئی اندیشہ نہیں؟ اس پر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ کیا بات ہے کہ میں آپ کو ایسا ترش رو پاتا ہوں گویا آپ کو کچھ بھی آس لگی ہوئی نہیں ہے۔ آپ یہ صلاح ٹھہری کہ جب تک وحی الٰہی نہ آئے برخاست نہ ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

وحی بھیجی کہ دونوں میں زیادہ تر محبوب وہ ہیں جن کو ہمارے ساتھ زیادہ تر حسن ظن ہو۔" ایک روایت یوں ہے:۔ احبکما الیّ الطلق البسام جن کا چہرہ شگفتہ متبسم وہی ہم کو زیادہ پسند و محبوب ہے۔"

ضحک وزاری کی بابتہ طریقہ سنت

خلاصہ یہ کہ انجمن میں تبسم اور خلوت میں تفکر ہے اور آخر شب میں دعاء و تضرع، یہی سنت مبارک ہے ورنہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ یا ابن آدم تضحك ولعل كفنك خرج من عند القصّار۔ ابن آدم! تو ابھی تک ہنس رہا ہے، اور شاید تیرا کفن دھوبی کے پاس سے دھل کر نکل چکا ہے۔" حضرت نوح علیہ السلام سے یہ ایک کلمہ صادر ہو گیا تھا" انّ ابنی من اھلی ۔میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں شامل ہے۔" اس پر تین سو سال تک روتے رہے ۔ کعب احبار کہتے ہیں:۔ لان ابکی من خشیۃ اللہ حتی تسیل دموعی علی وجنتیّ احبّ الیّ من ان اتصدّق بجبل ذھب ۔خشیت الٰہی سے زاری کرتا تا آں کہ میرے رخسار آنسوؤں سے تر بتر ہو جائیں، مجھے زیادہ پسند ہے اس کے مقابلہ میں کہ پہاڑ برابر سونا راہ خدا میں خیرات کروں۔" یہاں

یہ یاد رہے کہ زاری صرف آنکھوں سے ہونے کا کوئی وزن نہیں ایسی زاریاں تو منافقین بھی خوب کیا کرتے ہیں ۔ زاری وہ ہے جس کا اثر دل میں ہو : ؂

براں از دو سر چشمۂ دیدہ جوئے ورآلائشے داری از خود بشوئے

وانّہ ھوامات واحییٰ کی تفسیر

"وانّہ ھوامات واحییٰ" اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے ۔" یعنی صحف موسیٰ ابراہیم علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام میں یہ بھی لکھا تھا کہ مارنے والا اور جلانے والا وہی خدائے وحدہٗ لاشریک ہے ۔ یہ اماتت واحیاء خواہ جمادات کی ہو یا نباتات کی حیوانات کی ہو یا انسانی افراد کی ہو یا جماعات واقوام کی اجساد کی ہو یا قلوب کی اوسی واحد قہار کے ہاتھ ہے حتیٰ کہ قاتل کسی کو قتل کرتا ہے تو اوس کا فعل صرف اسی حد تک ہے کہ مقتول کے اعضا کو متفرق کر دے یا اوس کے پیٹ یا جسم کو شق کرے لیکن اوس پر موت کا طاری کرنا خدائے ذوالجلال ہی کا کام ہے ۔"

مقتول اپنی موت سے اپنے وقت پر مرتا ہے

عقائد کا مسئلہ ہے : ان المیّت مقتول باجلہ ای موتہ کائن فی الوقت الذی علم اللہ تعالیٰ فی الازل

وقدر حاصل بایجاد اللہ تعالی من غیر صنع للعبد مباشرۃ ولا تولیدا۔ (شرح مقاصد) مقتول اپنے وقت پر ہی مرتا ہے یعنی اوس کی موت ٹھیک اوسی وقت پر واقع ہوتی ہے جو اوس کے لئے علم الٰہی میں مقرر تھا۔ مقتول کی موت بھی ایجاد الٰہی سے ہے جس میں قاتل کو کچھ بھی دخل نہیں۔ نہ وہ موت کو لاتا ہے اور نہ پیدا کر سکتا ہے۔" اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے۔

قاتل کی سزا کس بنا پر ہے؟

رہا یہ سوال کہ ایسی صورت میں قاتل کو سزا کیوں دیجاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو شرعاً اوس کے لئے منع تھا۔ اور جس کی یہ سزا مقرر تھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ عمل میں نیت کو بڑا دخل ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ چوں کہ قاتل کی نیت بُری تھی اس لئے وہ سزا کا مستوجب ہوا۔ بعض دفعہ طبیب کسی مریض پر عمل جراحی کرتا ہے اس میں بھی چیر پھاڑ ہوتی ہے اور ہلاکت بھی واقع ہوتی ہے مگر طبیب پر کوئی دعویٰ نہیں کیا جاتا اور نہ اوس کو عدالتی کشاکش میں مبتلا کیا جاتا ہے بلکہ عمل جراحی اوس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور اوس کی فیس ادا کی جاتی ہے۔ چیر پھاڑ

اور موت' دونوں صورتوں میں واقع ہوئی۔ قتل میں بھی اور جراحی میں بھی' مگر دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ کیوں کہ دونوں کی نیت میں زبردست فرق تھا۔

مارنا جلانا افعال الہیہ ہیں

بہرحال جلانا اور مارنا افعال الہیہ ہیں' مارڈالنا قاتل کا فعل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان بسا اوقات' زخموں سے چور ہوکر اور متعدد گولیاں کھاکر بھی زندہ رہتا ہے باوصفیکہ زخم کاری ہوتا ہے اور گولی ٹھیک نشانہ پر بیٹھتی ہے مگر موت واقع نہیں ہوتی۔ طیارے' ہزاروں فیٹ کی بلندی سے ٹوٹ کر زمین پر گرتے ہیں اور عموماً اون میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی ہلاکت واقع ہوتی ہے مگر مشاہدات ایسے بھی ہیں کہ اون میں بیٹھے ہوئے اشخاص بعض سلامت رہ جاتے ہیں:

عجب از کشتہ نباشد بدرِ خیمۂ دوست عجب از زندہ کہ چوں جاں بدر آورد سلیم

لوگ خودکشی کرلیتے ہیں مگر بسا اوقات سب کچھ کرگزرنے کے بعد بھی ناکام رہ جاتے ہیں۔ مرنا چاہتے ہیں مگر مر نہیں سکتے۔ آخر سبب کیا ہے؟ یہی کہ لا یملکون لانفسھم موتا ولا حیوٰۃ ولا نشورا۔ (فرقان) وہ اپنی ذات کی حد تک بھی

کسی چیز کا اقتدار نہیں رکھتے۔ نہ موت کا اور نہ حیات کا اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اوٹھنے کا" ھو یحیی و یمیت۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے"

یہ بحث موت و حیات حقیقی کی تھی جس کی نسبت ارشاد ہے:۔ اذا جآء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ ورنہ دیگر معانی کے اعتبار سے اس دو روزہ زندگی ہی میں موت و حیات کا ایک سلسلہ ہے:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

موت وحیات کے اقسام

جہل موت ہے اور علم حیات، بخل موت ہے اور جود و سخا حیات، قحط سالی موت اور بارانِ کرم حیات، نیند موت ہے اور بیداری حیات، غلامی موت ہے اور آزادی حیات، و قس علی ھذا۔ کما قال تعالیٰ یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی ویحیی الارض بعد موتھا وکذلک تخرجون" زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندے سے پیدا کرتا ہے اور زمین کو اوس کے مرنے کے بعد پھر سے زندہ کرتا ہے۔ بس تم کو بھی قبر میں جانے کے بعد میدان حشر میں زندہ کرکے اسی طرح لایا جائے گا" یہ تو سب کچھ صحیح ہے اور وقت پر ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ اور ہو رہا ہے لیکن غور طلب یہ ہے کہ کتنے انسان

ایسے ہیں جو دنیا میں زندہ رہ کر بھی روح حیات سے محروم ہیں۔ کما قیل:

لیس من مات فاستراح بمیت انما المیت میت الاحیاء

جس نے مرکر راحت پائی، حقیقۃً وہ مردہ نہیں۔ حقیقی مردے تو غافلین ہیں جو زندہ رہ کر بھی مردہ بنے ہوئے ہیں"۔ قرآن کریم کا نزول اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک ان ہی مردوں کو زندہ کرنے کے لئے ہے۔ امن کان میتا فاحییناہ۔ "کیسے کیسے مردے تھے جن کو ہم نے زندہ کیا"۔ پھر حیات حقیقی کی فکر کیوں نہیں کی جاتی؟

وانہ خلق الزوجین کی تفسیر

"وانہ خلق الزوجین الذکر والانثیٰ ہ من نطفۃ اذا تمنیٰ"۔ "اور یقیناً اوسی خدا نے دو صنف نر و مادہ پیدا کئے جب کہ نطفہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے"۔ زوجین کی نسبت کون نہیں جانتا کہ یہ جیتی جاگتی صورتیں ہیں۔ انسان ہو یا حیوانات۔ ان سے وہ مائیت خارج ہوتی ہے جس کو نطفہ، سُلالہ، ماؤ دافق، ماءِ مہین وغیرہ اسماء سے قرآن کریم میں یاد کیا گیا ہے۔ پرندے انڈے دیتے ہیں۔ اور حشرات کے بھی انڈے ہوتے ہیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ پرندوں کا نطفہ نہیں ہوتا صرف ہوا بھر دیتے ہیں،

اور ہوا سے انڈے بنتے ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ جن جانداروں کے کان
باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں اُنکو بچے پیدا ہوتے ہیں اور جن کے کان اس طرح نہیں وہ انڈے دیتے ہیں
یہ پانی یا ہوا جس سے بچہ یا انڈا پیدا ہوتا ہے ایک بے جان چیز ہے۔ ان سے
جاندار چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور جاندار سے یہ بے جان چیزیں خارج ہوتی
ہیں۔ اس طرح تمام جاندار چیزوں کے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔
اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی زمین اس کے بے شمار گوناگوں نمونوں سے گلزار بنی
ہوئی ہے اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کے پیدا کیے ہوئے
نہیں ہیں؟ عقیم (بانجھ) کو اولاد کیوں نہیں ہوتی۔ کسی کو صرف لڑکیاں ہی تو
کسی کے صرف لڑکے اور کسی کو دونوں قسم کی اولاد۔ اسی طرح انڈوں سے جو بچے
پیدا ہوتے ہیں اون کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی تو گندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی سے
مادہ بچہ ہوتا ہے تو کسی سے نر۔ اور کبھی دونوں ہوتے ہیں۔ غور کیجئے تو خداوند
تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ سبحانہ
کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے۔

ایک نکتہ مفسرین کرام فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان آیات کریمہ کا
سیاق ان کے آگے والی اور بعد والی آیات سے جدا طور پر ہے۔

چنانچہ سابقہ آیات کریمہ اس طرح شروع ہوئیں :۔ وانّہ ھواضحک وابکیٰ وانّہ ھوامات واحییٰ جن کی تفسیر گزر چکی ۔ اور بعد والی آیاتِ کریمہ یہ ہیں :۔ وانّہ ھواغنیٰ واقنیٰ وانّہ ھورب الشعریٰ جن کی تفسیر آگے آرہی ہے ۔ غور کیجئے کہ ان میں سے ہر آیت کریمہ کی ابتدا" انّہ ھو" دو تاکیدی ضمیروں کے ذریعہ ہوئی ۔ لیکن ان کی درمیانی آیت کی ابتدا صرف " انّہ "سے ہی بلاتاکید عمل میں آئی اور اوس کے ساتھ ضمیر" ھو" نہیں لائی گئی ۔ یہاں لطیف طریقہ سے یہ بتانا منظور ہے کہ ہنسانا اور رُلانا بظاہر انسانی فعل قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے بہ تاکید یہ ارشاد ہوا کہ نہیں نہیں۔ یہ افعال تمھارے نہیں بلکہ اوسی خدا نے ہنسایا اور رُلایا یہ تمھارا فعل نہیں وہ بھی ہمارا پیدا کیا ہوا ہے ۔ اسی طرح احیاء و اماتت یعنی مارنا اور جلانا بھی گو اللہ سبحانہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر عام لوگ اماتت کو قاتل کی طرف منسوب کردیتے ہیں اور احیاء کو بھی کسی کریم النفس سخی یا حکیم وطبیب یا کسی منصف مزاج حاکم یا پادشاہ سے نسبت دیتے ہیں ۔ چنانچہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہہ دیا تھا انا احیی وامیت میں بھی زندہ کرتا اور مارڈالتا ہوں" اور یہ کہنے کے بعد ثبوت اس طرح پیش کیا کہ ایک بیگناہ کو

قتل کر دیا اور ایک واجب القتل قیدی کو معافی دے دی تھی۔ اس لئے ایسے افعال کی نسبت اللہ سبحانہ نے اپنی طرف تاکیدی ضمائر کے ساتھ فرمائی کہ وہی خدا جلاتا اور مارتا ہے" مگر چونکہ زوجین کو پیدا کرنا یا مردے سے زندے کو یا زندے سے مردے کو پیدا کرنا اس کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا اس لئے یہاں تاکیدی ضمیریں "اللہ ھو" نہیں لائی گئیں بلکہ صرف اللہ پر اکتفا کی گئی واللہ اعلم۔

وان علیہ النشأۃ الاخریٰ کی تفسیر

وَاَنَّ عَلَیْہِ النَّشْاَۃَ الْاُخْرٰی اور (صحف موسیٰ وابراہیم میں)

یہ بھی ہے کہ اللہ سبحانہ نے دوبارہ نشأت اپنے ذمہ لی ہے" یعنی تمام مخلوقات فنا ہونے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ہر ایک کو اپنے عمل کی پوری پوری جزا ملے۔ قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا بیان قرآن کریم میں بارہا فرمایا گیا ہے لیکن یہاں زوجین اور اولاد کے بعد "نشأۃ ثانیہ" کا ذکر اس بنا پر ہے کہ حیات انسانی کی دنیا میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک رحم مادر میں ہو اس کی حیات ایک طرح ہے اور جب وہ اس عالم میں قدم رکھے تو اس کی نوعیت حیات جداگانہ ہے۔ لیکن اس عالم کی حیات رحمی حیات کی تابع ہے۔ اگر وہاں جنین کی زندگی اور اس کا ہر دور قانون

فطرت کے مطابق ہو تو بچہ، سلیم الاعضا، صحیح توانا، اپنی پوری صلاحیتوں اور توانائیوں کو ساتھ لئے ہوئے ہوگا۔ اور اگر اوس میں کچھ نقص اوسی عالم حمل میں رہ جائے مثلاً بعض بچے بہرے، گونگے، نابینا پیدا ہوتے ہیں یا لنگڑے اپاہج رہ جاتے ہیں یا دماغ میں کوئی خلل ہوتا ہے تو وہ عموماً ایسا نقص اپنے ساتھ لئے ہوئے ہوگا وہ دنیا میں جب تک زندہ رہے اوس کی ساری زندگی ناقص رہیگی اس عالم میں کسی طرح سے وہ نقص رفع نہ ہوسکے گا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اعجاز کارفرما ہو جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مادرزاد نابینا اور گونگے اور کوڑی کو اچھا کر دیتے تھے۔ یہ معجزہ ہے۔ ہر کس و ناکس کو کہاں نصیب ہوسکتا ہے۔

حیات دنیوی میں نقص ہو تو کبھی رفع نہ ہوگا

بعینہ یہی مثال دنیوی حیات اور اخروی حیات کی ہے کہ اگر دنیوی زندگی دین فطری (اسلام) کے مطابق ہوگی۔ خواہ اوس کا تعلق عقاید سے ہو یا عبادات و اعمال سے یا اخلاق و عادات سے تو امید ہے کہ اوس کی "نشأت ثانیہ" بھی خوش آیند ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:— یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ

فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی ۔ "اے اطمینانی زندگی بسر کرنے والے نفس ! اپنے پروردگار کے حضور میں خوش ہوکر اور خرسند کیا جاکر حاضر ہو۔ (اوس کو خطاب باری ہوگا) میرے (مقبول) بندوں (کی صف) میں شامل اور میری جنت میں داخل ہوجا" اور اگر حیات دنیوی دین فطری کے بتائے ہوئے طریق پر نہ ہویا اوس میں کوئی نقص رہ جائے تو ایسا نقص ابدالآباد تک برقرار رہیگا۔ اوس کے ازالہ کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ بجز اس کے کہ مشیت ایزدی کچھ کام کرے۔ کتابوں کا نزول اور انبیاورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت اسی مقصد کے لئے تو ہوئی۔ اب اس کی اہمیت خوب ذہن نشین کرلیجئے۔ ارشادِ باری ہے :۔ ومن اعرض عن ذکری فانّ له معیشة ضنکا ونحشرہٗ یوم القیامة اعمیٰ قال ربّ لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا۔ جو کوئی (دنیا میں) میری یاد سے منہ پھیرلیگا تو اوس کو تنگ گزران ملیگی اور ہم اسکو قیامت کے دن نابینا اوٹھائیں گے۔ وہ بولیگا پروردگار میرے ! مجھے نابینا بناکر کیوں اوٹھایا؟ میں تو بینا تھا" قال کذلك اتتك اٰیٰتنا فنسیتھا وکذلك الیوم تنسیٰ ۔ ارشاد ہوگا یوں ہی تجھ کو ہماری آیتیں پہنچی تھیں پھر تونے اون کو بھلادیا پس اسی طرح آج تجھ کو بھلادینگے" اللّٰھم احفظنا ۔ آگے

ارشاد ہے:—

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ 53-4 53-4

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَاِۨ الْاُوْلٰى ۙ وَثَمُوْدَ فَمَآ اَبْقٰى ۙ وَقَوْمَ 53-5 53-5

نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۭ وَالْمُؤْتَفِكَةَ 53-5 53-5

اَهْوٰى ۙ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝ اور 53-5 53-5

له والقِنیٰ کالی الرضا قنّاہ اللہ واقناہ ارضاہ وبہ فسّر قولہ تعالیٰ وانّہ
هوا غنی واقنی وفی حدیث وابصۃؓ والاثم ماحاک فی صدرك وان
افتاك الناس عنہ واقنوك ای ارضوك۔ (تاج العروس) قِنیٰ بروزن الیٰ
پسندیدگی وخوشنودی عرب کا محاورہ ہے قنّاہ اللہ واقناہ یعنی اللہ نے اوس کو خوش کیا
اور راضی کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ وانّہ هوا غنی واقنی میں اقنیٰ کی تفسیر یہی کی گئی
ہے کہ آدمی نے راضی کیا۔" وابصہؓ کی حدیث میں ہے:— گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں
کھٹکتا رہے اگرچہ لوگ تم کو فتوی دے کر راضی کردیں"۔ اس میں بھی اقنوك کے معنی

(صحف موسیٰ وابراہیمؑ میں) یہ بھی تھا کہ اوسی نے دولت دی اور فقیر بنایا

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

ارمنوك" ہیں عن الحضرمی فی قوله وانّه هو اغنی واقنی قال اغنی نفسه وافقر الخلائق الیه (ابن جریر، ابو الشیخ) اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں حضرمیؒ سے یوں مروی ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کو غنی بنایا اور تمام خلائق کو اپنا محتاج بنایا"

تقول العرب من اعطی مائة من المعز فقد اعطی القنیٰ ومن اعطی مائة من الضأن فقد اعطی الغنیٰ ومن اعطی مائة من الابل فقد اعطی المنی (محیط المحیط) محاورہ عرب ہے کہ جس کو سو بکریاں ملیں اوس کو قِنیٰ (رضا مندی) ملی۔ اور جس کو سو دُنبے ملے اوس کو غِنیٰ (تونگری) ملی اور جس کو سو اونٹ ملیں اوس کو مُنیٰ (آرزو، یعنی منہ مانگی مراد) ملی۔" اغنیٰ واقنیٰ ای اعطی ما فیه الغنی وما فیه القنیة ای المال المدّخر وقیل ارضی وتحقیق ذلك انّه جعل لہ قنیة من الرضا والطاعة وذلك اعظم الغنائین (مفردات)

اغنی و اقنی کے معنی یہ ہیں یعنی اتنا دیا کہ غنا حاصل ہو اور اوٹھا کر رکھا جا سکے اور سرمایہ بنایا جائے کہ وہ انسان کے پاس ہمیشہ رہے کبھی اوس سے جدا نہ ہو)۔ کسی نے اقنی کے معنی ارضی کئے ہیں یعنی اتنا دیا کہ خوش کر دیا۔ تحقیق یہ ہے کہ رضا اور طاعت کی

اور یہ کہ وہی شعریٰ (نامی ستارہ کا) رب ہے، اور یہ کہ اُسی نے عادِ اولیٰ کو

(بقیہ حاشیہ ۱؎ صفحہ گذشتہ)

توفیق دی اور اسی کو اوس کا سرمایہ آخرت بنایا ظاہر ہے کہ یہی اعلیٰ درجہ کی غنا ہے۔"

۲؎ المؤتفکة - الإفك كل مصروف عن وجهه الذي يحق ان يكون عليه ومنه قيل للرياح العادلة عن المهابّ مؤتفكة قال تعالى والمؤتفكة اهوىٰ ۔ (مفردات) کسی چیز کو اوس کی اصلی صورت سے دوسری طرف پھیر دینے کو " إفك " کہتے ہیں اسی سے لفظ "موتفکہ" بنایا گیا ہے یعنی وہ ہوائیں جو اپنے بہنے کے مقررہ طریق کو چھوڑ کر دوسری سمت بہتی ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ والمؤتفكة اهوىٰ میں بھی مؤتفکة سے یہی مراد ہے ۔" المؤتفكات المدائن التي قلبها الله على قوم لوطؑ والرياح تختلف مهابّها مفردها المؤتفكة وتقول العرب اذا كثرت المؤتفكات زكت الارض (محيط المحيط)

"مؤتفکات" قوم لوطؑ کی وہ بستیاں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے الٹا دیا ۔ نیز موتفکات سے وہ ہوائیں مراد ہیں جو اپنا اصل راستہ چھوڑ کر بہتی ہیں ۔ اس کا مفرد "مؤتفکہ" ہے ۔ عرب کہتے ہیں کہ جب الٹی ہوائیں بکثرت چلتی ہیں تو زمین پاک ہوجاتی ہے۔"

۳؎ آلاء الله نعمه الواحد أَلًا و إِلًى نحو أَنًا وإِنًى لواحد الآناء (مفردات)

تباہ کیا، اور ثمود کو، پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور نوح کی قوم کو ان سے پہلے

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

آلاءَ کے معنی نعمتوں کے ہیں (یہ صیغہ جمع ہے) اس کا واحد "اَلاً یا اِلیٰ" ہے جیسے اَناً واِنیٰ" آناءَ کا واحد ہے"۔ وجعل الامور المعدودۃ آلاءَ مع ان بعضہا نقم لما انّہا ایضا نِعَمٌ من حیث انّہا نصرۃ للانبیاء والمؤمنین وانتقام لہم وفیہا عظات وعبر للمعتبرین (روح البیان) اِن آیات کریمہ میں جن امور کو گن کر بتایا گیا ہے یہاں سب کو نعمت قرار دیا گیا حالانکہ ان میں بعض عذاب و انتقام کی صورتیں بھی شامل ہیں یہ اس بنا پر ہے کہ یہ انتقامی کارروائیاں چوں کہ انبیا علیہم السلام اور اہل ایمان کی نصرت کے لئے کی گئیں اور کفار سے اون کا انتقام لیا گیا (تو یہ انبیا علیہم السلام اور اہل ایمان کے حق میں نعمت ثابت ہوئیں) اس میں عبرت لینے والوں کے لئے نصیحت و عبرت کا سامان ہے"۔ لہٰذا انتقامی کارروائیاں بھی اہل ایمان کے حق میں نعمت ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا:۔ فقل الحمد للہ الذی نجّانا من القوم الظالمین یوں کہو کہ ساری تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات دی"۔ دوسرے موقع پر خود ارشاد باری یوں ہوا:۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین۔

وہ تو اور بھی ظالم اور شریر تھے، اور اُلٹی بستی کو پٹک دیا، پھر آپڑا اوس پر جو کچھ کہ آپڑا، اب تو (اے انسان!) اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا۔

وانّہ ھو اغنیٰ واقنیٰ کی پہلی تفسیر

آیہ کریمہ وانّہ ھو اغنیٰ واقنیٰ میں "اقنیٰ" کی تفسیر اَعطَی القِنیَۃَ[۱] اَرضیٰ[۲] اور افقر[۳] تین طرح سے کی گئی ہے۔ پہلی تفسیر کے اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ اوسی خدا نے انسان کو غنی بنایا اور اُسی نے سرمایہ بخشا، جس کی بدولت وہ اپنی تمام ضروریات کو فارغ البال ہو کر پوری کرتا ہے پھر بھی اوس کے ہاں بہت کچھ جمع محفوظ رہتا ہے۔ ضحاک[۲] کہتے ہیں:— اغنی بالذھب والفضۃ والثیاب والمسکن واقنیٰ بالابل والبقر والغنم والدواب؛ سونا، چاندی، ملبوس، اور مکان دیکر

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

بس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ ساری تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام عالمین کا پالنے والا ہے۔ حضور اکرمؐ نے جب ابوجہل کو غزوۂ بدر میں مقتول پایا تو سجدہ شکر ادا فرمایا۔ گویا یہ بھی اللہ سبحانہ کا بڑا انعام ہے کہ دشمن کو ایسی سزا دی۔ (تنبیہ) بعض معاصرین نے "آلاء" کے معنی "کرشمۂ قدرت" کے لکھے ہیں۔ اس اعتبار سے معنی درست ہو جاتے ہیں کسی توجیہ یا تاویل کی ضرورت

غنی کیا اور اونٹ گائے، بکریاں، اور سواریاں (گھوڑے خچر وغیرہ) کو سرمایہ کیا، کہ اون کا توالد و تناسل جاری رہتا ہے اور اون سے دائمی نفع حاصل ہوتا رہتا ہے۔ کھیتیاں اور باغات بھی اس میں داخل ہوں گے کیونکہ ان کا نفع بھی دائمی ہے۔ غناء تونگری ہو یا سرمایہ داری، سب کچھ اوسی منعم حقیقی کی عطا ہے اس میں خود انسان کو کچھ دخل نہیں۔

سرمایہ داری اور اسلام

اسی آیۂ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ مسلمان مالدار، سرمایہ دار بن کر رہ سکتا ہے غنا اور سرمایہ داری، تعلیمات اسلامیہ کے منافی نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ زکاۃ، صدقہ فطر، اور قربانی کے جو احکام ہیں وہ اوس سے متعلق رہیں گے۔ کھیتیوں اور باغات کا عُشر ادا کیا جائے گا کفارات میں وہ شق اختیار کی جائے گی جو اغنیاء کے لئے متعین ہے۔ یعنی غلام آزاد کرے گا یا مساکین کو حسب احکام، نان و پارچہ دے گا۔ فریضۂ حج ادا کرے گا۔ جہاد میں مال و جان کی

(بقیہ حاشیہ ۳ے صفحہ گذشتہ)

داعی نہیں ہوتی مگر تاوقتیکہ کسی معتبر لغت یا اہل لسان کے کلام کا حوالہ نہ دیا جائے اور نقل صریح نہ پیش کی جائے قابل تسلیم نہیں اور یہ تفسیر بالرائے شمار ہوگی جو معتبر نہیں واللہ اعلم۔

ادائی سے پہلو تہی نہ کرے گا۔ زوجات کا نفقہ (طعام، لباس، سکنیٰ (مکان) کا انتظام)
حسب حیثیت ہوگا۔ اسی طرح اولاد کے نفقہ کا کفیل ہوگا۔ والدین اور اقارب
جو محتاج ہوں اون کے نفقہ کی سربراہی کرے گا۔ اس کے علاوہ صدقات وخیرات
مبرات، ضیافت، ہدایا تحائف، وغیرہ میں اپنی پسند کے مطابق، (جس میں
اسراف وتبذیر، ریا وسمعہ کو دخل نہ ہو اور نہ شرع شریف کی خلاف ورزی ہو)
حصہ لیتا رہیگا۔ سرمایہ داری کے گھمنڈ میں کسی کی دل آزاری قولاً، فعلاً، عملاً
اشارۃً نہ کریگا۔ ایسی تونگری اور سرمایہ داری بری نہیں بلکہ اچھی اور بہت ہی
اچھی ہے۔ حضور انور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے فرمایا:۔ "نعم المال
الصالح للرجل الصالح" پاکیزہ دولت کسی پاکیزہ صفات انسان کے لئے
کیا ہی بہتر ہے"۔ بستی دنیا میں سرمایہ داروں کی کمی نہیں۔ ہر قوم اور ملک میں
موجود ہیں اگر ان اصولوں پر کاربند ہوں تو زمانہ بھر کا افلاس دور ہوجائے۔
اور یہ ساری چیخ پکار چشم زدن میں ختم ہوجائے واللہ الموفق:۔

کریماں را بدست اندر درم نیست خداوندانِ نعمت را کرم نیست

آیۂ کریمہ کی دوسری تفسیر

۲۔ اَقنیٰ کی دوسری تفسیر اَرضیٰ
کے ساتھ کی گئی ہے اس اعتبار سے

معنی یوں ہوں گے کہ اوسی نے تونگر بنایا اور اوسی نے خوشنود اور راضی کیا۔" یا یوں کہئے کہ کسی کو غنا دی اور کسی کو رضا۔ اگر اغنیاء اپنی غنا میں پھولوں نہیں سماتے ہیں تو اہل رضا بھی اپنی رضا میں مست ہیں ع

فاقہ مستوں کا نشہ بھی نہیں ہوتا ہے ہرن

أی جعل الرضی لہ قنیۃ ۔ (روح البیان) یعنی رضا و خوشنودی کو اوس کا سرمایہ بنایا۔" یہ رضا و خوشنودی خواہ بندے کی اپنے رب سے ہو یا رب کی رضا و خوشنودی اپنے بندے سے۔ اوس کی خوشنودی کو اوس کا سرمایہ بنایا۔ یا اپنی رضا کو اوس کا سرمایہ بنایا۔ ہر دو نوع کے سرمایے بندے کے لئے مفید ہیں۔ راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ وتحقیق ذلك انّہ جعل لہ قنیۃ من الرضا والطاعۃ وذلك اعظم القنائین۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے رضا و طاعت ہی کو اوس کا سرمایہ بنایا اور یہی بہترین سرمایہ ہے۔" اعظم الغنائین بھی لکھا ہے۔ یعنی غنا کے مقابلہ میں قنیہ یا قنا بہترین غنا ہے۔" یہ تفسیر بھی بجائے خود درست ہے اور یہ لطیف تفسیر ہے۔

آیۂ مذکورہ کی تیسری تفسیر

۳۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اَقنٰی بمعنی اَفقَرَ۔ یعنی اوسی نے غنی بنایا اور

اوسی نے فقیر و محتاج بنایا۔" ائمہ ادب' ابن زید اور اخفش سے منقول ہے
انھما جعلا الھمزۃ فیہ للسلب والازالۃ کما فی اشکیٰ۔ انھوں نے
کہا کہ اَشکیٰ کا ہمزۂ افعال جیسا کہ سلب و ازالہ کے لئے ہے یعنی شکایت
رفع کی یا دور کی۔ اسی طرح اَقنیٰ کا ہمزہ بھی سلب و ازالہ کے لئے ہے یعنی
سرمایہ چھین لیا اور دور کر دیا۔" غور کیا جائے تو معنی دوم بھی اسی کے
قریب قریب ہیں۔ کیوں کہ طاعت و رضا جس کا سرمایہ ہو اوس کو دنیوی
سرمایہ سے کیا غرض؟ اس صورت میں ہمزۂ افعال' سلب و ازالہ کے لئے
قرار دینے کی بھی ضرورت نہ ہو گی اَرضیٰ کے لازمی معنی بھی اَفقَرَ ہی کے قرار
پائیں گے۔ بلکہ معنی اول (اعطی القنیۃ) میں اگر سرمایہ دار آخرت مراد
لیا جائے تو دنیا کی حد تک اَفقَرَ ہی کے معنی درست ہوں گے۔ اس طرح
یہ تفسیر بھی اَفقَرَ میں مندرج و مندمج ہو گی۔ گویا تینوں تفسیروں کا مآل
ایک ہی ہوا۔ اسی وجہ سے ہم نے اَقنیٰ کی تفسیر اَفقَرَ سے کی ہے تاکہ یہ سب
تفاسیر کی جامع تفسیر ہو۔ نیز اس میں اغنی کے ساتھ اقنی یعنی افقر کا
تقابل بھی ٹھیک پڑتا ہے کیوں کہ غنا و فقر باہم اضداد ہیں جیسا کہ اوپر کی
آیات کریمہ میں ضحک و بکا' اور موت و حیات' ایک دوسرے کی ضد تھے

اس طرح تمام آیات کی تفسیر ایک ہی نہج پر ہو گی اور لطفِ کلام دوبالا ہو جائیگا ورنہ پہلی تفسیر کی رو سے اغنی کا تقابل اقنی سے نہ ہوگا بلکہ آگے آنے والی آیہ کریمہ وانّہ اھلک عادن الاولٰی اوس کی ضد قرار دینی پڑے گی۔ واللہ اعلم۔

وانّہ ھو ربّ الشّعرٰی کی تفسیر

"وانّہ ھو ربّ الشعرٰی" اور یہ کہ وہی رب ہے شعریٰ (ستارے) کا (جس کو دیوتا جان کر مشرکین اوس کی پرستش کرتے ہیں)"۔ اس کا دوسرا نام "عبور" اور "کلب الجبار" اس کا لقب ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ جوزاء کو "جبار بھی کہتے ہیں اور "شعریٰ" اوس کے پیچھے پیچھے رہتا ہے جیسے کوئی شکاری شکار کے پیچھے جاتا ہے۔

شعریٰ ایک ستارہ کا نام ہے

ہیئت داں کہتے ہیں کہ اس کا جرم بڑا ہے اور اس کی روشنی بھی سب سے زیادہ تیز ہے اس لئے زمانۂ جاہلیت میں عرب اس کی پرستش کرنے لگے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ دوسرے ستاروں کی رفتار، فلک کے طول میں ہوتی ہے اور اس کی عرض میں۔ اس وجہ سے ان کا توہم یہ تھا کہ عالم کے کاربار

اس کی تاثیر ہے۔ قال السدّی عبدھا حمیر وخزاعة وقال غیرہ اوّل من عبدھا ابوکبشة رجل من خزاعة وھو سیّدھم (روح المعانی) سُدّی کہتے ہیں کہ قبیلۂ حمیر اور قبیلۂ خزاعہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے ابوکبشہ نے اس کی پرستش کی جو قبیلہ خزاعہ سے تھا جو اون کا سردار تھا۔" عرب کی ایسی بڑی شخصیت اس کی طرف مایل ہونے کی وجہ سے پورا قبیلہ خزاعہ اس طرف مایل ہو گیا اور اون کا دیکھا دیکھی حمیر بھی اس کے پرستار بن گئے۔ اس کی نسبت اور بھی خرافات ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا گیا ہے۔

اس کی پرستش عرب کے ان قبائل کے علاوہ، دیگر مشرک اقوام میں بھی عموماً رائج تھی۔ مصری، یونانی، رومی، سب ہی اس کے پرستار تھے۔ اس کی مورتی ایک مربع سیاہ پتھر کی صورت میں ۲۰ فیٹ چوڑی اور زمین سے چار فیٹ اونچی، زمین پر نصب تھی۔ مغربی محققین کا بیان ہے کہ الحجر کے بناطی عہد کے کتبوں میں اس کا نام "منٰاۃ" دیوی کے ساتھ ساتھ ملتا ہے۔

ستارہ پرستی کا ابطال

قرآن کریم نے جہاں بتوں اور بت پرستی کی مذمت کی، اور اوائل سورت ہذا میں

لات وعُزّیٰ اور مناۃ کی حقیقت کھول دی، اسی سیاق میں آسمانی دیوتی کا بطور خاص ذکر کرکے بت پرستی کے پورے تخیل پر کاری ضرب لگادی کہ اے نادانو! "شعریٰ" جس کو تم دیوتا سمجھتے ہو اور اللہ سبحانہ کو چھوڑکر اوسکی پرستش میں لگے ہوئے ہو اوس کا حال یہ ہے کہ جس طرح شمس وقمر اللہ کے آگے مسخّر اور تابع فرمان بنے ہوئے ہیں وسخّر الشمس والقمر اور جس طرح دیگر تمام ستارے اوس کے مُسخّر اور تابع فرمان ہیں، والنجوم مسخّرات بامرہ۔ اس "شعریٰ" کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اُس کا مسخر وتابع فرمان بنا ہوا ادنیٰ مزدور کی طرح اوس کی خدمت میں لگا ہوا ہے مجال نہیں کہ اوس کے حکم سے سرمو انحراف یا تجاوز کرسکے۔ اللہ جل جلالہ جو ربّ السموات والارض وما بینہما ہے اور نہ صرف یہی بلکہ ربّ المشرق والمغرب وما بینہما ہے اور جو ربّکم وربّ آبائکم الاولین بلکہ ربّ العالمین ہے وہ ربّ الشعریٰ بھی ہے۔ اب بت پرستی اور ستارہ پرستی دونوں کی تردید ہوگئی اور غیر اللہ کی پرستش کو اس طرح بے نقاب کردیا گیا کہ ہر سمجھدار منصف اس کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کج فہم یا ہٹ دھرم اپنے زعم باطل پر اَڑا رہے۔

سورۂ نجم میں لات و عزیٰ اور مناۃ و شعریٰ کا جو بیان ہوا ہے قصہ غرانیق
کا بھی بعض مفسرین نے یہاں بیان فرمایا ہے مگر حضرت سید الشیوخ قدس
سرہ العزیز نے اس کا مفصل حال سورۂ حج کی تفسیر میں ص۷۳۶ سے ص۷۴۸
تک تحریر فرما دیا ہے اس لئے اوس کا اعادہ غیر ضروری ہے شائقین وہاں
اوس کو ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شبہہ کا ازالہ

ابو کبشہ جو اس ستارے کا پہلا پجاری تھا۔ اوس نے بت پرستی ترک کردی تھی۔ جس کی وجہ سے مکہ کے
تمام بت پرست اوس سے ناراض تھے۔ اور اوس کا ذکر برائی کے ساتھ
کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث ہوئے اور اعلان توحید
فرمایا تو یہ لوگ آپ کے بھی مخالف ہو گئے۔ اور اول اول آپؐ کی نسبت بھی
یہ خیال کرنے لگے کہ آپؐ ابو کبشہ کے ہم خیال ہیں۔ یہ صرف اہل مکہ اور
قریش کی جہالت تھی۔ کجا توحید اور خدا پرستی اور کجا شعریٰ پرستی۔
اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ کے ذریعہ واضح فرمادیا کہ آپؐ اگر بت پرستی
کی مخالفت میں، ابو کبشہ کے موافق ہیں تو خدا پرستی کی بدولت شعریٰ پرستی
کے سخت مخالف ہیں۔ جس سے ثابت ہو چکا کہ مقدس دین اسلام کو

غیر اللہ کی پرستش سے دور کا بھی تعلق نہیں خواہ معبود باطل ارضی ہو یا سماوی۔

وانہ اھلک عادا الاولیٰ کی تفسیر

وَ اَنَّہٗۤ اَھۡلَکَ عَادَاۨ الۡاُوۡلٰی ۔ اور (صحف موسیٰؑ و ابراہیمؑ میں یہ بھی تھا کہ) اوسی نے عاد اولیٰ کو تباہ کیا۔" یہ قوم حضرت ہود علیہ السلام کی تھی اور آپ بھی اسی قوم کی برادری سے تھے۔ قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں ان کا ذکر آیا ہے سورہ شعراء میں حضرت سیدالشیوخ قدس سرہ العزیز کے قلم فیض رقم سے اس کی تفسیر گزر چکی ہے یہاں اس کا صرف ایک وصف " اَلۡاُوۡلٰی" جدید طور پر مذکور ہوا ہے اور اسی کی تفسیر کرنی ہے۔

یہ قوم عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوحؑ کی اولاد سے تھی۔ اس کو " اولیٰ" اس بنا پر فرمایا گیا کہ طوفان نوحؑ کے بعد جس قدر اقوام اپنی سیہ کاریوں کے باعث ہلاک ہوئیں اون میں سب سے پہلے ہلاک ہونیوالی یہی قوم عاد تھی۔ اس اعتبار سے " اولیٰ" قوم کی صفت نہیں بلکہ ہلاکت کی صفت ہوئی۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے: — اھلک عادا اِھلکۃ الاولی "پہلی تباہی میں قوم عاد کو ہلاک کیا۔" یہ قوم طوفان باد (آندھی) سے ہلاک ہوئی تھی

عاد اولیٰ کا بیان

بعض مفسرین یوں فرماتے ہیں کہ یہ تمام دو قوموں کے تھے۔ ایک تو مذکورہ قوم جو عاد بن ارم کی اولاد سے تھی یہ عاد اولیٰ ہے۔ جب یہ تباہ ہوئی تو اس میں سے ایک عورت ہزیلہ نامی اور اوس کے چار لڑکے عمرؔ، عمروؔ، عامرؔ اور عقیدؔ بچ گئے۔ (غالباً اس وجہ سے کہ یہ حضرت ہود علیہ السلام کے فرماں بردار تھے)۔ ہزیلہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عمالیق سے تھی۔ اور یہ عورت اپنی اولاد سمیت، عمالقہ میں شامل ہو گئی، پھر ان بچوں کی اولاد پھیلی تو اون کو عمالقہ نے اپنے میں شامل نہ کیا۔ بلکہ اون کو قوم عاد ہی کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس لئے یہ لوگ عاد ثانیہ کہلانے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فتنۂ فرعون سے نجات پانے کے بعد جب عمالقہ سے جہاد فرمایا تو عاد ثانیہ بھی عمالقہ کے ساتھ آپ کے مقابلہ اتر آئی تھی۔ اس اعتبار سے "اُولیٰ" قوم عاد کی صفت ہوئی۔ اور اس صورت میں کوئی لفظ محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

وثمود فما ابقیٰ کی تفسیر

وَثَمُودَ فَمَآ اَبْقٰی۔ اور قوم ثمود کو اوسی (خدائے قوی و توانا) نے ایسا تباہ کیا کہ ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔ یعنی قوم عاد کی تباہی میں تو بعض افراد

بچ رہے تھے جیساکہ اوپر گزرا مگر ثمود پر ایسی تباہی آئی کہ ایک بھی بچ نہ سکا۔ (بیان بخدا)۔ گویا یہ عذاب استیصال تھا کہ ساری قوم چشم زدن میں تہس نہس ہو کر رہ گئی۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ایک چیخ سے برباد ہوئی تھی۔ سورۂ شعرا میں اور دیگر مقامات میں ان کا مذکور بھی ہوا ہے۔

عادۃ اللہ کا بیان ابتداءً الطاف وعنایات

عادۃ اللہ اس طرح جاری ہوئی ہے:— فاولاً باللطف، وثانیاً بالعتاب، وثالثاً بالعقاب، فان لم یحصل التنبہ فبالازالۃ والاھلاک، وھکذا عادۃ اللہ فی خلقہ فلینتبہ العباد ولیحافظوا علی المراتب فی تربیۃ عبیدھم واماءھم وخدمھم مطلقا۔ (روح البیان) اللہ سبحانہ کا سلوک اپنے بندوں کے ساتھ ابتداءً لطف ومرحمت ہی کا رہتا ہے۔ بندے اگر شکر گزار رہتے ہیں تو الطاف ومراحم میں ترقی ہی ہوتی رہتی ہے۔ مومن کی شان ہی ہے کہ وہ الطاف الٰہیہ ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی میں نشو ونما پاتا ہے۔ مرحمت الٰہیہ ہی میں اپنی تمام زندگی گزارتا ہے اور دنیا سے جاتا بھی ہے تو

مغفرت الٰہیہ اوس کا استقبال کرتی ہے۔ مبارک ہے وہ قوم جس کی آفرینش نشوونما، زندگی، اور انجام ہر مرحلہ میں اللہ سبحانہ کا لطف ہی لطف کارفرما ہو

طغیان اقوام اور عتاب الٰہی

۲۔ اس کے برخلاف، اگر کوئی قوم، اللہ سبحانہ کے الطاف و مراحم سے غلط طریقہ پر فایدہ اٹھانا چاہے خواہ وہ کوئی ہو مثلاً کفران نعمت پر اتر آئے تو عتاب الٰہی کی مستوجب ہوگی۔ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں عتاب آمیز خطاب فرمایا گیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وہ جملہ ہدایات جو اس قبیل سے ہیں وہ تمام کی تمام، ایسی قوم سے متعلق ہوں گے۔ اب دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ وہ قوم اس خطاب عتاب سے متاثر ہوکر اصلاح حال کی طرف مائل ہوگی تو اوس کا شمار پہلے زمرہ میں ہوگا اور اگر بدقسمتی سے مائل بہ اصلاح نہ ہوا اور عتاب الٰہی کی پروا نہ کرے تو اللہ سبحانہ کو بھی ایسی قوم کی پروا نہیں۔ خواہ وہ کسی قوم و نسل سے ہو۔ اوس کو پستی میں ڈال دیا جائے گا۔ یعنی تیسرے زمرہ میں۔

طغیان میں اضافہ اور عتاب الٰہی

۳۔ تیسرا زمرہ اون لوگوں کا ہے جن پر عتاب الٰہی کارگر نہ ہوا۔ اور یہ بھی بے سود ثابت ہوا

ایسی قوم کے لئے اب "عقاب" (سزا) مقرر ہے۔ یعنی جو نعمت دی گئی تھی اوس سے وہ قوم محروم کردی جاتی ہے اور وہ نعمت اوس سے سلب کرلی جاتی ہے۔ کیوں کہ اوس قوم کے طغیان و تمرد کا باعث' وہی نعمت ثابت ہوئی تھی۔ درحقیقت وہ نعمت' باعث طغیان و تمرد نہ تھی بلکہ اوس قوم نے اوس کا استعمال غلط طریقہ پر کیا تھا۔ اور بیجا طور پر اوس سے کام لیا جارہا تھا اس نوبت پر بھی دو صورتیں درپیش ہوں گی۔ یا تو زوال نعمت سے خبردار ہوکر اوس قوم کی حالت درست ہوجائے گی۔ اور سزا کا مقصد بھی یہی ہے۔ ورنہ کسی کو سزا دینے میں اللہ سبحانہ کا کیا مفاد ہے؟ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم وکان اللہ شاکرا علیما تم کو عذاب دینے سے اللہ سبحانہ کو کیا فائدہ۔ اگر تم اللہ سبحانہ کے شکر گزار بنے رہو اور اوس پر ایمان رکھو۔ اللہ سبحانہ تو شاکرین کا قدردان بہترین جزا دینے والا اور ہر طرح کا علم رکھتا ہے"

عتاب و عقاب میں بھی رحمتِ الٰہی مضمر ہوتی ہے

جاننا چاہئے کہ ناشکر گزار قوم کے ساتھ اللہ سبحانہ کا سلوک' عتاب آمیز ہو یا عقاب کی صورت لئے ہوئے ہو۔

درحقیقت لطف وکرم اور عنایت ومرحمت ہی کی بنا پر ہے۔ وہ مہربان ہے اور مہربانی ہی کے باعث، وہ صورت اختیار فرمائی ہے جو اس قوم کے لئے مفید ہے۔ جیسے کوئی خیرخواہ طبیب مریض کو ضرررساں غذا سے منع کرتا، اور تلخ دوا تجویز کرتا ہے۔ ع کہ داروئے تلخ است ودفع مرض۔ یا کوئی مہربان حاکم کسی فضول خرچ جاگیردار کو بیجا تصرفات سے روک دیتا اور اوس کی جاگیر اور ذات پر اپنی نگرانی قایم کرتا ہے تاکہ ناعاقبت اندیش جاگیردار اور اوس کی جاگیر آیندہ زیرباریوں سے محفوظ رہے۔ پس اللہ سبحانہ کی مرحمت وعنایت جو اس قوم پر ہے اوس کی یہ آخری حد ہے۔ اس پر وہ متنبہ ہو جائے اور اپنا طرز عمل درست کرے اوس کو اب بھی اس کا موقع حاصل ہے۔

موجودہ حالت پر ایک نظر

ہم مسلمانوں کی موجودہ حالت پر اگر غور کیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوسکتا ہے کہ ہماری قوم اب اسی دور سے گزر رہی ہے۔ ابتداءً الطاف ونوازشات کی بارش ہوتی رہی۔ اور خوب بارش ہوئی قوم جدھر رخ کرتی تھی فتح وظفر اوس کے قدم چومتی تھی۔ پھر طغیان شروع ہوا تو

امساک باراں ہوا۔ ترقی رک گئی۔ مگر طغیان اوسی طرح رہا بلکہ اور بڑھا تو معرض عتاب میں آ گئی۔ یہ علاقہ گیا وہ علاقہ گیا۔ نبض شناس حکام سلاطین نے فیاضی شروع کی اور داد و دہش کو اپنا شعار بنایا۔ عتاب الٰہی بھی رک گیا۔ رہی سہی عزت قائم و برقرار رہی۔ خرمی و کامرانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ ترقی کے خواب پڑنے لگے۔ اور قریب تھا کہ خواب کی تعبیر مثل فلق الصبح (روز روشن کی طرح) دکھائی دے۔ یکایک حالت بگڑی اور ایسی بگڑی کہ کسی کے سنبھالے سے سنبھل نہ سکے۔ طغیان کے ساتھ تمرد بھی شامل ہوا اور دیکھتے دیکھتے سر سے اونچا ہو گیا۔ پھر کیا تھا کہ چشم زدن میں امر الٰہی عقاب کی صورت میں آپہنچا۔ اور وہی ہوا جو اس قسم کے حالات میں ہوتا ہے۔ خیر، جو ہونا تھا ہوا۔ اب بھی اصلاح حال کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اور اصلاح حال کے خاطر ہی عتاب کے بعد عقاب آیا ہے۔ حالت اگرچہ دردناک ہے مگر اس کی تہ میں مرحمت و عنایت ہی کارفرما ہے۔

۴۔ خدانخواستہ خدانخواستہ اگر یہ صورتِ عقاب بھی کارگر نہ ہو (اور خدا نہ کرے کہ کارگر نہ ہو) تو آخری صورت "ازالہ اور اہلاک" کی ہے۔

یہی عادۃ اللہ گزشتہ اقوام میں جاری رہی ہے بندگان خدا کو اس نوبت پر
چونک جانا چاہیے۔ باندی، غلام، ماتحت ملازمین کے ساتھ بھی انسان کو
یہی سلوک اختیار کرنا چاہیئے۔ اور عموماً یہی طریقۂ تربیت رائج ہے۔ اہلاک
کا اختیار صرف مالک الملک کو حاصل ہے۔ انسان کو اپنے باندی غلاموں
اور ملازمین کو ہلاک کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ اس کو چاہیئے کہ آخری
نوبت پر باندی غلام کو فروخت کردے اور ملازمین کو ملازمت سے
برخاست کردے۔ ازالہ ہی اوس کے اہلاک کا بھی موجب ہے۔ قوم ثمود کا
یہی حشر ہوا۔ کہ کوئی فرد اس نامراد قوم کی بچ نہ سکی۔ ازالہ واہلاک بدکردار
قوم کے حق میں تو سزا ہے لیکن ان کی ہلاکت، نیک کرداروں کے حق میں
لطف و مرحمت ہے کہ اون کو بدکردار قوم کی ایذاؤں سے نجات ملیگی۔
سبحان اللہ ہلاکت بھی بجمیع الوجوہ سزا نہیں بلکہ کسی نہ کسی حیثیت سے رحمت ہے۔

وقوم نوح من قبل کی تفسیر

وقوم نوح من قبل انّھم کانوا ھم اظلم واطغیٰ۔

اور ان (اقوام عاد و ثمود) سے پیشتر قوم نوحؑ کو بھی ہلاک کر کے چھوڑا تھا۔
یہ سب کے سب بہت ہی ظالم اور بہت ہی سر چڑھے تھے "۔ حضرت نوح

علیہ السلام اس قوم میں ایک ہزار سال تک ٹھہرے رہے۔ ایک ایک نسل اور پشت کو اون کے پیدا ہونے سے اون کے مرنے تک عمر بھر نصیحت فرماتے۔ جب وہ پیر فرتوت بن جاتے اور قبول نصیحت کی توقع باقی نہ رہتی تو صبر فرمالیتے اس امید پر کہ اگر یہ نسل اس قابل نہیں رہی ہے تو ان کی آئندہ نسل اور پشت نصیحت قبول کرے گی۔ جب اون سے بھی توقع اُٹھ جاتی تو اون کی آئندہ نسل کے منتظر رہتے۔ اب یہ صورت پیش آنے لگی کہ قوم کا ایک ایک شخص اپنے بچوں کو ساتھ لاکر اون کو حضرت نوح علیہ السلام سے ان الفاظ میں روشناس کراتا کہ بچو! دیکھو یہ نوح ہیں۔ اپنے کو نبی و رسول کہتے ہیں۔ یہ سب غلط ہے ان کو ہرگز نہ ماننا۔ میرے باپ نے بھی اسی طرح نصیحت کی تھی۔ اور میرے باپ کو اون کے باپ نے بھی یہی نصیحت کی تھی لہذا میں بھی تم کو جتادیتا ہوں۔ خبردار! ان کی بات نہ ماننا"۔ یہ طریقہ اوس قوم کے سنجیدہ لوگوں کا تھا ورنہ اوس قوم میں ایسے بدنہاد بھی تھے جو آپؑ کو مار مار کر بیہوش کردیتے۔ آپؑ کا مذاق اڑاتے، آپ کے ساتھ استہزا کرتے۔ گالیاں دیتے۔ اور طرح طرح سے آپ کو دق کرتے اور ایذا پہنچاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب غرق کردیے گئے۔

انھم کانوا ھم اظلم کی تفسیر

اِنَّھُمْ کَانُوْا ھُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی کی تفسیر میں مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے قوم نوحؑ ہی مراد ہے جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے عاد و ثمود اور قوم نوحؑ سب ہی مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔ ہر ایک رائے بجائے خود درست ہے۔

والمؤتفکۃ اھوی کی تفسیر

وَالْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی فَغَشّٰھَا مَا غَشّٰی۔ اور الٹی ہوئی بستی کو پٹک مارا پھر اون کو گھیر لینے والی چیز نے گھیر لیا۔ یا اون کو جیسا گھیر لینا چاہیئے تھا گھیر لیا۔" مؤتفکۃ سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم مراد ہی یہ قوم لواطت جیسی شرمناک لعنت میں گرفتار تھی۔ ان کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مرد، مرد، آپس میں شہوت رانی کرتے تھے۔ ان کی عقل کچھ ایسی اوندھی تھی کہ قانون فطرت کی ایسی خلاف ورزی کرتے ہوئے اون کو ذرا بھی شرم نہیں آتی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا منایا، وعظ و تلقین فرمائی۔ تبادل طریقہ جو شریعت اور قانون فطرت کے مطابق تھا اون کو تبلایا۔ مگر ساری نصیحتیں بے سود ثابت ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہی

راستہ کی طرف جا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا تو تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی نسل گم ہو جاتی اور تباہی نسل کی دائمی موت ان پر چھا جاتی۔ مگر قدرت ایسے بدکردار لوگوں کو یوں ہی کب چھوڑتی؟ ان پر عذاب آیا تو اس انوکھے جرم کی سزا بھی بالکل انوکھے طریقہ سے دی گئی۔ اسی وجہ سے ارشاد ہوا فغشّٰھا ما غشّٰی یعنی اون کو گھیرنے والی چیز نے گھیر لیا۔" سزا کو مبہم طریقہ سے بیان کرنا اوس کی شدت اور ہولناکی کو ظاہر کرتا ہے یعنی ایک شدید اور ہولناک عذاب اون پر آیا وہ یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اُن کی ساری بستیوں کو اپنے اجنحہ پر اٹھا لیا۔ اور آسمان تک بلند کیا۔ پھر الٹا کے پٹک دیا۔ اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ اس طرح ساری قوم ڈھیر ہو گئی۔ یہ قصہ قرآن کریم میں متعدد جگہ مختلف انداز میں آیا ہے۔

فبایّ آلآءِ ربّک تتماریٰ کی تفسیر

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں سے جھگڑتے، بحث کرتے، اور شک میں پڑے ہوئے رہو گے۔" عادۃ اللہ جس کا بیان ابھی ہوا اوس پر غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ کی

نعمتیں اور رحمتیں کس طرح انسان کے شامل حال ہیں۔ ابتدائی درجہ آفرینش کا سرتا پا رحمت ہے کہ وجود انسانی کو اللہ سبحانہ نے انسان کے کسی عمل و استحقاق کے بغیر کیسے کیسے قیمتی آلات بلکہ انمول جواہر (ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، آنکھ، دل، دماغ وغیرہ سے آراستہ کیا اور ان اعضا میں (حرکت، سکون، احساس، عقل وشعور وغیرہ) صفات ودیعت فرماکر اون کی قدر بڑھائی۔ پھر کتابیں نازل کرکے اور انبیاو رسل علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرماکر مفید و مضر کی شناخت کرائی۔ اس پر بھی کوئی غفلت کج روی اختیار کرے تو عتاب آمیز خطاب کے ذریعہ چونکا دینے کا سامان فرمایا۔ یہ بھی عین رحمت ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی غلط عمل پر اڑا رہے تو عقاب و عذاب سے کام لے کر راہ راست پر لانے کا انتظام فرمایا۔ اس میں بھی رحمت ہی رحمت مضمر ہے اگر کوئی اس پر بھی نہ مانے تو اوس کو درمیان سے ہٹا کر دوسروں کے لئے راستہ صاف کرنے کی حکیمانہ تدبیر فرمائی۔ اور طریقہ عدل و مجازات قائم فرما دیا۔ بدکاروں کے حق میں تو عدل فرمایا لیکن نیکوکاروں پر باب فضل کشادہ ہوا۔ اس طرح عتاب، عقاب، ازالہ و اہلاک سب کے سب طریقے نعمت و رحمت ہی قرار پائے۔ اب سوال فرمایا جا رہا ہے کہ اے انسان!

تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں سے جھگڑتا، بحث کرتا اور شک کرتا رہیگا؟
اطاعت و انقیاد کی راہ کیوں نہیں چلتا اور صبر و شکر کا عادی کیوں نہیں ہوتا
اور رضا و تسلیم کی خو کیوں اختیار نہیں کرتا اس میں اول سے آخر تک تیرا ہی
سود و بہبود ہے خدائے ذوالجلال کی ذات غنی کریم بے نیاز ہے۔

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ۝ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ 53-56 53-57

لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ 53-58 53-59

تَعْجَبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ۝ 53-60 53-61

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝ یہ ایک ڈر سنانے والے ہیں سابقہ ڈر 53-62

ع ۳

عله نذیر۔ المنذر و یقع علی کل شیئ فیه انذار انسانا کان او غیرہ
والنذر جمعه قال هٰذا نذیر من النذر الاولی ای من جنس ما انذر
به الذین تقدموا۔ والانذار اخبار فیه تخویف کما ان التبشیر
اخبار فیه سرور (مفردات) وقال بعضهم ولا یکاد یکون الا فی تخویف

سنانے والوں کے طرح آپہنچی آنے والی، کوئی نہیں اللہ کے سوا (اس

(بقیہ حاشیہ علی صفحہ گذشتہ)

یسع زمانہ الاحتراز من المخوف بہ والا فھو اشعار واعلام واخبار لا انذار (سمین) ڈر سنانے والے کو "نذیر" کہتے ہیں۔ اس کا استعمال ہر تخویف میں ہوتا ہے خواہ ڈر بتانے والا انسان ہو یا اور کوئی چیز۔ "نُذُر" اس کی جمع ہے۔ باری تعالی کا ارشاد ہے:۔ "ھٰذا نذیر من النذر الاولی۔" یعنی یہ بھی اوسی جنس سے ہیں جس سے اگلے ڈر سنانے والے تھے۔ "انذار" ایسی خبر دینی جس میں تخویف ہو۔ جیسا کہ تبشیر ایسی خبر سنانی جس میں خوشی ہو۔ بعضوں نے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ تخویف ایسے وقت ہو کہ اوس سے بچنے کی وقت میں گنجایش ہو۔ ورنہ وہ انذار نہیں بلکہ اشعار، اعلام اور اخبار ہے"۔

ع۲ ازفت۔ الآزفۃ ای دنت القیامۃ وازف وافد یتقاربان لکن ازف یقال اعتبارا بضیق وقتھا (مفردات) ازفت الآزفۃ کے معنی ہیں قیامت قریب آگئی۔ ازف اور افد دونوں کے معنی قریب قریب ہیں لیکن ازف اوس موقع پر کہا جاتا ہے جب کہ وقت تنگ ہو جائے"۔

ع۳ کاشفۃ۔ کشف الشیئ ویکشفہ کشفا وکاشفۃ اظھرہ ورفع عنہ ما یواریہ ویغطیہ (محیط المحیط) وکشفت الثوب عن الوجہ وغیرہ ویقال

مصیبت) کو ٹال سکے، کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو، اور (قیامت کا

(بقیہ حاشیہ ۳۵ صفحہ گذشتہ)

کشف غمہ (مفردات) کسی چیز کو ظاہر کرتے ہیں اور جو چیز اوس کو چھپائے رکھتی یا ڈھانک لیتی تھی اوس کو دور کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں کَشَفَ۔ اس کا مضارع یکشف اور مصدر کشف و کاشفۃ آتا ہے۔ منہ پر سے یا اور کسی چیز سے کپڑا ہٹا دینے کو کشف کہتے ہیں۔ نیز کسی کا غم غلط کیا جاتا ہے تو کشف غمہ کہتے ہیں۔"

۳۶۔ تعجبون۔ عجب من کذا وله خیرا کان او شرا یعجب عجبا اخذہ العجب منه..... والتعجب انفعال النفس عما خفی سببه وفی المصباح التعجب یستعمل علی وجھین احدھما ما یحمدہ فاعله ومعناہ الاستحسان والاخبار عن رضاہ به والثانی ما یکرہ وھو الانکار والذم له ففی الاستحسان یقال اعجبنی بالالف وفی الذم یقال عجبت۔ (محیط المحیط) کسی کو کسی چیز سے تعجب ہوتا ہے تو عجب من کذا یا عجب له کہتے ہیں، خواہ وہ خیر ہو یا شر۔ اصل میں "تعجب" نفس کا اثر پذیر ہونا ایسی چیز سے جس کا سبب پوشیدہ ہو۔ تعجب دو طرح پر ایک وہ جس کا کرنے والا اوس کو اچھا سمجھتا ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اچھا جاننا اور اپنی پسند کی خبر دینا۔ دوسری قسم وہ جو ناپسند ہو یعنی کسی کو برا جاننا اور اوس کی مذمت کرنا۔

ذکر سنکر) ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم لہو لعب میں گرفتار ہو پس سجدہ کرو

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گذشتہ)

استحسان کی صورت ہو تو اعجبنی الف کے ساتھ اور ذم کی صورت ہو تو عجبنی بدون الف کہتے ہیں" یہاں تعجبون بدون الف ہے اور ذم کے موقع پر ہی آیا ہے۔

عا۔ السامد اللاھی الرافع رأسہ من قولھم سمد البعیر فی سیرہ قال وانتم سامدون (مفردات) لہو لعب میں رہنے والا جو اپنا سر اٹھایا ہوا ہوتا ہے اوس کو "سامد" کہتے ہیں۔ (یعنی غور و فکر نہ کرنے والا) اسی سے عرب کا محاورہ ہے سمد البعیر فی سیرہ۔ ارشاد باری وانتم سامدون سے بھی یہی مراد ہے۔ یعنی تم لہو لعب میں گرفتار ہو۔ (غور و فکر نہیں کرتے)" سمد الرجل یسمد سمودا رفع رأسہ تکبرا وعلا فھو سامد وسمد الرجل لھا ای کان لاھیا والسمود یکون حزنا و سرورا (محیط المحیط) تکبر اور تعلی کے خیال سے کوئی سر اٹھائے تو سمد الرجل کہتے ہیں نیز لہو لعب میں مبتلا ہو تو اوس موقع پر بھی یہی کہتے ہیں۔ غم اور سرور دونوں مواقع میں سمود کا اطلاق ہوتا ہے" وقال ابو عبیدۃ السمود الغناء بلغۃ حمیر یقولون یاجاریۃ اسمدی لنا ای غنی لنا (روح المعانی) ابو عبیدہ کہتے ہیں:۔ سمود کے معنی قبیلہ حمیر کی لغت میں گانے کے ہیں۔ چنانچہ مغنیہ سے وہ کہتے تھے:۔ اسمدی لنا۔ یعنی ہم کو اپنا گانا سنا۔"

اللہ ہی کے لئے اور (اوسی کی) عبادت میں لگے رہو۔"

ھٰذا نذیر کی تفسیر

آیہ کریمہ ھٰذا نذیر من النذر الاولیٰ میں ھٰذا کا اشارہ حضرۃ محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفداء کی مقدس ذات، اور آپ پر نازل کئے ہوئے احکام و ہدایات (قرآن کریم) کی طرف ہے کہ آپ بھی اگلے ڈر سنانے والے انبیاء و رسل علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ یاد رکھو کہ آپؐ کے بعد پھر کوئی نبی و رسول ظلّی یا بروزی نہ ہوگا اور آپؐ پر نازل شدہ کتاب (قرآن حکیم) کے بعد اور کوئی کتاب نازل ہونیوالی نہیں ہے۔ قیامت تک آپ ہی کی نبوت و رسالت قایم رہیگی اور آپ ہی کی کتاب کے احکام و ہدایات جاری رہیں گے۔ آپؐ کی بعثت اور آپ کی کتاب کا نزول بروقت ہوا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اس مبارک و مسعود وقت کو

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گذشتہ)

فقیر عرض کرتا ہے کہ قریش کی عادت تھی کہ جب قرآن کریم نماز میں پڑھا جاتا تو کفار اوس وقت شور مچاتے، زور زور سے گاتے بجاتے تاکہ قرآن کریم کو نہ تو نماز میں مسلمان سن سکیں اور نہ قریش کے دوسرے افراد سننے پائیں جو اگرچہ مسلمان نہ تھے مگر توقع تھی کہ قرآن پاک کو سن لینے کے بعد مشرف باسلام ہو جائیں گے۔ یہ صورت بعض بعض جگہ اب تک قایم ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

غنیمت جان کر آپؐ پر اور آپؐ کی کتاب پر ایمان لاؤ اور ان کی ہدایات پر چلتے رہو۔ کہ یہی سعادت عظمیٰ ہے۔

ازفت الآزفۃ کی تفسیر

ازفت الآزفۃ لھا من دون اللہ کاشفۃ ۔ آنے والی (ساعت) قریب آچکی اوس کا ٹھیک وقت بتانے والا (بلکہ جاننے والا) اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں آپؐ کا مشہور صفت "نبی آخر الزماں" اور (قرآنی لقب "خاتم النبیین" ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے دو انگشتان مبارک (بیچ کی انگلی اور کلمے کی انگلی) کو اٹھا کر فرمایا: بعثت انا والساعۃ کھاتین ۔ میں ایسے وقت مبعوث ہوا کہ میرے اور قیامت کے درمیان بس اتنا ہی فصل ہے جتنا ان دو انگلیوں میں ہے"۔ یا یہ کہ ان دو انگلیوں کی درازی میں جس قدر فرق ہے۔ مجھ میں اور قیامت میں بس اتنی ہی دیری ہے۔ لہٰذا ایمان و اطاعت کے لئے جلد کمربستہ ہو جاؤ۔ سستی و کاہلی مفید نہیں مزید انتظار عبث اور تضیع اوقات ہے۔

دنیائے دو روزہ پر ایک سرسری نظر

مشہور ہے کہ دنیا دو دن کی ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ان یوما عند ربك کالف سنۃ مما تعدون ۔ تمہارے پروردگار کے پاس کا ایک دن

١٣٧٣
تمھاری شمار اور گنتی سے ایک ہزار برس کے برابر ہے" اس میں سے تیرہ سو تہتر سال گزر چکے۔ گویا ایک دن ختم ہو چکا اور دوسرے دن کی بھی کچھ ساعتیں گزر چکی ہیں۔ اب چند ساعات ہی باقی ہیں اس کے بعد قیامت ہے۔ چونکہ "نذیر" کہتے ہی ہیں ڈر سنانے والے کو، ایسے وقت پر کہ ڈرنے والا اپنے بچاؤ کا سامان کرنا چاہے تو وقت میں اتنی گنجایش ہو۔ نیز آپ کی بعثت کافّۃً للنّاس یعنی ساری دنیا کے لئے ہے۔ تو وقت میں اتنی گنجایش بھی ہونی چاہئے کہ آپ کی دعوت، دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک پہنچ سکے۔ پھر آپ کو "رحمۃ للعالمین" بنایا گیا۔ لہٰذا اس تبلیغ میں سہولت بھی ملحوظ ہونی چاہئے کہ یہ سہولت آپ کی دعوت، ساری دنیا میں پھیل سکے۔ اور ہر شخص کو غور و فکر کا کافی موقع مل سکے۔ اور جو شخص جس طریق سے جانچ کرنا چاہے پوری طرح جانچ کرلے۔ اور اسلام کی صداقت ذہن نشین ہو جائے۔ الحمد للہ یہ صورت خود بخود پیدا ہو رہی ہے۔ مغربی اقوام قرآن کریم اور احادیث رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ فقہ، عقائد، تصوف اسلام سب کچھ پڑھ رہے ہیں اور ان کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ اسلامی صداقت اون پر

اون پر منکشف ہوجائے اور صدق دل سے دامن اسلام میں پناہ لیں۔ کما قال تعالیٰ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔

دین صداقت سے پھیلتا ہے

اب تک یہ کہا جاتا تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ جواب میں صرف ایک شعر کافی ہے:

اسلام کو یہ کہتے ہو پھیلا بزور تیغ　　یہ بھی کہو گے پھیلی خدائی بزور موت

یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی دین تلوار سے نہیں بلکہ اپنی صداقت سے پھیلتا ہے اشاعۃ اسلام بھی صداقت ہی کی بنا پر ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی تلواریں تو آج سے سینکڑوں برس پہلے نیام ہوچکیں اس کے بعد بھی دیار مغرب اور بستی دنیا میں جو اسلام کی اشاعۃ ہو رہی ہے وہ کس بنا پر ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ صداقت اور صرف صداقت کی بنا پر۔

کاشفۃ کی دوسری تفسیر دافعۃ کی گئی ہے یعنی قیامت کو اللہ کے سوا اور کوئی ہستی دفع نہیں کرسکتی۔ اور خداوند تعالیٰ اوس کو دفع کرسکتا ہے مگر چوں کہ اوس کا وعدہ ہوچکا ہے اس لئے وہ بھی دفع نہیں فرمائے گا۔

افمن ھذا الحدیث تعجبون کی تفسیر

افمن ھذا الحدیث تعجبون

تو کیا اس کلام (قرآن) سے (انکار کرکے) تعجب کرتے ہو' قرآن کریم کس اہتمام سے نازل ہوا اوس کی وضاحت سورت ہٰذا کی ابتداء میں گزر چکی۔ ایسے اہتمام شان کے بعد اس میں استعجاب اور حیرت کس بنا پر ہے؟ اس سے پیشتر بھی پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل ہوتے رہے ہیں۔ اگر جاہل قریش' وحی اور کتاب کی حقیقت سے ناواقف ہیں تو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ اہل کتاب سے تو تمہاری دوستی ہے اون سے دریافت کرو گے تو حقیقت معلوم ہوجائے گی کہ اللہ سبحانہ کے پاس سے کتابیں اور صحیفے رسل سابقین پر ہمیشہ اترتے رہے ہیں۔ ایسی متواتر اور بدیہی چیزوں کا انکار کوئی جاہل ہی کرسکتا ہے۔ مگر اس کے انکار سے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ لہٰذا نزول قرآن میں کوئی بات حیرت و تعجب کی نہیں بلکہ تمہارا انکار قابل تعجب و حیرت ہے۔

وتضحکون ولاتبکون کی تفسیر

وتضحکون ولاتبکون ۔ اور تم (اس قرآن کریم کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے) ہنستے ہو اور روتے کیوں نہیں؟ (تم کو تو اپنی اس حالت پر رونا چاہئے۔) رونے کے مقام پر الٹے ہنسنا' کمال سفاہت و

نادانی کی دلیل ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب صفہ اتنا روئے کہ اون کے رخسار آنسوؤں سے تر بتر ہوگئے۔ آں حضرت کو بھی اس سے رقت ہوئی اور ہم سب بھی رو دیے پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ لا یلج النار من بکی من خشیۃ اللہ ولا یدخل الجنۃ مصر علی معصیۃ اللہ ۔ جو خشیۃ الٰہی سے روتا ہے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور جو معصیت پر اڑا رہتا ہے وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ (بیہقی)

وانتم سامدون کی تفسیر

"وانتم سامدون" اس کی تفسیر میں حسب ذیل روایات ہیں:۔

۱۔ لاھون معرضون عنه ۔ (عبدالرزاق، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ عن ابن عباسؓ) درحالیکہ تم لہو لعب میں لگے ہوئے (قرآن کریم سے) اعراض کرتے ہو۔

۲۔ غافلون۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر عن قتادہ) غفلت میں پڑے ہوئے ہو"

۳۔ نافع نے حضرت ابن عباسؓ سے "سامدون" کی تفسیر

دریافت کی تو فرمایا:۔ السمود اللھو والباطل۔ "سمود" کے معنی "ناچ رنگ" اور باطل پرستی کے ہیں۔" اس پر نافع نے پوچھا کہ اہل لغت نے کہیں اس کا استعمال کیا ہے؟ تو فرمایا ہاں۔ کیا تم نے ہزیلہ بنت بکر کے یہ اشعار نہیں سنے جس میں وہ قوم عاد کا مرثیہ پڑھتی ہے:۔

لیت عاد قبلوا الحقّ ولم یبدوا جحودا

قیل قم فانظر الیھم ثمّ دع عنك السمودا

کاش کہ قوم عاد حق کو مان لیتی اور اوس کا انکار نہ کرتی۔ (مگر اس بدبخت قوم نے ایسا نہ کیا بالآخر اوس پر تباہی آئی) کہنے والے نے کہا اوٹھو اور اون کی (تباہی) دیکھ لو پھر سب "ناچ رنگ" اور "باطل پرستی" بھول جاؤ۔" (طبرانی، طستی) فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ "ہزیلہ" وہی عورت ہے جس کا ذکر اھلك عادن الاولیٰ کی تفسیر کے ضمن میں آیا تھا

۴۔ الغناء بالیمانیة کانوا اذا سمعوا القرآن تغنّوا ولعبوا

(عبدالرزاق، فریابی، ابوعبید، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی، عن ابن عباسؓ) (سمود کے معنی) اہل یمن کے محاورہ میں "گانے بجانے" کے ہیں۔ مشرکین جب قرآن سنتے تو گانے بجاتے

ناچتے اچھلتے تھے"۔ مقصد یہ تھا کہ سننے والے بھی اوس کو نہ سن سکیں۔
عکرمہ کہتے ہیں کہ حمیر کی لغت میں اس کے معنی گانے بجانے کے ہیں"۔ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر)۔

۵۔ غضابٌ مبرطمون (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر عن مجاہد)
غضبناک ہو کر تکبر کرتے ہوئے"۔

ان معانی کے علاوہ تفاسیر میں اور معانی بھی لکھے ہیں۔ جو بجائے خود درست ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی بلاغت کی ایک مثال

فقیر عرض کرتا ہے کہ مشرکین کا یہ وتیرہ، قرآن کریم کی تلاوت کے موقع پر یہ سب کچھ تھا۔ کبھی لہو لعب میں لگے رہتے، کبھی غفلت برتتے کبھی ناچ رنگ کرتے اور بطور استہزاء ناچتے کودتے، شور مچاتے۔ کبھی گاتے بجاتے۔ کبھی غضبناک ہو کر متکبرانہ انداز میں اونچے ہو ہو کر ادھر ادھر گھورتے، مگر بلاغت قرآنی کے قربان یہ سارا نقشہ صرف ایک کلمہ "سامدون" میں کھینچ دیا۔ یہی شان کلام پاک کی اول سے آخر تک ہے۔ آمنّا وصدّقنا:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

فاسجدوا للہ واعبدوا کی تفسیر

فاسجدوا للہ واعبدوا
بس اللہ ہی کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ اور (اوسی) بندے بنے رہو"، کلام پاک کی تاثیر قابل ملاحظہ ہے کہ جس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اور حضور اکرم نے اس کی تلاوت کے فوری بعد سجدہ ادا فرمایا تو مومن، کافر، جن، انس، ملائکہ سب کے سب سجدے میں گر پڑے بجز ایک کافر کے جو بہت بڈھا اور جسیم تھا اوس سے سجدہ نہ ہو سکا مگر (جیسا کہ اس سورہ کی تفسیر کے آغاز پر عرض کیا گیا) اس سے بھی رہا نہ جا سکا، اوس نے مٹھی بھر خاک زمین سے اٹھا کر پیشانی پر لگالی اور کہا کہ ھٰذا یکفینی ۔ (ایسے بڈھے اور تن و توش والے کیلئے اسی قدر کافی ہے"۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں کہ اس وقت سب کو ایک غاشیہ الٰہیہ نے گھیر لیا تھا"۔ یعنی تجلی قہر و جلال کے آگے سب کو طوعاً و کرہاً سر بسجود ہونا پڑا ۔ سچ ہے ولو شاء لھدٰکم اجمعین اگر اللہ چاہے تو (ایک سجدہ کیا چیز ہے) سب کو ہدایت دیدے"۔ مگر مشیت یہ ہے ۔ فریقٌ فی الجنّۃ و فریقٌ فی السعیر۔

سجدۂ نجم کا بیان

ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ بارھواں سجدہ ہے

اگرچہ نزول کے اعتبار سے یہ پہلا ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز نے فتوحات میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ سجدۂ عبادت ہے۔" حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہاں سجدہ واجب ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک واجب نہیں۔ سنت ہے۔ لما روی عن زید بن ثابتؓ انّہ قرأ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم والنجم فلم یسجد فیھا۔ اون کا استدلال زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے ہے کہ اونھوں نے (ایک دفعہ) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۂ والنجم پورا سنایا مگر آپ نے اس وقت سجدہ ادا نہیں فرمایا۔" ائمہ ثلاثہ کی وجوہ سے ہے:۔

۱۔ سجدۂ تلاوت کی ادائی فوراً واجب نہیں۔ بعد بھی ادا ہو سکتا ہے۔

۲۔ ممکن ہے کہ وہ ایسا وقت ہو جس میں سجدہ مکروہ ہے جیسے طلوع و غروب و استوا۔

۳۔ زید بن ثابتؓ اوس وقت قاری تھے اور حضور اکرمؐ سامع۔ قاری کی حیثیت امام کی سی ہوتی ہے چونکہ زید نے سجدہ نہیں کیا اسلئے آپ نے بھی اوس وقت سجدہ ادا نہیں فرمایا بعد کو ادا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

الحمد للہ کہ سورۂ نجم کی تفسیر ختم ہوئی۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ ہماری کوتاہیوں کو اپنے فضل سے معاف فرمائے اور اس تفسیر کی تکمیل میں اپنے اس عاجز بندے کا معین و مددگار ہو۔ آمین۔